بِسْمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

فَمَن يُرِدِ اللَّهُ أَن يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ
لِلْإِسْلَامِ ۖ وَمَن يُرِدْ أَن يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا
كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ ۚ كَذَٰلِكَ يَجْعَلُ اللَّهُ الرِّجْسَ
عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٢٥﴾ وَهَٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ
مُسْتَقِيمًا ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ﴿١٢٦﴾

ترجمہ:

پس خدا جسے ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینے کو اسلام کے لئے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کو گمراہی میں چھوڑنا چاہتا ہے اس کے سینے کو ایسا تنگ اور دشوار کر دیتا ہے جیسے آسمان کی طرف بلند ہو رہا ہو، وہ اسی طرح بے ایمانوں پر ان کی کثافت کو مسلط کر دیتا ہے۔ اور یہی تمہارے پروردگار کا سیدھا راستہ ہے۔ ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے آیات کو مفصل طور پر بیان کر دیا ہے۔

(سورہ انعام: آیات ۱۲۵، ۱۲۶)

اسلامی علوم ومعارف اور علمی وثقافتی افکار وعقائد کا ترجمان

شمارہ: ۲۲۱ مئی۔جولائی ۲۰۱۲ء

خصوصی شمارہ

امام خمینیؒ اور ولایت فقیہ

خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران ۱۸، تلک مارگ، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۱
فون :- ۳۴، ۳۳، ۲۳۳۸۳۲۳۲، فیکس :- ۲۳۳۸۷۵۴۷
http://newdelhi.icro.ir
ichdelhi@gmail.com

شمارہ: ۲۲۱ مئی۔جولائی ۲۰۱۲ء

چیف ایڈیٹر: علی دہگاہی

ایڈیٹر: پروفیسر سیّد اختر مہدی رضوی

جوائنٹ ایڈیٹر: ڈاکٹر سید علی سلمان رضوی

مشاورین علمی

آقای احمد عالمی سرپرست رایزن فرہنگی، حجۃ الاسلام والمسلمین آقای مہدی مہدوی پور،
ڈاکٹر عبدالودود اظہر دہلوی، پروفیسر شاہ محمد وسیم، پروفیسر سیّد علی محمد نقوی،
پروفیسر سید عراق رضا زیدی، پروفیسر سید عزیز الدین حسین ہمدانی

تزئین جلد : عائشہ فوزیہ

صفحہ آرائی و کمپوزنگ : قاری محمد یاسین

ناظر چاپ : حارث منصور

راہ اسلام میں شائع ہونے والے ہر مضمون کیلئے مقالہ نگار خود ذمہ دار ہے۔
مقالہ نویس کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا لازمی نہیں ہے۔
راہِ اسلام مقالات و مضامین کے انتخاب و اصلاح و ایڈیٹنگ اشاعت کے سلسلے میں پوری طرح آزاد ہے۔
اور اس سلسلے میں ایڈیٹوریل بورڈ کا فیصلہ آخری ہوگا۔
اشاعت کی غرض سے ارسال شدہ مقالہ کا خوشخط ہونا لازمی ہے۔عبارت کاغذ کے ایک طرف ہی لکھی جائے
اور کاغذ A-4 سائز کا ہو تو بہتر ہے۔
صرف غیر مطبوعہ مقالات ہی ارسال کئے جائیں۔
تحقیقی مقالات کی آمادگی میں جن مأخذ و مدارک کا استعمال کیا گیا ہو۔ ان کا ذکر لازمی ہے۔
مقالہ کے ساتھ اس کا خلاصہ بھی ضرور ارسال کیا جائے۔
راہِ اسلام میں شائع شدہ مقالات کی نقل یا ان کے ترجمہ و اقتباس کی اشاعت پر کوئی پابندی نہیں ہے
بشرطیکہ مأخذ کا ذکر کر دیا جائے۔

پریس : الفا آرٹ، نویڈا، یو۔پی

فہرست

شمارہ: ۲۲۱ مئی۔جولائی ۲۰۱۲ء

اداریہ:	ادارہ	۷
ولایت فقیہ	آیت اللہ العظمیٰ امام خمینیؒ	۹
منکرین ولایت فقیہ کے قرآنی دلائل	احمد آذری ،قمی	۲۷
نظام ولایۃ الامر ونظم امر	مولانا السید تقی رضا	۴۷
اسلامی انقلاب ،عصری تناظر	پروفیسر سید جعفر رضا	۵۳
امام خمینیؒ اور ولایت فقیہ	درخشاں فاطمہ رضوی ہلّوری	۶۴
ولایت فقیہ کے اہم مراحل —— ایک اجمالی تجزیہ	زہرا بانو حسینی	۷۳
امام خمینیؒ اور نظریۂ ولایت فقیہ	مولانا شاہد حسین	۷۸
عصر حاضر میں ولایت فقیہ	شباب رضا نجمی	۹۱
امام خمینیؒ کی نظر میں تصور ولایت فقیہ	ڈاکٹر شہوار حسین نقوی	۹۷
ولایت فقیہ اور حکومت اسلامی	مولانا سید طیب رضا نقوی	۱۰۱
مفہوم ولایت فقیہ	ڈاکٹر سید علی سلمان رضوی	۱۱۳
ولایت فقیہ بزرگ فقہاء کی نظر میں	مولانا سید غلام حسین رضوی ہلّوری	۱۲۰
ولایت فقیہ قرآن وحدیث کی نظر میں	پروفیسر سید فرمان حسین	۱۳۱
ولی فقیہ کی ضرورت	مولانا کوثر مجتبیٰ	۱۴۶
مجتہد جامع الشرائط اور عصر حاضر	مولانا سید محمد جابر جوراسی	۱۵۴
اجتہاد اور مرجعیت	سید مختار حسین جعفری	۱۵۹
ولی فقیہ امام خمینیؒ اور اسلامی انقلاب کے اثرات	ڈاکٹر مظفر سلطان ترابی	۱۷۴
ولایت فقیہ ،ضرورت اہمیت اور اختیار کے آئینے میں	مولانا ناظم علی خیرآبادی	۱۸۳
اجتہاد وتقلید	مولانا سید ہادی رضا تقوی	۱۹۰

نوٹ: مذکورہ فہرست میں صاحب قلم حضرات کے اسماء کو ''الفبا'' کے اعتبار سے مرتب کیا گیا ہے۔(ادارہ)

اداریہ :

جیسا کہ آپ اس بات سے واقف ہیں کہ انسانی معاشرہ کے لئے ایک نگراں ہونا ضروری ہے مگر بعض لوگ اس فطری عقلی اور فطری ضرورت کے مخالف ہیں۔ یہ لوگ یا تو ایسے بے مہار افراد ہیں جو ایسی آزادی کے خواہاں ہیں جس میں کسی قسم کا نظم ونسق نہ پایا جاتا ہو یا یہ ان چند اشرار کا گروہ ہے جنہیں منضبط زندگی سے نفرت ہے یا یہ ایسے سیاسی لوگ ہیں کہ جنہیں اہل دنیا نے بڑے بڑے مناصب کی طرف پیشکش کی ہے چنانچہ یہ انسانی معاشرے کی اتنی بڑی ضرورت کا انکار کرتے ہیں۔ امام علیؑ اپنے خطبے میں ارشاد فرماتے ہیں'' وانّه لا بدّ للنّاس من امیر برٍّ اوفاجر'' لوگوں کے لئے ایک سرپرست کی بہر حال ضرورت ہے خواہ وہ ولی عادل ونیکوکار ہو یا فاجر وبدکار۔

یہ بات ثابت ہوجانے کے بعد کہ انسانی معاشرے کے لئے والی وسرپرست کی ضرورت ہے سوال یہ اٹھتا ہے کہ کسی بھی انسان کو دوسرے انسان پر ولایت کا حق حاصل نہیں ہے۔ لہذا اگر انسان کسی دوسرے کی اطاعت کرتا ہے تو صرف اس صورت میں کہ اس نے اس سے کسب فیض کیا ہو۔ بہرحال عام انسانوں میں اس قسم کی فیض رسانی کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ چنانچہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ عام طور پر ایک آدمی پر دوسرے کی اتباع واجب نہیں ہے۔ البتہ چونکہ انسان اپنی ہستی کے تمام فیوض وبرکات کو اللہ کی بارگاہ سے دریافت کرتا ہے لہذا اس کی ذمہ داری ہے کہ اس کی بارگاہ میں سراپا تسلیم ہوجائے۔ اور اگر کسی کا اتباع بھی کرے تو ایسے کا اتباع کرے جسے اللہ نے اپنے حکم سے اتباع کے قابل شمار کیا ہو۔

انبیاء، اعجاز رسالت کے ذریعے خداوند متعال کی جانب سے ثابت کیے جاچکے ہیں اور ان کی اتباع وپیروی کا حکم دیا جاچکا ہے۔ قرآن کریم اطاعت انبیاء کو اطاعت خداند متعال شمار کرتا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ'' وما ارسلنا من رسول الاّ لیطاع باذن اللّٰہ (سورہ نساء، آیت ٦۴)

''کوئی پیغمبرؐ بغیر اذن خدا کے نہیں بھیجا گیا۔ لوگوں کا فریضہ ہے کہ ان کا اتباع کریں چونکہ ہدایت انسانی معاشرے کے لئے ایک امر ضروری ہے'' لہذا انبیاء کے ارتحال کے بعد بھی رہبریت کا

دوام ناگزیر ہے رہبریت کی ضرورت کے عقلی دلائل کے علاوہ دوسرے دلائل بھی موجود ہیں دین میں بنیادی طور پر انفرادی مسائل کے علاوہ اجتماعی مسائل جیسے تعزیرات، قصاص، جہاد، وغیرہ جو ہیں اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ دین اپنے قوانین کے اجراء کے لئے ایک ایسے ولی و سرپرست کے اجتماعی ضرورت کو محسوس کرتا ہے۔

ائمہ معصومین علیہم السلام کی ولایت کے بعد کہ جن پر نیابت امامؑ کی ذمہ داری ہے یہ پورا انسانی معاشرہ کس کے سپرد کیا جائے گا؟ اس کا ولی وسرپرست کون ہوگا؟ لہٰذا ولایت فقیہ کا موضوع جو غیبت امام عصر(ارواحنالہ الفدا) کے دور سے متعلق ہے۔ اگر اسے قبول نہ کیا گیا تو نہ جانے کتنی بدعتیں ظاہر ہوں گی۔ بہت سے حلال حرام قرار دئے جائیں گے۔ لہٰذا زمانۂ غیبت میں یہ ضروری ہے کہ کوئی ہو جو امامؑ وقت کی نیابت میں ہمارے عقاید واخلاقیات کو اعتبار بخش سکے۔ یعنی وہ کام جو امامؑ وقت کا ہوتا ہے اس ذمہ داری کو ان کی غیبت میں حسب ظرفیت انجام دے اور یہ کسی ایسے کے علاوہ کوئی دوسرا انجام نہیں دے سکتا کہ جو دین سے بخوبی آشنا اور آگاہ ہو۔

مذکورہ اقتباسات سے ولایت فقیہ کے موضوع پر گفتگو کی ضرورت واضح ہے قاریان محترم، زیرنظر جریدہ میں علماء ودانشورحضرات کے مختلف مقالوں کے ذریعے اس موضوع سے متعلق مزید آشنائی پیدا کرسکیں گے۔

امید کی جاتی ہے کہ اس سے بہت سارے سوالات کے جواب فراہم ہوں گے۔ تاہم قاریان محترم کے مفید مشورے ہمارے لئے قابل قدر ہوں گے۔

☆

ولایت فقیہ

آیت اللہ العظمیٰ امام خمینیؒ

ولایت فقیہ کے موضوع پر مستقل طور پر کچھ زیادہ نہیں لکھا گیا ہے بلکہ جو کچھ بھی لکھا گیا ہے وہ محض ضمنی طور پر—— آیت اللہ العظمیٰ شیخ محمد حسین نائینی مرحوم کی کتاب ''تنبیہ الامہ'' غالباً اس موضوع پر لکھی جانے والی پہلی مستقل تصنیف ہے اور دوسری کتاب آیت اللہ العظمیٰ امام خمینیؒ کی ہے جو حوزہ علمیہ نجف میں ان کے بارہ دروس پر مشتمل ہے۔ یہ دروس ۱۳/ ذی قعدہ ۱۳۸۹ھ سے یکم ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ تک دئے گئے تھے۔ جسے ''حکومۃ الاسلامیہ'' کے نام سے عربی میں اور '' حکومت اسلامی''یا ''لایت فقیہ'' کے نام سے فارسی میں شائع کیا گیا۔

مذکورہ کتاب کی اشاعت کے کچھ ہی دنوں بعد'' جامعۃ المنتظر '' لاہور کے پرنسپل علامہ صفدر حسین نجفی نے پاکستان سے اس کا اردو ترجمہ شائع کیا۔ ہم موصوف کے ترجمے کو قارئین کی خدمات میں پیش کرر ہے ہیں۔(ادارہ)

مقدمہ

''ولایت فقیہ'' ایک ایسا موضوع ہے جس کا تصور ہی موجب تصدیق بن جاتا ہے استدلال کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ ہر شخص عقائد واحکام اسلام کو کم از کم اجمالاً تو جانتا ہی ہے۔ جب ولایت فقیہ کا تصور کرتا ہے تو فوراً اس کی تصدیق ہوہی جائے گی اور خود وہ سمجھ لے گا کہ یہ بدیہی اورضروری ہے۔

آج کل ولایت فقیہ پر زیادہ توجہ نہ ہونے کی علّت مسلمانوں کی اجتماعی حالت عموماً اور حوزہ ہائے علمیہ کے خصوصاً حالات اس کے مقتضی ہیں۔ہم مسلمانوں کی اجتماعی حالت اور حوزہ ہائے علمیہ کی وضع ایک تاریخی حیثیت رکھتی ہے جس کی طرف میں اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔

ابتدا میں راہ اسلام کی ترقی میں کانٹا یہودی تھے۔ ابتداہی سے افکار اسلامی کے خلاف ان کی تبلیغات ایسی شروع ہوئی کہ جو اب تک باقی ہیں اور آپ خود بھی دیکھ رہیں ہیں۔ اس کے بعد نوبت ایک ایسے گروہ کی آئی جو یہودیوں سے بھی بدتر تھے انہوں نے تین سو سال یا کچھ زیادہ مدت سے اسلامی حکومتوں میں اپنے اثرورسوخ کا استعمال شروع کردیا۔ اپنے مقصد کے حاصل کرنے کے لئے ان لوگوں نے ایسے حالات پیدا کرنے شروع کردئے اور ایسی راہیں ہموار کرنی شروع کردیں کہ

اسلام ہی فنا ہوجائے۔ یہ گروہ لوگوں کو اسلام سے اس لئے دور نہیں کرنا چاہتا تھا کہ عیسائیت کی جڑیں مضبوط ہوجائیں۔ کیونکہ درحقیقت ان کو نہ تو اسلام سے کوئی عقیدت تھی اور نہ ہی عیسائیت سے کوئی لگاؤ تھا۔ البتہ اس مدت میں اور صلیبی جنگوں کے درمیان اس بات کا ضرور احساس ہوگیا تھا کہ ان کے مادی منافع اور سیاسی اقتدار کے اثر ونفوذ میں سب سے بڑی رکاوٹ اسلام اور اس کے احکام ہیں لہٰذا اسلام کے خلاف تبلیغات اور دسیسہ کاری شروع کردیا۔

حوزہ ہائے روحانیت کے نکلے ہوئے مبلغین یونیورسٹیوں، حکومت کے تبلیغی مشن، انتشاراتی بینک، استعماراتی حکومتوں میں کام کرنے والے مستشرقین ان سبھوں نے حقائق اسلام میں تحریف کی ہے۔ حد یہ ہے کہ نہ صرف بہت سے لوگ بلکہ پڑھا لکھا طبقہ بھی اسلام کے حقائق سے ناواقف اور اشتباہات کے شکار ہیں۔

اسلام حق وعدالت کے خوگر مجاہدین کا دین ہے۔ حریت پسندوں کا دین ہے، استعماری قوتوں کے خلاف جنگ کرنے والوں کا دین ہے۔ لیکن ان لوگوں نے اسلام کا تعارف دوسری طرح سے کرایا اور اب بھی کرارہے ہیں ۔ عام انسانی ذہنوں میں اسلام کا جو ناقص اور غلط تصور پیدا کیا گیا ہے، حوزہ ہائے علمیہ میں جو ناقص تصور پیش کیا گیا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلام کی انقلابی خاصیت کو اسلام سے چھین لیا جائے۔ مسلمانوں کے جذبۂ حریت وآزادی کو ختم کردیا جائے۔ ان کی ساری کوشش یہ ہے کہ مسلمان ایسی حکومت نہ قائم کرنے پائیں جو ان کی سعادت کی ذمہ دار ہو اور ایسی زندگی نہ بسر کرسکیں جو شایان شان انسان ہے، مثال کے طور پر ، وہ یہ تبلیغ کرتے ہیں کہ اسلام جامع دین نہیں ہے۔ اسلام زندگی کا مذہب نہیں ہے، اسلام کے پاس نظام زندگی نہیں ہے، طرز حکومت اور حکومتی قوانین نہیں ہیں۔ اسلام تو صرف حیض ونفاس کا مذہب ہے۔ کچھ اخلاقی قدریں ہیں مگر جامعہ کے ادارے اور زندگی کے لئے اسلام کے پاس کچھ نہیں ہے اور افسوس کی بات یہ ہے کہ ان کی غیر واقعی تبلیغات کا اثر ہورہا ہے۔ اس وقت عام انسانوں کا تذکرہ تو جانے دیجئے یونیورسٹیوں کے فارغ التحصیل افراد ، بہت سے اہل علم بھی اسلام کو نہیں سمجھے ہیں۔ اسلام کے بارے میں غلط تصور رکھتے ہیں۔ جس طرح لوگ کسی اجنبی مسافر کو نہیں پہچانتے۔ اسی طرح اسلام کو بھی نہیں پہچانتے۔ اسلام دنیا میں مسافروں کی زندگی بسر کررہاہے اور عجیب بات یہ ہے کہ اگر کوئی اسلام کا صحیح تصور پیش کرنا چاہے تو لوگوں کو یقین نہیں آتا کہ اسلام میں یہ بھی ہوسکتا ہے؟ مگر استعمار زدہ افراد فوراً اس کے

خلاف ہنگامہ کرنے لگتے ہیں۔

واقعی اسلام اور لوگوں کے پیش کردہ اسلام میں کتنا فرق ہے؟ اس کی طرف آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ نیز قرآن وکتب احادیث اور رسالہ ہائے عملیہ میں کتنا فرق ہے؟ اس کی طرف بھی متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ دستور واحکام کا سرچشمہ قرآن وحدیث اور مجتہدین کرام کے رسالہ ہائے عملیہ میں جامعیت اور اجتماعی زندگی میں اثر انداز ہونے کے لحاظ سے زمین وآسمان کا فرق ہے۔قرآن کی وہ آیات جن میں اجتماعیات کا درس دیا گیا ہے۔ ان آیات کی بہ نسبت جو عبادات سے متعلق ہیں ننانوے فیصدی سے بھی زیادہ ہیں۔

اسی طرح حدیث کی کتاب کے پورے ایک دورے میں، جو تقریباً پچاس کتابوں پر مشتمل ہوتا ہے، اور جس میں تمام احکام اسلام موجود ہیں۔صرف تین چار کتابیں عبادات اور عبدو معبود کے مابین روابط پر مشتمل ہوتی ہیں، کچھ اخلاقی احکام بھی ہوتے ہیں ورنہ باقی پورے کا پورا دورۂ حدیث اجتماعیات، اقتصادیات ،حقوق وسیاست، وتدبیر جامعہ پر مشتمل ہوتا ہے ۔آپ حضرات جوان ہیں اور انشاء اللہ مستقبل میں اسلام کے لئے مفید ہوں گے۔ میں جو مختصر مطالب آپ کے سامنے بیان کررہا ہوں، ان کو اپنی پوری زندگی کا وظیفہ بنایئے اور قوانین اسلام کے پہچنوانے میں باقاعدہ کوشش فرمایئے آپ جو طریقہ مناسب سمجھیں تحریراً تقریراً لوگوں کو بتایئے کہ اسلام اپنے ابتدائی دور ہی سے کن مشکلات سے گرزرتا رہا ہے اور آج بھی اس کے کتنے دشمن ہیں اور اس کے لئے کتنی مصیبتیں ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ حقیقت وماہیت اسلام مخفی رہ جائے اور لوگ یہ سوچنے لگیں کہ عیسائیت کی طرح اسلام بھی حق وخلق کے درمیان رابطہ کے لئے صرف چند انگلیوں پر گننے والا دستور رکھتا ہے اور مسجد وکلیسا میں کوئی فرق نہیں ہے۔

ولایت فقیہ:

اگر کوئی شخص جس میں قانون دانی وعدالت کی صفتیں پائی جائیں تشکیل حکومت کرے تو ادارۂ معاشرہ کے لئے جو ولایت رسولؐ کے پاس تھی، اسی ولایت کا یہ شخص بھی حامل ہوگا اور تمام لوگوں پر اس کی اطاعت واجب ولازم ہوگی۔ یہ خیال کہ حکومتی اختیارات حضور اکرمؐ کو حضرت علیؑ سے زیادہ تھے۔ یا حکومتی اختیارات حضرت علیؑ کے فقیہ سے زیادہ ہیں۔ باطل وغلط ہے۔ البتہ رسولؐ خدا

کے فضائل معنوی ساری دنیا سے زیادہ ہیں اور آپ کے بعد حضرت علیؑ کے فضائل سب سے زیادہ ہیں۔ لیکن فضائل معنوی کی زیادتی حکومتی اختیارات کے افزائش کا سبب نہیں ہے بلکہ تعیّن حاکم واستاندار، تیاریٔ سپاہ، مالیات کو لے کر مسلمانوں کے مفاد میں خرچ کرنے کی ولایت واختیارات جو حضورؐ اکرم اور ائمہؑ معصومین کو تھے وہی اختیارات خدا نے حکومت فعلی کو بھی دیئے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ کوئی شخص معین نہیں ہے۔ میری مراد عالم عادل ہے۔

ولایت اعتباری

رسولؐ خدا اور ائمہؑ جس ولایت کے مالک تھے غیبت کے بعد فقیہ عادل اسی ولایت کا مالک ہے۔ اس جملہ سے کسی کو یہ خیال نہ پیدا ہوجائے کہ جو مقام ائمہ معصومینؑ کا ہے وہی مقام فقیہ عادل کا ہے۔ کیونکہ مقام ومنزلت سے بحث نہیں ہورہی ہے۔ بلکہ وظیفہ وعہد سے بحث ہے۔ ولایت یعنی تمام دنیا پر حکومت اور شرع مقدس کے قوانین کا جاری کرنا۔ ایک سنگین اور مہم ترین وظیفہ ہے۔ نہ یہ کہ یہ عہدہ پانے والا کسی غیر عادی مقام ومنزلت کا دارا ہوجاتا ہے اور انسان عادی سے بلند تر ہوجاتا ہے یہ مطلب نہیں ہے۔ اس کو یوں سمجھئے کہ عام لوگوں کے تصورات کے برخلاف ولایت وجہ امتیاز نہیں ہے بلکہ یہ عظیم عہدہ ہے۔ ولایت فقیہ امور اعتباری عقلائی میں سے ہے۔ سوائے جعل، معین کرنا۔ اور کوئی واقعیت نہیں رکھتی۔ جیسے نابالغ بچوں پر کسی نگراں کا معین کرنا (یہی ولایت مراد ہے۔ مترجم) ملت کے قیم (نگراں) اور نابالغ کے قیم میں وظیفہ وعہدہ کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے۔ مثلاً امام کسی کو کسی تربیت کے لئے یا کسی کو کسی حکومت یا کسی منصب کے لئے معین فرمادیں تو اس میں رسولؐ وامامؑ فقیہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یعنی فقیہ بھی یہ کام کرسکتا ہے۔ مثلاً منجملہ دیگر امور کے فقیہ حد جاری کرسکتا ہے۔ پس کیا حد جاری کرنے میں رسولؐ وامامؑ وفقیہ میں کوئی فرق ہے؟ یا چونکہ فقیہ کا مرتبہ امام سے کم ہے لہٰذا یہ کم کوڑے لگوائے؟ زنا کی حد سو تازیانہ ہے۔ اب پیغمبرؐ ڈیڑھ سو اور حضرت علیؑ سو اور فقیہ پچاس ہی تازیانے لگوائے؟ یا یہ مقصد ہے کہ حاکم قوۃ اجرائیہ کا متصدی ہوتا ہے۔ اس لئے چاہے وہ رسولؐ ہوں یا حضرت علیؑ یا کوفہ وبصرہ میں کوئی قاضی یا حضرت کا نمائندہ یا فقیہ عصر سب ہی خدا کی معیّن کردہ حد نافذ کرسکتے ہیں فقیہ کا امامؑ ورسولؐ کے برابر ہونے کا یہی مطلب ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔

دوسری مثال: رسول خداؐ اور حضرت علیؑ کا کام اخذ مالیات (یعنی) خمس زکوٰۃ خراج والی زمینوں سے خراج لینا تھا۔ اب رسولؐ کتنی زکوٰۃ لیں؟ مثلاً ایک جگہ سے دسواں اور دوسری جگہ سے بیسواں حصہ لیں؟ حضرت امیرؑ خلیفہ ہو کر کیا لیں گے؟ جناب عالی! اگر فقیہ نافذ الکلمہ ہو گئے تو کیا کریں گے؟ کیا یہاں پر رسول خداؐ حضرت امیرؑ، فقیہ عادل کی ولایت میں فرق ہے؟ ہرگز نہیں۔ خداوند عالم نے حضرت رسولؐ کو تمام مسلمانوں پر ''ولی'' بلکہ زندگی بھر حضرت امیرؑ پر بھی ''ولی'' قرار دیا ہے۔ رسولؐ خدا کے بعد امامؑ تمام مسلمانوں پر بلکہ اپنے بعد والے امامؑ پر بھی ولایت رکھتا ہے یعنی اس کے حکومتی اوامر سب پر نافذ ہیں۔ وہ قاضی ووالی کو معیّن کرسکتا ہے؛معزول کرسکتا ہے۔ یہی ولایت جو رسولؐ خدا اور ائمہؑ کو تشکیل حکومت کے لئے ہے فقیہ عادل کے لئے بھی ہے۔لیکن فقہاء اس معنی سے ''ولی مطلق'' نہیں ہیں کہ اپنے زمانے کے تمام فقہا پر ولایت رکھتے ہوں اور دوسرے فقہاء کو عزل ونصب کرسکتے ہوں۔(یہ حق فقیہ عادل کو نہیں ہے) یہاں مراتب ودرجات نہیں ہیں کہ ایک بالاتر مرتبہ پر فائز ہے اور دوسرا پست ترین مرتبہ پر فائز ہے۔ ایک والی ہے دوسرا والی تر ہے۔

اس وضاحت کے بعد فقہاء پر لازم ہے کہ اجتماعاً یا انفراداً سرحدوں کی حفاظت، حدود کے اجراء کے لئے شرعی حکومت کی تشکیل کریں۔ اگر کسی کے لئے ایسا کرنا ممکن ہو تو اس پر واجب عینی ہے ورنہ واجب کفائی ہے۔ عدم امکان کی صورت میں ولایت ساقط نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ حضرات خدا کی طرف سے منصوب ہیں۔ اگر زکوٰۃ، خمس، خراج ودیگر مالیات کو لے کر مسلمانوں کے مفاد میں صرف کرسکتے ہوں تو ایسا کرنا چاہئے۔حتیٰ کہ حد بھی جاری کرنی چاہئے۔ ایسا نہیں ہے کہ اگر ابھی حکومت عمومی کی تشکیل نہیں کرسکتے تو کنارے ہو جائیں۔ بلکہ مسلمان جن امور کے محتاج ہیں اور حکومت اسلامی اس کی عہدہ دار ہے اس کے لئے فقہاء جتنا بھی کرسکتے ہوں اتنا انجام دینا چاہئے۔

ولایت تکوینی

امام کے لئے ولایت وحکومت کے اثبات کا لازمہ یہ نہیں ہے کہ امامؑ مقام معنوی نہ رکھتے ہوں۔ امامؑ کے لئے حکومت سے قطع نظر مقام معنوی بھی ہے جس کو زبان ائمہؑ میں کبھی خلافت کلی

الٰہی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ امام کے لئے خلافت تکوینی ہے جس کی وجہ سے دنیا کا ہر ذرّہ ان کا تابع فرمان ہے۔ ہمارے ضروریات مذہب میں یہ بات داخل ہے کہ کوئی بھی ائمہؑ کے مقام معنویت تک نہیں پہنچ سکتا، چاہے وہ ملک مقرب یا نبی مرسل ہو۔ وہ بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ اصولاً بنا پر روایات حضور اکرمؐ اور ائمہ معصومینؑ اس عالم سے پہلے ظلّ عرش میں بصورت انوار تھے۔ یہ حضرات انعقاد نطفہ اور طینت میں بھی تمام انسانوں سے امتیاز رکھتے ہیں اور ان کے مقامات تو الاّ ماشاء اللہ ہیں۔ چنانچہ حدیث معراج میں جبرئیل کہتے ہیں لودنوت انملة لاحترقت ۔ ایک انگل بھی اگر بڑھ آؤں تو جل جاؤں۔ اور یہ فرمان تو معلوم ہی ہے کہ معصوم فرماتے ہیں انّ لنامع اللّٰہ حالات لایسعھا ملک مقرب ولانبی مرسل۔ خدا کے ساتھ ہمارے ایسے حالات ہیں کہ جہاں تک ملک مقرب اور نبیٔ مرسل کی بھی پہنچ نہیں ہوسکتی۔ ہمارے مذہب کے اصول کا جزو ہے کہ ائمہ کے لئے حکومت ولایت سے پہلے وہ مقامات معنوی حاصل ہیں جو کسی اور کو حاصل نہیں ہوسکتے۔ نیز یہ مقامات معنوی حضرت زہراؑ کے لئے بھی ہیں۔ حالانکہ وہ معصومہ نہ قاضی ہیں نہ حاکم نہ خلیفہ۔ یہ مقامات حکومت سے علیحدہ چیزیں ہیں۔ اسی لئے جب ہم یہ کہتے ہیں کہ حضرت زہراؑ قاضی وخلفیہ نہیں ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہمارے اور آپ کی طرح ہیں یا یہ کہ ہمارے اوپر معنوی برتری نہیں رکھتیں۔ اسی طرح اگر کوئی کہے النّبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم تو اس نے حضرت کے لئے ایک ایسی بات کہی جو مومنین پر حکومت وولایت سے بالاتر ہے۔ سردست ہم اس موضوع پر بحث نہیں کررہے ہیں کیونکہ یہ دوسرے علم کا فریضہ ہے (حقیقت یہ ہے کہ رسولؐ اور ائمہ علیہم السلام کی جنس وفصل انسان کی جنس وفصل سے الگ ہے مترجم)

بلند مقاصد کے حصول کے لئے حکومت ذریعہ ووسیلہ ہے۔

حکومت میں عہدہ دار ہونا ذاتی طور پر کوئی قیمت نہیں رکھتا۔ بلکہ اجرائے احکام کے وظیفہ کو انجام دینا اور اسلام کے عادلانہ نظام کو برقرار رکھنے کا ایک وسیلہ ہے حضرت امیر ابن عباس حکومت کے بارے میں فرماتے ہیں۔'' ابن عباس ! میری اس جوتی کی کیا قیمت ہوگی؟ (چونکہ جوتی بہت بوسیدہ تھی لہٰذا) ابن عباس نے کہا۔'' کچھ بھی نہیں۔ یہ سن کر حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ۔'' تمہاری اس حکومت کی قدر ومنزلت میرے نزدیک اس جوتی سے بھی کمتر ہے۔ البتہ اگر اس حکومت کے ذریعہ

حق (یعنی قانون و نظام اسلام) کو برقرار رکھ سکوں اور باطل (یعنی ظالمانہ وناجائز قانون ونظام) کو جڑ سے اکھاڑ سکوں (تب تو اس حکومت کی قدر ہے ورنہ کچھ نہیں، مترجم) پس حکومت وفرمانروائی صرف وسیلہ وذریعہ ہے۔ مردان خدا کے نزدیک اگر اس سے کارخیر اور بلند مقام حاصل نہ ہوسکیں تو پھر اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے" اسی لئے نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں: اگر میرے اوپر حجت تمام نہ ہوگئی ہوتی اور اس کام پر ملزم نہ کیا گیا ہوتا تو اس حکومت کو چھوڑ دیتا۔ حکومت حصول مقاصد کا ذریعہ ہے۔ خود کوئی مقام معنوی نہیں ہے۔ اگر ذاتی طور پر حکومت کوئی مقام معنوی رکھتی ہوتی تو کوئی اس کو ائمہؑ سے غصب نہیں کرسکتا تھا۔ اگر حکومت وفرمانروائی احکام الٰہی کے اجراء کا وسیلہ اور اسلام کے عادلانہ نظام کے برقراری کا سبب ہو تب تو اس کی قدر و قیمت ہے اور حاکم کا مرتبہ بلند اور مقام معنوی زیادہ ہوگا۔

بعض حضرات جن کی نظروں میں دنیا ہی دنیا ہے وہ خیال کرتے ہیں کہ حکومت ذاتی طور پر ائمہؑ کے لئے ایک شان وبلند مقام ہے۔ اگر یہ کسی دوسرے کے لئے ثابت ہوجائے تو دنیا درہم وبرہم ہوجائے۔ حالانکہ شوروی وزیر اعظم یا انگریزی یا رئیس جمہوریہ امریکہ بھی حکومت پر فائز ہیں۔ بس اتنی سی بات ہے کہ کافر ہیں۔ کافر سہی مگر حکومت ونفوذ سیاسی تو رکھتے ہیں اور اس حکومت وسیاسی اقتدار ونفوذ کو اپنی کامیابی کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ ائمہؑ وفقہاء عادل کا فریضہ ہے کہ احکام الٰہی کے اجراء اور اسلام کے عادلانہ نظام کے برقراری کے لئے تشکیل حکومت کا سہارا لیں ورنہ بعض حکومت تو ان کے لئے سوائے رنج وزحمت کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ آخر یہ کیا کریں؟ انجام وظیفہ کے لئے معمور ہیں۔ ولایت فقیہ کا موضوع ماموریت اور انجام وظیفہ کے سوا کیا ہے؟۔

حکومت کے بلند مقاصد

حضرتؑ حکومت وفرمانروائی کی تصریح فرماتے ہیں کہ حکومت کا مقصد حق کو ثابت کرنا اور باطل کو نیست ونابود کرنا ہے۔ معصومؑ فرماتے ہیں۔ خدایا: تو جانتا ہے کہ ہم نے حصول منصب وحکومت کے لئے قیام نہیں کیا ہے بلکہ ہمارا مقصد مظلوموں کو ستم گاروں کے چنگل سے نجات دلانا ہے۔ جس چیز نے مجھے لوگوں پر حکومت کرنے کو آمادہ کیا وہ یہ ہے کہ

"خدا نے علماء سے عہد لیا ہے اور ان کو پابند بنایا ہے کہ ستمگروں کی بہرہ مندی

وپر خوری پر اور مظلوموں کی گرسنگی پر سکوت نہ کریں۔'' دوسری جگہ فرماتے ہیں۔ ''پالنے والے تو جانتا ہے کہ میں نے جو کچھ بھی کیا وہ سیاسی قدرت کے حصول یا تمتعات دنیا کے لئے نہیں کیا ہے۔'' پھر بلا فاصلہ فرماتے ہیں۔'' بلکہ یہ صرف اس لئے تھا کہ تیرے دین کے روشن اصول کو دوبارہ واپس لائیں اور تیرے ملک میں اصلاح کو ظاہر کریں تاکہ تیرے مظلوم بندے بیخوف ہوجائیں اور معطل شدہ قوانین کو پھر سے جاری کریں''۔[۱]

ان مقاصد کے حصول کے لئے ضروری صفات

جن مقاصد کو حضرت علیؑ نے نے بیان فرمایا ہے کہ اگر اسلام کے انہیں بلند مقاصد کو کوئی حاکم عمل میں لانا چاہتا ہے تو اس کو ان صفات سے متصف ہونا چاہئے جس کی طرف ہم نے پہلے اشارہ کیا ہے۔یعنی اسے عالم قوانین ہونا چاہئے۔اسی بات کی طرف حضرت علیؑ اشارہ فرماتے ہیں۔

'' خدایا! میں پہلا آدمی ہوں جو تیری طرف متوجہ ہوا (رسولؐ کی زبان پر جاری ہونے والے تیرے دین کو) سنا اور قبول کیا...رسولؐ خدا کے علاوہ کسی نے مجھ سے پہلے نماز نہیں پڑھی۔ اے لوگو! تم خوب جانتے ہو کہ نوامیس قانون وغنیمت واحکام اور مسلمانوں پر حکومت بخیل کی نہیں ہوسکتی (اسی طرح) حاکم کو جاہل (از قوانین) نہ ہونا چاہئے۔ ورنہ اپنی جہالت کی وجہ سے لوگوں کو گمراہ کردے گا۔ (اسی طرح) حاکم جفا کار اور سخت نہ ہونا چاہیے ورنہ اس کی جفا کی وجہ سے لوگ اس سے قطع تعلق کرلیں گے۔ حاکم کو حکومتوں سے بھی نہ ڈرنا چاہئے ورنہ ایک سے دوستی اور دوسرے سے دشمنی کر بیٹھے گا۔ حاکم کو قضاوت میں رشوت خوار نہ ہونا چاہئے ورنہ افراد کے حقوق کو پامال کرے گا اور حق کو حقدار تک پہنچنے نہ دے گا۔ حاکم کو سنت وقانون کو معطل کرنے والا نہ ہونا چاہئے ورنہ امت گمراہ ہوسکتی ہے۔''

توجہ فرمایئے اس روایت کے مطالب دو ہی موضوع کو بیان کررہے ہیں ۔ ایک علم دوست عدالت اور ان دونوں کو والی کے لئے لازمی صفت بتایا جارہا ہے ۔ولاالجاھل فیضلّھم بجھلہ علم

کی طرف متوجہ کرتاہے اور باقی عبارت عدالت کی تائید کرتی ہے ۔ عدالت واقعی یہ ہے کہ حکومتوں سے ارتباط (۲) لوگوں سے معاشرت ،عوام النّاس سے معاملت عدالت ، فیصلے ، اموال کی تقسیم میں حضرت علیؑ کا طریقہ اختیار کرے اور مالک اشتر کو لکھے ہوئے ہدایت نامہ کو اپنے پیش نظر رکھے۔ اس مکتوب میں اتنی عمومیت ہے کہ اگر فقہاء والی ہوجائیں تو ان کو بھی مکتوبِ مالکِ اشتر کو اپنا دستورالعمل بنانا چاہیئے۔

احادیث سے ولایت فقیہ

فقہاء عادل رسولؐ اکرم کے جانشین ہیں۔

ایک روایت جس کی دلالت میں کوئی اشکال نہیں ہے حضرت علیؑ فرماتے ہیں ''رسولؐ خدا نے فرمایا۔ خدایا ! میرے جانشینوں پر رحم فرما۔'' اس جملہ کو تین بار تکرار کیا پوچھا گیا۔ ''حضور ! آپ کے جانشین کون حضرات ہیں۔'' ؟تو آپ نے فرمایا: ''میرے بعد آنے والے'' میری حدیث وسنت کونقل کرنے والے اور میرے بعد اس کی لوگوں کوتعلیم دینے والے۔

شیخ صدوقؒ نے ''جامع الاخبار''، ''عیون اخبار الرضا''، '' مجالس'' میں اس روایت کو پانچ طریقہ سے جوتقریباً چار طریقہ ہوتاہے۔ کیونکہ دو طریق بعض لحاظ سے مشترک ہیں۔ لہٰذا وہ دونوں ایک ہی ہیں۔نقل فرمایا ہے۔ جن مقامات پر اس روایت کو مسند کیا گیا ہے ان میں سے ایک جگہ فیعلّمو نھا اور باقی مقامات پر فیعلّمو نھا النّاس ہے۔ اور جن مقامات پر اس روایت کو مرسل نقل کیا گیا ہے۔ وہاں فقط صدرروایت تو ہے لیکن "فیعلّمو نھا النّاس من بعدی" والا جملہ نہیں ہے۔

۱۔ میں اس روایت پر دوطرح سے بحث کروں گا۔ ا۔ ہم فرض کرتے ہیں کہ ایک ہی روایت ہے اور فیعلّمو نھا۔... والا جملہ حدیث کے آخر میں اضافہ ہے یا یہ کہ یہ جملہ تھا مگر بعد میں نقل سے رہ گیا ۔ یہ دوسرا احتمال واقع سے زیادہ نزدیک معلوم ہوتاہے کیونکہ اگر اضافہ کے قائل ہوں تو ازروئے خطایا اشتباہ افسانہ نہیں کہا جاسکتا۔ کیونہ روایت کئی طرح سے وارد ہوئی ہے اور حدیث کے راوی ایک دوسرے سے بہت دور زندگی بسر کرتے تھے ۔ ایک بلخ میں دوسرا نیشاپور میں تیسرا کسی اور جگہ (مرو) رہتا تھا۔ اس لئے یہ نہیں ہوسکتا کہ جان بوجھ کر یہ جملہ زیادہ کیا گیا ہے۔ اور یہ بھی عقلاً بعید ہے کہ چند ایسے افراد جو ایک دوسرے سے الگ رہتے ہوں ہر ایک کے ذہن میں ایک ہی جملہ کے اضافہ کی بات

آئی ہو۔ لہٰذا اگر ایک ہی روایت ہے تو ہم کو یقین ہے فیعلّمو نہا والا جملہ صدوقؒ کی نقل میں ساقط ہوگیا ہے، یا تو لکھنے والے لکھنے سے رہ گئے یا پھر صدوقؒ نے اس جملہ کو ذکر میں فرمایا۔ ۲؎

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ دو حدیثیں ہوں ایک فیعلّمو نہا... والا جملہ رہا ہو اور دوسرے میں نہ رہا ہو۔ اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ یہ جملہ حدیث میں تھا تو اس حدیث کے مصداق وہ حضرات ہرگز نہیں ہوسکتے جن کا مشغلہ صرف نقل حدیث تھا اور از خود کوئی رائے یا فتویٰ نہیں رکھتے تھے۔ اسی طرح اس حدیث کے مصداق وہ محدثین بھی نہیں ہوسکتے جو حدیث فہم نہیں تھے اور اس مشہور مقولے ”ربّ حامل فقه ليس بفقيه“ کے مصداق تھے (یعنی بہت سے حامل فقہ فقیہ نہیں ہیں) یعنی وہ حضرات جو احادیث کو ضبط کرتے تھے اور اخبار وروایات کو حاصل کرکے تحریر کرتے تھے اور لوگوں کو دیا کرتے تھے، ان کو بھی خلیفۂ رسولؐ اور علوم اسلامی کا معلم نہیں کہا جاسکتا اور نہ یہ لوگ حدیث کے مصداق ہیں۔ البتہ ان کی خدمات اسلام اور مسلمانوں کے لئے بہت قیمتی ہیں اور ان میں بہت سے فقیہ اور صاحب رائے بھی تھے۔ مثلاً کلینیؒ، صدوقِ، صدوق کے والد، یہ حضرات فقیہ تھے اور احکام وعلوم اسلام کی لوگوں کو تعلیم دیتے تھے۔ ہمارے اس کہنے کا مطلب شیخ صدوق اور شیخ مفیدؒ میں فرق تھا۔ یہ نہیں ہے کہ صدوقؒ فقیہ نہیں تھے یا ان کی فقاہت شیخ مفید سے کم تھی کیونکہ شیخ صدوقؒ ہی وہ ہیں جنہوں نے ایک ہی نشست میں مذہب کے تمام اصول وفروع بیان فرمادئے تھے۔ بس شیخ صدوقؒ اور شیخ مفیدؒ اور ان جیسے دیگر مجتہدین میں یہ فرق ہے کہ شیخ مفید وغیرہ ایسے فقہاء میں تھے جو روایات واخبار میں اپنی نظر وفکر کو دخل دیتے تھے اور صدوقؒ ان فقہاء میں تھے جو اپنی نظر کو دخل نہیں دیتے تھے یا کم دخل دیتے تھے۔

یہ حدیث ان علماء کو شامل ہے جو علوم اسلام کو نشر اور احکام اسلام کو بیان کرتے ہیں اور ایسے صالح افراد کی تربیت کرتے ہیں جو دوسروں کو تعلیم دیں۔ جیسا کہ حضور اکرم اور ائمہؑ نشر وبسط احکام اسلام فرمایا کرتے تھے۔ حوزۂ درس رکھتے تھے اور ان حضرات کے مکاتب میں ہزاروں افراد علمی استفادہ کرتے تھے اور جو لوگوں کو تعلیم دینا اپنا فریضہ سمجھتے تھے۔ یعلّمو نہا النّاس کا یہی مطلب ہے۔ اسلام کا تمام دنیا کے لئے ہونا واضحات میں سے ہے۔ مسلمانوں پر اور خصوصاً علماء اسلام کا فریضہ ہے کہ احکام اسلام کو تمام دنیا میں معرفی کرائیں اور اگر ہم قائل ہوجائیں کہ جملہ یعلّمو نہا النّاس... حدیث کے ذیل میں نہیں تھا تو پھر دیکھنا پڑے گا کہ پیغمبرؐ اسلام کے اس فرمان کا کیا مطلب

ہے؟ اور اس صورت میں بھی یہ حدیث ان راویوں کو جو فقیہ نہ ہوں شامل نہ ہوگی۔ کیونکہ سنن الٰہی چونکہ پیغمبرؐ کے واسطہ سے ہم تک پہنچی ہیں لہٰذا ان کو سنن رسولؐ بھی کہا جاتا ہے۔ اب اگر کوئی سنن رسولؐ کو نشر کرنا چاہتا ہے تو اسے تمام سنن واحکام الٰہی کا عالم ہونا چاہئے۔ صحیح وغیر صحیح میں فرق کرسکتا ہو۔ اطلاق تقیید، عام وخاص جمع عقلائی کی طرف ملتفت بھی ہو۔ عالم تقیہ کی روایات کو دوسری روایات سے تمیز دے سکتا ہو اور اس کے لئے جو میزان معین کی گئی ہے اس کو جانتا ہو(جب ہی وہ احکام الٰہی کو نشر کرسکتا ہے، مترجم) اب جو محدثین مرتبۂ اجتہاد پر نہیں پہنچے ہیں اور صرف نقل حدیث کرتے ہیں اور ان امور کو نہیں جانتے اور رسولؐ خدا کی سنت واقعی کو مشخص ومعین کرسکنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ ان کی رسولؐ خدا کی نظر میں کوئی قیمت نہیں ہے اور نہ وہ حضرات مراد ہوسکتے ہیں۔ کیونکہ یہ طے شدہ بات ہے کہ پیغمبرؐ فقط قال رسول اللّٰہ اورعن رسول اللّٰہ۔ چاہے وہ جھوٹ ہی ہو۔ کونہیں چاہتے تھے کہ یہ لوگوں میں مشہور ہوجائے بلکہ حضرت کی مراد سنت واقعی اور اسلام کے حقیقی احکام کو نشر کرنا ہے۔ من حفظ علی امّتی اربعین حدیثا حشرہ اللّٰہ فقیھا۔ جو میری امت میں سے چالیس حدیثیں یادکرلے خدا اس کو فقیہ محشور کرے گا۔ یہ اور اس قسم کی روایتیں جو نشر احادیث کے فضائل میں وارد ہوئی ہیں ان سے قطعاً وہ محدثین نہیں مراد ہیں جو حدیث کے معنی ہی نہیں سمجھتے کہ حدیث یعنی چہ؟ بلکہ اس سے وہ افراد مراد ہیں جو رسولؐ کی حدیث کو اسلام کے حکم واقعی کے مطابق تشخیص دے سکیں اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک آدمی مجتہد وفقیہ نہ ہو اور احکام کے تمام قضایا وجوانب کو پرکھ نہ سکتا ہو اور ائمہؑ معصومین کے بتائے ہوئے اصولوں سے اسلام کے واقعی احکام کو سمجھ نہ سکتا ہو۔ ایسے افراد رسولؐ اللہ کے خلیفہ ہیں جو احکام الٰہی کو اور علوم اسلامی کو لوگوں کے درمیان نشر کرتے ہیں اور انہیں کے بارے میں حضرتؐ نے دعا فرمائی ہے کہ اللّٰھم ارحم خلفائی۔

پس اس سے ثابت ہوا کہ اللّٰھم ارحم خلفائی والی حدیث کی کتابت کرنے والوں کے لئے نہیں ہے اور نہ یہ لوگ رسولؐ خدا کے خلیفہ ہیں۔ بلکہ اس حدیث سے مراد فقہائے اسلام ہیں۔ نشر احکام اور لوگوں کی تعلیم وتربیت فقہاء عادل سے متعلق ہے۔ کیونکہ فقہاء اگر عادل نہ ہوں گے تو سمرہ بن جندب، اس نے حضرت علیؑ کے خلاف روایت جعل کی ہے۔ کی طرح اسلام کے خلاف روایتیں جعل کریں گے اور اگر فقیہ نہ ہوں گے تو وہ فقہ واحکام اسلام کو نہیں سمجھیں گے اور ممکن ہے کہ درباری ملاؤں کی طرح درباری ملاؤں نے بادشاہوں کی تعریف میں حدیثیں جعل کی ہیں۔

غلط سلط حدیثیں نشر کرنے لگیں جیسا کہ آپ خود دیکھ رہے ہیں کہ دو خفیف حدیثوں کو لے کر ان لوگوں نے کتنا ہنگامہ برپا کررکھا ہے۔ ان کو قرآن، جو سلاطین کی مخالفت کا حکم دیتا ہے جس نے موسیٰ کو بادشاہوں کے خلاف قیام کرنے پر آمادہ کیا ہے۔ کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا ہے۔ ظالموں اور دین میں تصرف کرنے والوں کے خلاف جو احادیث ہیں کاہلوں نے ان کو چھوڑ کر ضعیف روایتوں—— جن کو شاید بادشاہوں کے واعظین نے جعل کیا ہے--- کا سہارا لیا ہے کہ بادشاہوں سے بگاڑنا نہیں چاہئے اور درباری ہونا چاہئے۔ اگر یہ لوگ واقعی دین شناس اور اہل روایت ہیں تو ان بہت سی روایات پر عمل کریں جو ظالمین کے خلاف آئی ہیں۔ اگر یہ اہل روایت ہوں بھی تو عادل نہیں ہیں۔ اسی لئے اتنی زیادہ روایات سے چشم پوشی کرکے دو ضعیف روایت سے چپکے ہوئے ہیں۔ یہ حبّ جاہ وشکم پروری ہے جس نے انسان کو درباری بنارکھا ہے۔ تقاضائے علم ہرگز یہ نہیں ہے۔ بہر حال علوم اسلام کا نشر فقہائے عادل سے متعلق ہے جو احکام واقعی وغیر واقعی کو، عالم تقیہ کی روایات کو دوسرے سے تمیز دے سکیں۔ چونکہ ہمیں معلوم ہے کہ ائمہؑ بعض اوقات حکم واقعی کے بیان کرنے کے موقف میں نہیں ہوتے تھے، حکام جور کے اسیر تھے۔ تقیہ کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اس لئے حکم واقعی ہمیشہ نہیں بیان کرسکتے تھے۔ البتہ مذہب کے خوف سے ائمہؑ کا تقیہ ہوا کرتا تھا کہ اگر تقیہ نہ کریں تو حکام جور مذہب کو بیخ وبن سے اکھاڑ دیں۔ ائمہؑ نے اپنی جان کے خوف سے تقیہ نہیں فرمایا۔

ولایت فقیہ پر حدیث کی دلالت واضح ہے۔کہ کیونکہ خلافت تمام شوؤن نبوت میں جانشینئ کامل ہے۔ جملہ اللّٰھم ارحم خلفائی کی دلالت علی خلیفتی سے کم نہیں ہے دونوں جملوں میں خلافت کے ایک ہی معنی ہیں اور الّذین یاتون من بعدی ویروون حدیثی والے جملے سے خلفاء کو پہچنوایا گیا۔ خلافت کو نہیں پہچنوایا گیا۔ کیونکہ صدر اسلام میں خلافت کے معنی سب ہی کو معلوم تھے۔ اس کے بیان کی ضرورت ہی نہیں تھی اور خود سائل نے بھی خلافت کے معنی نہیں پوچھے تھے۔ بلکہ خلفاء کو معلوم کیا تھا۔ تعجب اس پر ہے کہ علی خلیفتی یا الائمه خلفائی نے مسئلہ کوئی نہیں سمجھا بلکہ اس سے ائمہؑ کی خلافت وحکومت پر استدلال کیا ہے۔ مگر جملہ خلفائی پر لوگوں نے توقف کیا ہے اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ لوگوں کا خیال ہے کہ خلافت رسولؐ ایک خاص حد تک محدود ہے یا مخصوص اشخاص تک محدود ہے اور چونکہ سارے ائمہؑ خلیفہ ہیں اس لئے ان کے بعد علماء فرمانروا وحاکم وخلیفہ نہیں ہوسکتے اور اسلام کو بے سرپرست رہنا چاہئے، احکام معطل رہیں سرحدوں پر دشمنوں کا قبضہ رہے

اور ساری ایسی غلط باتیں ہوتی رہیں، کہ جن سے اسلام کا دور سے بھی کوئی واسطہ نہیں ہے۔

محمد بن یحیٰ عن احمد بن محمد، عن ابن محبوب، عن علی ابن حمزہ ، قال! سمعت ابالحسن موسیٰ ابن جعفر علیهما السّلام یقول: اذامات المومن بکت علیه الملائکة وبقاع الارض الّتی کان یعبد اللّٰه علیها ، وابواب السّماء الّتی کان یصعه فیها باعماله وثلم فی الاسلام وثلمة لایسدّها شیئی لانّ المومنین الفقهاء حصون الاسلام کحصن سور المدینة لها...۳۴

راوی کہتا ہے میں نے امام موسیٰ ابن جعفرؑ سے سنا: آپ فرمارہے تھے ۔ جب کوئی مومن (یا فقیہ مومن) مرجاتا ہے تو اس پر فرشتے، زمین کے وہ ٹکڑے جن پر خدا کی عبادت کرتا تھا اور آسمان کے دروازے جن سے اس کے اعمال اوپر جاتے تھے (یہ سب کے سب) اس پر گریہ کرتے ہیں) اور قلعہ اسلام میں ایسا شگاف پڑجاتا ہے جسے دنیا کی کوئی شئے پُر نہیں کرسکتی۔ کیونکہ فقہاء مومن اسلام کے قلعے ہیں۔ جیسے سور مدینہ کے قلعے مدینہ کے لئے۔'' کافی'' کے اسی باب میں ایک دوسری روایت ہے جس میں اذامات المومن کے بجائے اذامات المومن الفقیه ہے۔لیکن پہلی روایت کے ابتدائی حصہ میں فقیہ کا لفظ نہیں ہے۔ البتہ آخری حصہ میں المومنین الفقهاء سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ فقیہ شروع میں رہ گیا ۔ اور ثلم فی الاسلام ، حصن اور اس قسم کے لفظوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فقیہ کی لفظ رہ گئی ہے۔ کیونکہ یہ سب فقہاء سے مناسبت رکھتے ہیں۔

مفہوم روایت

مومنین فقہاء اسلام کے قلعے ہیں ۔ اس جملے سے معصومؑ فقہاء کو مامور فرمارہے ہیں کہ وہ نگہبان رہیں، عقائد احکام اور نظام اسلام کی نگرانی کریں۔ ظاہر ہے کہ معصومؑ نے تکلفاً یہ بات نہیں فرمائی ہے۔ یہ اس قسم کے تکلفات نہیں ہیں کہ جیسے ہم لوگوں میں آپس میں مرسوم ہیں کہ میں آپ کو شریعت مدار کہوں ، آپ مجھے شریعت مدار کہیں۔ یا لفافہ کی پشت پر لکھتے ہیں'' حضرت مستطاب حجۃ الاسلام''۔ اگر کوئی فقیہ گوشۂ تنہائی میں بیٹھ جائے۔ کسی معاملہ میں دخل نہ دے، قوانین اسلام کی حفاظت نہ کرتے، احکام اسلام کو نشر نہ کرے، مسلمانوں کے امور اجتماعی میں کسی قسم کا دخل نہ دے اور نہ مسلمانوں کے امور کا اہتمام کرے۔ تو کیا ایسے فقیہ کو'' حصن الاسلام'' کہا جاسکتا ہے؟ کیا وہ حافظ

اسلام ہے؟ اگر رئیس حکومت کسی منصب دار یا سردار کو حکم دے کہ جا کر فلاں حصہ کی نگرانی کروتو کیا اس کا فریضہ یہ ہے کہ گھر جا کر سورہے تا کہ دشمن آکر اس حصہ کو غارت کردے یا اس کا فریضہ یہ ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو اس حصہ کی حفاظت کرے۔

اگر آپ فرمائیں کہ ہم بعض احکام اسلام کی حفاظت کرتے ہیں تو میں آپ سے سوال کروں گا۔ کیا آپ نے حدود جاری فرمائے؟ جی نہیں۔ یہاں پر شگاف ہوگیا۔ آپ جس کی نگرانی کرتے تھے اسی دیوار کا ایک حصہ خراب ہوگیا۔ کیا آپ مسلمانوں کی سرحدوں اور وطن اسلامی کی تمام زمینوں کی حفاظت فرماتے ہیں؟ جی نہیں۔ ہم تو دعا گو ہیں۔ لیجئے دیوار کا دوسرا حصہ بھی برباد ہوگیا۔ کیا آپ مالداروں سے فقراء کے حقوق لے کر فقراء تک پہنچاتے ہیں؟ کیونکہ آپ کا اسلامی فریضہ ہے مالداروں سے لے کر غرباء تک پہنچایئے۔ جی نہیں۔ اہم تو یہ نہیں کرتے۔ دوسرے لوگ انجام دیتے ہوں گے۔ لیجئے دیوار کا ایک حصہ اور برباد ہوگیا۔ آپ کی مثال شاہ سلطان حسین اور اصفہان کی ہوگئی۔ بھلا یہ کونسا قلعہ ہوا کہ جو اس گوشہ کے لئے آقائی'' حصن الاسلام'' سے سوال کرتا ہوں جواب نفی میں آتا ہے۔ کیا'' حصن'' کے یہی معنی ہیں؟

فقہاء کا'' اسلام کے قلعہ'' ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ حفاظت اسلام کے لئے مکلّف ہیں۔ ان کو ایسے طریقے اختیار کرنا چاہیے کہ جس سے اسلام کی حفاظت ہوسکے اور یہ اہم ترین واجب ہے۔ بلکہ واجب مطلق ہے۔ واجب مشروط نہیں۔ حوزہ ہائے دینی کو اس کی فکر کرنی چاہئے اور اپنے کو ایسے لوازم و تشکیلات سے آراستہ کرلینا چاہیے جس سے اسلام کی نگہبانی ہوسکے۔ جس طرح خود حضور اکرم عقائد واحکام کے تمام معنی میں حافظ تھے لیکن ہم لوگوں نے سارے احکام کو چھوڑ کر بعض احکام کے پیچھے پڑ گئے ہیں اور بزرگوں سے یہی رسم چلی آرہی ہے۔ عالم یہ ہوگیا ہے کہ بہت سے احکام اسلام علوم عزبیہ کے جزء ہوگئے ہیں۔ واقعی اسلام غریب ہے اور فقط اس کا نام باقی ہے۔ جزائیات اسلام جو بہترین جزائی قانون بن کر انسان کے لئے آئے ہیں۔ اس وقت بالکلیہ فراموش ہوگئے ہیں۔ جزائیات وحدود کی آیات صرف تلاوت میں باقی ہیں۔ ہم تو یہ پڑھتے ہیں۔ الزّانیة والزّانی فاجلدوا کلّ واحد منهما مائة جلده (زانی اور زانیہ کو سو کوڑے مارو) مگر یہ صرف تلاوت تک محدود ہے۔ ہماری کوشش یہ رہتی ہے کہ صحیح مخرج سے ادا ہوجائے مگر کیا ہم اس کے مکلّف نہیں ہیں۔ اب اسلامی معاشرے کا کیا عالم ہوگیا ہے.... فحشاء و منکر کا کتنا رواج ہوچکا ہے۔ حکومتیں بدکاروں کی کس

قدر پشت پناہی کرتی ہیں۔ ہم کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ بس گویا ہمارا فریضہ یہ ہے کہ زانی و زانیہ کی کیا سزا ہے؟ اس کا علم ضروری ہے۔ لیکن اس پر عمل بھی ضروری ہے۔ ہمیں اس سے کیا سروکار؟

''میں آپ سے پوچھتا ہوں۔ کیا رسولؐ اسی طرح قرآن کی تلاوت کرکے اسے ایک گوشہ میں رکھ دیتے تھے؟ حدود وقانون کے اجراء کی کوئی فکر نہیں کرتے تھے؟ کیا خلفاء رسولؐ مسائل لوگوں کو بتا کے فرمادیا کرتے تھے۔ بس اب ہمیں تم سے کوئی واسطہ نہیں ہے؟ یا اس کے برخلاف حدود معین تھے۔ کوڑے لگائے جاتے تھے، رجم کیا جاتا تھا، جس دوام کی سزا ہوتی تھی، شہر بدر کیے جاتے تھے۔ آپ کو معلوم ہوجائے گا اسلام انہیں چیزوں کے لئے آیا تھا۔ اسلام معاشرہ کے اصلاح کے لئے آیا تھا۔ حکومت اور امامت اعتباری انہیں چیزوں کے لئے ہے۔ اسلام کی حفاظت ہمارا فریضہ ہے۔ یہ تو نماز روزہ سے بھی زیادہ اہم ہے۔ اسی کے لئے خون بہایا جاتا ہے۔ امام حسینؑ نے اسی لئے تو قربانی دی تھی۔ کیا حسینؑ کے خون سے زیادہ دنیا میں کسی کا خون اہم ہے؟ ہمیں خود بھی اس بات کو سمجھنا چاہئے اور دوسروں کو بھی بتانا چاہیے۔ آپ خلفائے اسلام اسی وقت ہوں گے جب لوگوں کو اسلام سکھائیں۔ یہ مت کہئے چھوڑو! امام زمانؑ جب آئیں گے تو یہ سب ہوگا کیا آپ نماز چھوڑ دیتے ہیں کہ جب امام زمانؑ آئیں گے تو پڑھی جائے گی؟ حفاظت اسلام نماز سے زیادہ اہم ہے۔ خمین کے حاکم والی منطق نہ چلایئے کہ خوب گناہ کرو تاکہ امام زمانؑ کا ظہور جلد از جلد ہوجائے۔ اگر گناہوں کی کثرت نہ ہوگی تو امام تشریف نہ لائیں گے۔ یہ غلط منطق ہے۔ یہاں بیٹھ کر صرف مباحثہ سے کام نہیں چلے گا۔ بلکہ تمام اسلام کا مطالعہ کیجئے، حقائق کو نشر کیجئے۔ رسالے وکتابیں لکھ کر منتشر کیجئے۔ اس کا اثر ہوگا، میرا تجربہ ہے کہ اثر ہوتا ہے۔

> ''علی عن ابیه، عن النّوفلی، عن السکونی، عن ابی عبد اللّٰه قال: قال رسول اللّٰهؐ الفقهاء امناء الرّسل مالم یدخلوا فی الدّنیا قیل یا رسول اللّٰه وما دخولهم فی الدّنیا؟ قال اتّباع السّلطان فاذا فعلوا ذلک فاحذروهم علی دینکم''[۱۲] رسولؐ اکرم فرماتے ہیں۔'' فقہاء جب تک دنیا کے پیچھے نہ پڑجائیں۔ امین اور انبیاء کے مورد اعتماد ہیں۔ پوچھا گیا۔ دنیا کے پیچھے پڑنے کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا'' بادشاہوں کی پیروی کرنا۔ اگر ایسا ہوجائے تو ان سے اپنے دین کے لئے ڈرو۔''

اس روایت کے تمام پہلوؤں پر نظر بحث کے طولانی ہونے کا سبب بن جائے گی۔ اس لئے صرف ایک جملہ الفقهاء امناء الرّسل جو ولایت فقیہ سے متعلق ہے، کے بارے میں گفتگو کروں گا پہلے تو یہ دیکھنا ہوگا کہ انبیاء کے وظائف واختیارات کیا ہوتے ہیں؟ تاکہ معلوم ہوجائے کہ فقہاء کے امانت دار اور مورد اعتماد انبیاء ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اور ان کے کیا فرائض ہیں؟

غرض بعثت انبیاء

بدیہی بات ہے کہ بعثت انبیاء کا مطلب صرف مسئلہ گوئی نہیں تھا۔ایسا نہیں ہے کہ مسئلہ واحکام بذریعہ وحی اسلام کے پاس آئے ہوں اور حضرت رسولؐ خدا اور جناب امیرؑ ودیگر ائمہ علیہم السلام صرف مسئلہ گو، رہے ہوں کہ خدانے ان حضرات کو اس بات پر معین کیا تھا کہ بغیر کسی خیانت کے مسائل واحکام لوگوں تک پہنچادیں اور یہ حضرات بھی اس امانت کو فقہاء کے حوالہ کردیں تاکہ یہ حضرات انبیاء سے لی ہوئی امانت بغیر خیانت لوگوں تک پہنچادیں اور الفقهاء امناء الرسل کا مطلب صرف مسئلہ گوئی میں امین ہوتا رہے۔ بلکہ انبیاء کا اہم ترین فریضہ ایک اجتماعی وعادلانہ نظام کا قائم کرنا تھا۔جس کا لازمی نتیجہ بیان احکام ونشر تعالیم وعقائد الٰہی ہے۔ جیسا کہ اس آیت سے ولقد ارسلنارسلنا بالبیّنات وانزلنا معهم الکتاب والمیزان لیقوم النّاس بالقسط، واضح ہے بطور کلی بعثت انبیاء کا مقصد لوگوں کو عادلانہ اجتماعی روابط کی بنیاد پر منظّم کرنا ہے اور یہ بات تشکیل حکومت واجرائے قانون سے حاصل ہوتی ہے۔خواہ خود نبیؐ۔جیسے ہمارے پیغمبرؐ تشکیل حکومت کا موفق ہویا اس کے پیروکار اس فریضہ کوانجام دیں۔

خمس کے سلسلے میں ارشاد ہے۔ واعلموا انّماغنمتم من شیٍٔ فانّ للّٰہ خمسهٗ وللرّسول ولذی القربیٰ ۔ یازکوٰۃ کے لئے ارشاد ہے خذمن اموالهم صدقة یا خراجات کے کے لئے دستور معین کیا ہے ۔ان سب چیزوں کا مطلب فقط یہی نہیں ہے کہ لوگوں کے لئے احکام بیان کردیں بلکہ ان کے اجراء کے لئے بھی پابند کیا ہے۔جس طرح لوگوں میں نشرکرنا فریضہ ہے کہ خمس وزکوۃ وغیرہ لے کر مسلمانوں کے مفاد میں خرچ کرے، لوگوں میں عدالت قائم کرے۔ سرحدوں کی حفاظت اور حدود کا اجراء کرے،کسی کوحکومت اسلامی کے مالیات پر بیجا تصرف نہ کرنے دے۔

یہ جو خداوند عالم نے ”أطیعوا اللّٰہ و أطیعوا الرّسول واولی الامر منکم“ کے ذریعے پیغمبرؐ کو رئیس بنا کر ان کی اطاعت کو واجب قرار دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پیغمبرؐ مسئلہ بیان کریں تو ہم اس کو قبول کرلیں اور اس پر عمل کریں۔ احکام پر عمل کرنا تو اطاعت خدا ہے ہی بلکہ تمام عبادی وغیر عبادی کام جو احکام سے مربوط ہوں وہ سب اطاعت خدا ہیں۔ رسولؐ کی متابعت، احکام پر عمل کرنا نہیں ہے۔ بلکہ دوسرا مطلب ہے (ہاں ایک لحاظ سے رسولؐ کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے کیونکہ خدا نے خود ہی اپنے پیغمبرؐ کی اطاعت کا حکم دیا ہے) مثلاً اگر رسولؐ تمام لشکر کو اسامہ کے ساتھ جنگ کے لئے روانہ کریں تو یہ حکم خدا نہیں بلکہ حکم رسولؐ ہے۔ اس لئے کہ خدا نے حکومت ان کے سپرد کردی ہے۔ اور حضرت بھی مصالح کی خاطر فوج روانہ کررہے ہیں۔ والی، حاکم، قاضی معین کریں یا کسی کو کو معزول کریں تو حکم رسولؐ ہی ہوگا۔ حکومت اجرائے قوانین معاشرہ کا ادارہ، ملک کا دفاع، قضاوت وغیرہ میں فقہاء پیغمبرؐ اسلام کے محل اعتماد ہیں۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ تمام وہ امور جو پیغمبروں سے متعلق ہیں فقہاء عادل اس کی انجام دہی کے لئے مامور ہیں۔ اگرچہ عدالت امانت سے اعم ہے کیونکہ ہوسکتا ہے ایک شخص امور مالی میں امین ہونے کے باوجود عادل نہ ہو مگر حضور اکرمؐ کی مراد امناء الرسول سے وہی حضرات ہیں جو کسی حکم کی مخالفت نہ کریں، پاک ومنزہ ہوں جیسا کہ حدیث کے آخر میں خود ہی فرمایا ہے کہ جب تک مطامع دنیا میں دخیل نہ ہوجائیں ۔ پس اگر کوئی فقیہ مال دنیا جمع کرنے کی فکر میں لگا رہے تو وہ عادل نہیں ہے۔ اور نہ رسولؐ اکرم کا امین ہے صرف فقہاء عادل احکام اسلام کو جاری کرسکتے ہیں، اس کے نظام کو معین کرسکتے ہیں، حدود وقصاص کو جاری کرسکتے ہیں، مسلمانوں کے تمام وطن ارضی کی نگرانی کرسکتے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ خمس، زکوٰۃ صدقات، جزیہ، خراج کی تحصیل اور اس کو مسلمانوں کے مصالح میں صرف کرنے سے لے کر اجراء وقصاص تک جو حاکم کے زیر نگرانی ہوحتیٰ کہ ولی مقتول بھی بغیر حاکم کی نظارت عمل نہیں کرسکتا۔ تمام وہ قوانین جو عہدۂ حکومت سے تعلق رکھتے ہیں۔ جیسے ”سرحد کی حفاظت، شہر کا انتظام“ یہ سب کے سب فقہاء کے ذمّہ ہے۔

جس طرح پیغمبرؐ اجرائے احکام اور برقراریٔ نظام اسلام پر مامور تھے اور خدا نے ان کو حاکم ورئیس معین کرکے مسلمانوں پر ان کی اطاعت واجب قرار دی تھی اسی طرح فقہاء عادل بھی رئیس وحاکم ہیں۔ ان کو بھی اجرائے احکام کرنا چاہئے، اسلام کے اجتماعی نظام کو برقرار رکھنا چاہئے ۔

قانونی حکومت

چونکہ اسلامی حکومت قانون کی حکومت ہے اس لئے قانون شناس بلکہ دین شناس فقہاء ہی کو اس کا متصدی ہونا چاہیے۔ فقہاء ہی کو ملک کے اداری و اجرائی امور کے نگراں ہونا چاہئے۔ یہی حضرات احکام الٰہی کے اجراء اخذ مالیات، سرحدوں کی حفاظت، اجراء حدود کے امین ہیں۔ انہیں قانون اسلام کو معطل یا اجراء میں کمی وزیادتی نہ ہونے دینا چاہیے۔ اگر فقیہ زانی کو حد لگانا چاہئے تو شریعت کے معین کردہ طریقہ پر لوگوں کے درمیان سو تازیانہ لگائے۔ ایک تازیانہ کی کمی یا زیادتی کا حق نہیں رکھتا۔ نہ ایک طمانچہ مارسکتا ہے نہ حبس دوام کی سزا دے سکتا ہے۔'' بس جو حکم شریعت ہے اسی پر عمل کو محدود رکھے۔'' اسی طرح اخذ مالیات میں اسلامی قاعدے پر عمل کرے، ایک پائی زیادہ لینے کا حق نہیں رکھتا۔ بیت المال میں ہرج مرج نہ ہونے دے کہ ایک پائی کا بھی نقصان ہوسکے۔ اگر نعوذ باللہ۔ فقیہ خلاف اسلامی امور کا مرتکب ہوجائے مثلاً فاسق ہوجائے تو خود بخود حکومت سے معزول ہوجائے گا کیونکہ اب وہ امین نہیں رہا۔

حوالے:

۱۔ بیعت عمومی کے بعد مسجد مدینہ میں حضرت نے جو پہلی تقریر فرمائی تھی کہ میں نے حکومت کیوں قبول کی۔ اس خطبہ کا ایک حصہ یہاں پر نقل کیا گیا ہے۔ ۱۲

۲۔''وسائل الشیعہ'' کے کتاب قضا، ابواب صفات قاضی ،باب ۸، حدیث ۵۰ نیز باب ۱۱، حدیث میں مرسل ذکر ہے۔'' معانی الاخبار'' و''مجالس'' میں مختلف سندوں سے نقل ہے جن میں بعض راوی مشترک ہیں۔ ''عیون'' میں متن بالکل مختلف طریقہ سے نقل ہے۔ اور یہ سب ایک دوسرے سے مختلف جگہ پر رہتے تھے۔ کوئی مرو میں کوئی بلخ میں کوئی نیشاپور میں قیام پذیر تھے۔

۳۔''کافی''۔کتاب فضل العلم۔ باب فقہ العلماء۔ حدیث سوم

۴۔ کتاب کافی، کتاب فضل علم، باب ۱۳ ، حدیث ۵۔ یہ منجملہ ان روایات کے ہے جس کو نراقی مرحوم نے ذکر کیا ہے،نوری مرحوم نے''مستدرک الوسائل'' ابواب ما یکتسب بہ باب ۳۸ روایت ۸ کتاب نوادر راوندی سے بسند صحیح از امام ہفتمؑ نقل کیا ہے ۔ نیز ابواب صفت قاضی، باب ۱۱ حدیث ۵، کتاب ''دعائم الاسلام'' سے بحوالہ امام ششمؑ نقل کیا ہے'' کافی'' میں بھی ایک روایت اس مضمون کی ہے۔ امام ششمؑ نے فرمایا علماء امین ہیں، متقی قلعے ہیں، انبیاء رہبر ہیں ۱۲۔

☆☆☆

منکرین ولایت فقیہ کے قرآنی دلائل کا
تفصیلی وتنقیدی جائزہ

احمد آذری قمی ☆
مترجم: مہدی باقر

☆زیر مطالب آقای احمد آذری قمی کی کتاب ''ولایت فقیہ از دیدگاہ قرآن'' ج/۱، صفحات: ۱۸-۴۳ سے ماخوذ ہے۔

اس کتاب میں مؤلف نے مخالفین ولایت فقیہ کے ان قرآنی دلائل کی بیخ کنی کی ہے جس میں مخالفین نے قرآنی ارشادات کی روشنی میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ولایت فقیہ غیر اسلامی تصور ہے۔سر دست مؤلف کے تفصیلی جوابات میں سے کچھ اقتباسات پیش نظر ہیں۔(ادارہ)

۱۔سورۂ اسریٰ، آیت ۳۶:

'' وَلاَتَقفُ مَا لَيْسَ لَکَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبُصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُوْلَئِکَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا''۱ ترجمہ:اور جس چیز کے بارے میں تمہیں یقین نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑو کیونکہ کان اور آنکھ اور دل سب کی قیامت کے روز باز پرس ہونے والی ہے۔تصور ولایت فقیہ کے مخالفین آیۂ مذکورہ سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: قرآن نے کلی طور پر ہر شخص کو اس کے عقائد، اعمال اور حرکات کا مالک وجوابدہ قرار دیا ہے اور کسی بھی غیر خدا کی اندھی تقلید کو ممنوع قرار دیا ہے۔۲

جواب : یہ بات بالکل درست ہے مگر اس کا ولایت فقیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ جو ولایت فقیہ کا قائل ہے وہ بھی اپنے اعمال وافعال کے لئے ولی فقیہ کو ذمہ دار نہیں مانتا قرآن کریم میں متعدد آیات ہیں جن سے اس بات کی تائید ہوتی ہے: '' يَقُولُ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لَوْلاَأَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ '' ☆ '' قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا أَنَحْنُ صَدَدْنَاكُمْ عَنْ الْهُدَى بَعْدَ إِذْ جَائَكُمْ بَلْ كُنتُمْ مُجْرِمِينَ ''۔ترجمہ: کمزور اور ادنیٰ لوگ بڑے اور سرکش لوگوں

سے کہیں گے کہ اگر تم نے ہمیں نہ بہکایا ہوتا تو ہم ضرور ایمان والے ہوتے،(اس وقت) سرکش لوگ کمزوروں سے کہیں گے کہ جب تمہارے پاس اللہ کی ہدایت آئی تھی تو ہم نے تم کو اس پر عمل کرنے سے روکا تھا، نہیں بلکہ تم خود ہی اس کے مجرم تھے۔ [۳]

ایسے لوگوں کو اللہ کی جانب سے جو جواب ملتا ہے وہ یہ ہے :" لکلّ ضعف ولکن لاتعلمون۔" ترجمہ: ہر ایک کے واسطے دوگنا عذاب ہے لیکن تم جانتے نہیں۔ [۴]

اگر کوئی فقیہ بھی (نعوذ باللہ) عوام کو اندھی تقلید کی دعوت دے اور انہیں گناہوں اور برے کاموں کی طرف ترغیب دلائے تو وہ خود بھی اور عوام بھی جوابدہ اور معتوب ہوں گے۔ کوئی فقیہ بھی قانون الٰہی سے مستثنٰی نہیں ہے۔ البتہ اگر فقیہ اپنے فرائض کے تقاضوں اور عبادات جیسے علم، تقویٰ اور رہبریت کے تقاضوں پر پورا نہیں اترتا اور مقلدین نے اپنی استطاعت بھر اس کے سلسلے میں تحقیق بھی کی ہو اور پھر اس کے فتاوے پر عمل کرنے کو مجبور ہوں تو ایسی صورت میں فقیہ جوابدہ ہوگا۔

مخالفین کے مطمح نظر میں قابل غور بات یہ ہے کہ انہوں نے آیہ شریفہ کو مطلق تصور کیا ہے اور کلی طور پر یہ مانا ہے کہ آیہ گرامی ہر اس عمل کی نہی کرتی ہے جس کے بارے میں عقل یقین حاصل نہ کرسکے، دوسری زبان میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ ہر اس امر یا نہی پر عمل درآمد ہونا چاہئے کہ جس کے نفع ونقصان کے بارے میں یقینی صورت حال ہو خواہ اس امر یا نہی کا حکم دینے والا خود خداوند کریم ہی کیوں نہ ہو! مثلاً اگر خدا اور رسولؐ نے نماز پڑھنے اور روزے رکھنے کا حکم دیا ہے اور ہمیں اس کے نفع ونقصان پر یقین نہیں ہے تو نہ ہم نمازیں پڑھیں نہ روزے رکھیں کیونکہ ایسی صورت میں ہمارا عمل اندھی تقلید شمار کیا جائے گا یا اس کے علاوہ جیسے پیغمبرؐ کی جنگ میں کسی کو کسی ایک گروہ لشکر کا سپہ سالار بنائیں تو اس گروہ کے سپاہی کو اپنے یقین پر عمل کرنا چاہیے یعنی اگر کسی نے اس کے حکم کو مفید جانا تو عمل کرے اور اگر مناسب نہ سمجھا کو عمل نہ کرے اور اگر اسے شک ہو تو ٹھہر جائے۔ اب سوال یہ ہے کہ کی کوئی جنگ ان حالات میں جیتی جاسکتی ہے۔ کون عقلمند اس طرح کے قرآنی حکم کا تصور کرسکتا ہے؟ کیا سپہ سالار کی اطاعت کے جملہ شرائط میں ایک شرط اس کی صلاحیتوں میں یقین رکھنا نہیں ہے کیا یہ قانون، جنگل راج یا اس سے بدتر نہیں کہلائے گا؟

سورۂ اسریٰ کی آیت ۳۶، ایسے حاکم یا مرشد سے متعلق ہے جو ایسا نہ ہو کہ جیسے پروردگار عالم بغیر کسی واسطہ کے یا رسولؐ وائمہ معصومینؑ یا ولی فقیہ کی طرح کسی واسطہ کے ذریعہ مسائل کے نفع ونقصان

کے بارے میں معلومات رکھتا ہو۔ چنانچہ فلسفہ احکام کی تفصیلات پر یقین کامل نہ ہونے کے باوجود اللہ کی اطاعت کو اندھی اطاعت نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ ہمارا یقین ہے کہ خدا ہر چیز سے آگاہ اور حکمت والا ہے اور اچھائی کے علاوہ کسی چیز کا حکم نہیں دیتا ہے اور چونکہ ولی فقیہ بھی احکام خداوندی کی بنیاد پر حکم نافذ کرتا ہے اور ہم احکام الٰہی اور اس کی اطاعت کے پابند ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ اس کی اطاعت باعث نظم امور قرار پائے گی لہٰذا ہماری اطاعت اندھی اطاعت نہیں ہے بلکہ سمجھا بوجھا عمل ہے۔مثال کے طور پر اگر ہماری آنکھوں پر پٹی باندھ کے ہمیں سڑکوں پر پھرایا جائے ہم اندھے شمار کیے جائیں گے لیکن اگر اسی حالت میں کہ ہماری آنکھوں پر پٹی باندھی ہوئی ہے کوئی دردمند آدمی ہمارے ہاتھوں کو تھام لے اور رہنمائی کرے، اونچے نیچے راستوں سے باخبر کرے تو اسے اندھی تقلید شمار نہیں کیا جائے گا۔ اگر ہم ڈرائیورنگ سے ناواقف ہیں اور گاڑی کا اسٹیرنگ کسی اور کے ہاتھ میں ہو تو اس کی ہمراہی اور عدم مخالفت عین عقلمندی اور ہوشیاری ہے، ہاں اگر ہم نے اسٹیرنگ کو نا اہل ڈرائیور کے ہاتھوں میں سونپ دیا کہ ہم تو اسی کے ساتھ چلیں گے یہ اندھی تقلید کہلائے گی۔

جملہ اہم مسائل کے مفاسد ومصالح پر کامل دست رس اور یقین نہ ہم سب کے لئے ممکن ہے نہ ہی ہم سب سے اس کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ لہٰذا اپنے سے بہتر وبرتر کی اطاعت وپیروی ہم پر لازم قرار دی گئی ہے تاہم انبیاء اور مرسلین کو بھیجے جانے کے پیچھے یہی فلسفہ پوشیدہ ہے کہ ہم اصلاح امور کے سلسلے میں منزل یقین میں نہیں ہیں اور انہیں اس کا علم ہوتا ہے۔

وہ مسائل کہ جن کے سلسلے میں ہمیں مہارت نہیں حاصل ہے اور ہم کوئی فیصلہ سنائیں تو یہ خود پر ظلم ہوگا اور اگر کسی ماہر سے رجوع کریں تو عین کیاست وہوشیاری قرار پائے گی مثلاً اگر ہم اپنے کسی کام سے متعلق انجینئر کی رائے پر عمل کریں تو ۸۰؍ فیصد کامیابی کا یقین ہوتا ہے اور اگر صرف اپنے طور پر ہر مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کریں تو ۲۰ فیصدی بھی کامیابی کی امید نظر نہیں آتی۔

یہی قرآن کریم کہ جس کے بارے میں مخالفین تقلید کا خیال ہے کہ اس نے اندھی تقلید سے منع کیا ہے۔ متعدد بار اطاعت خدا، پیغمبرؐ اور صاحبان امر کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور بنیادی طور پر اطاعت کا تعلق امر ونہی سے ہے نہ کہ عقل ودرک پر، شاید یہی وجہ ہے کہ اللہ نے ارشاد فرمایا: ’’من یّطع الرّسول فقد اطاع اللّٰہ ‘‘ نزاع کے موقع پر اللہ ورسولؐ سے رجوع کیا جاتا ہے تو نزاع رفع ہوجاتا ہے اور یہ تب ہی ممکن ہوتا ہے جب دونوں فریق میں سے ایک اپنے نظریے سے ہٹ کر

امرونہی خداورسولؐ کے آگے سرتسلیم خم کرلے۔ واضح رہے کہ علیؑ ورسولؐ کا اتباع کرنے والوں نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ان کا علم سارے امور پر محیط ہے چنانچہ انہوں نے ہمیشہ ائمہ معصومینؑ کی پیروی کی ہے۔ ابن ابی یعفور کے بارے میں ملتا ہے کہ انہوں نے کہا: اگر آپ فرمائیں کہ آدھا انار حلال اور آدھا انار حرام ہے تو مجھے کوئی انکار نہیں ہوگا اور میں آپ کے حکم پر عمل کروں گا۔۵

اگر اصول وفقہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے تو ہم اس نتیجہ پر پہونچیں گے کہ مخالفین نے سورۂ اسریٰ کی آیت ۳۶ کے استدلال کا جواب وہاں بھی پایا ہے۔ کسی ایسی چیز پر عمل کہ جس کی حجیت پر یقین ہو اپنے علم پر عمل ہے شک پر نہیں، صاحب نظر اور صاحب علم کے قول پر عمل، علم پر عمل ہے، شک اور اندھی تقلید نہیں۔ اگر کسی ایک آیت میں حکم ہو تو شک پر عمل نہ کرو اور دوسری آیت میں یہ حکم دے کہ رسولؐ وامامؑ معصوم اور ولی فقیہ کہ جس نے معصومین کی زندگی سے سب کچھ سیکھا ہے، کے قول پر عمل کرو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قول پیغمبرؐ وغیرہ علم اور یقین کی حیثیت رکھتا ہے اور اس پر عمل کرنا چاہئے۔ خواہ ہمیں اپنے تئیں یقین کامل حاصل نہ ہوا ہو۔

۲۔سورۂ انفال آیت ۲۲

" إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لاَيَعْقِلُونَ "۔ ترجمہ: اس میں کوئی شک نہیں کہ اس پر چلنے والے تمام حیوانات میں خدا کے نزدیک سب سے بدتر وہ گونگے بہرے ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے۔۶

بطور مثال، کیا وہ آدمی جو اپنے علاج کے لئے ماہر طبیب سے رجوع کرتا ہے باوجویکہ اس نے ڈاکٹر کو اپنی شناخت اور معلومات کی بنیاد پر انتخاب کیا ہے لیکن علم طب کے رموز وقوانین سے بالکل ناآشنا ہے پھر بھی وہ ڈاکٹر کے بتائے ہوئے تمام اوامر ونواہی پر عمل پیرا ہے، گونگا بہرا اور بیوقوف ہے یا وہ لوگ جو ایک ٹیبلیٹ کھانے کو تیار نہیں ہوتے جب تک خود اس کی تمام خوبیوں اور خامیوں سے واقف نہ ہوجائیں اس صورت میں پہلے والی قسم کے لوگ بہت ممکن ہے شفا پاجائیں مگر دوسری والی قسم کے لوگوں کا شفایاب ہونا مشکل ودشوار معلوم ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا آیہ شریفہ سے مراد وہ کفار ہیں جو خداورسولؐ کی اطاعت نہیں کرتے یعنی نہ اطاعت کرتے ہیں اور نہ ہی احکام الٰہی پر کان دھرتے ہیں۔

قرآن کریم ایسے اللہ کے بندوں کو مومن، اہل نجات، اور عقلمند جانتا ہے جو مطیع وفرمانبردار

ہیں نہ کہ ایسے مدعی لوگوں کو جن کا خیال یہ ہے کہ ان کی فہم وفراست ، پیغمبروں، الٰہی نمائندوں اورفقہاء سے زیادہ ہے۔

۳۔سورہ توبہ آیت ۳۱

”اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلاَّ لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا لاَإِلَهَ إِلاَّ هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ“۔ ترجمہ: ان لوگوں نے اپنے خدا کو چھوڑ کے اپنے عالموں، زاہدوں اور مریم کے بیٹے مسیح کو اپنا پروردگار بناڈالا حالانکہ انہیں سوائے اس کے حکم ہی نہیں دیا گیا کہ وہ خدائے یکتا کی عبادت کریں جس چیز کو یہ لوگ اس کا شریک بناتے ہیں وہ اس سے مبرّا ہے۔ ۷

مذکورہ آیت کے کس پہلو سے یہ بات ثابت کی جاتی ہے کہ اطاعت ولی فقیہ شرک ہے؟

ہمیں یہ جاننا چاہیے کہ غیر خدا کی عبادت واطاعت یا اس کی رضا کے بغیر کسی اور اتباع کے علاوہ شرک اور کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔ چنانچہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہمارا جو رشتہ اور معاملات معبود حقیقی سے ہے اسے کسی غیر خدا سے روا رکھنا ہی شرک کا بنیادی عنصر ہے۔لہٰذ حکم خدا سے حضرت آدم کا سجدہ تعظیمی عین توحید پرستی ہے باوجودیکہ سجدہ اورعبادت کسی غیر خدا سے متعلق ہے۔کیا وہ لوگ جو ولایت فقیہ کے قائل ہیں، ولی فقیہ کی اطاعت کو بغیر امر الٰہی کے بجالائے ہیں؟ یا یہ ایک بہت بڑا الزام ہے۔

امام حسن عسکریؑ کی تفسیر میں درج ہے کہ یہودونصاریٰ نے ہرگز احباریت ورہبانیت کے لئے سجدہ نہیں کیا بلکہ انہوں نے ان کے امر ونہی کی اطاعت کی، اس معنیٰ میں کہ انہوں نے ان کو اپنا رب مان لیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے امر خدا پر انہیں ترجیح دی اور بندہ کے حکم کو خدا کے حکم پر برتر جاننا شرک ہے۔ مثلاً اللہ نے سود کوحرام قرار دیا ہے مگر ان لوگوں نے اسے حلال جانا۔راوی نے امام حسن عسکریؑ سے پوچھا کہ یہودو نصاریٰ بھی اپنے علماء کی تقلید کرتے ہیں اور مسلمان بھی اپنے فقہاء کی تقلید کرتے ہیں اس میں کیا فرق ہے جبکہ قرآن میں اس کی نہی کی جاچکی ہے امامؑ نے فرمایا: یہودونصاریٰ کی تقلید شرک پر مبنی ہے، کیونکہ رہبانیت امر الٰہی کے برخلاف عمل کرنے کی ترغیب دلاتی ہے لیکن مسلمان اپنے فقہاء کی تقلید کرتے ہیں جو مرضی ومنشاء الٰہی کے مطابق فتاوے دیتے ہیں۔

فامّا من كان من الفقهاء صائناً لنفسه ، حافظاً لدينه، مخالفاً لهواه ، مطيعاً لامره مولاه، فللعوام ان يّقلّدوه۔ ۸

اس روایت سے تقلید کے معنی بھی روشن ہو جاتے ہیں کہ تقلید یعنی اپنے پیشوا یا امام برحق کی اطاعت و پیروی جبکہ وہ پیشوا یا رہبر، فقیہ ہو،

کسی ڈاکٹر یا انجینئر یا صاحب نظر کی رائے پر عمل کرنا تقلید نہیں ہے۔ مرجع تقلید کے لئے کچھ شرائط ہیں مثلاً مرد ہونا وغیرہ وغیرہ (جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث سے روشن ہے)

۴۔سورہ احزاب آیت ۶۷

" وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَائَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلَا "۔ترجمہ: اور کہیں گے کہ ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کا کہنا مانا اور انہوں ہی نے ہمیں گمراہ کردیا۔۹

مخالفین ولایت فقیہ کہ جو بہ زعم خود تقلید کے چہرے کو بے نقاب کرنے والے ہیں کہتے ہیں: انتشارات "نقش تعیین کنندہ مستضعفین وروحانیت" میں تفصیلی طور پر تقلید سے متعلق گفتگو کی گئی ہے اور ہم نے وہاں ثابت کیا ہے کہ یہ مسئلہ کہ لوگ خود کو عوام الناس ہونے کے بہانے بلا سوچے سمجھے ہاتھ باندھے ایک عالم فقیہ کے سپرد کردیں اوردین ودنیا اور عقائد واعمال کو ان کے بتائے ہوئے نسخہ کے مطابق انجام دیں، کسی بھی طرح قرآن وسنت وعترت کے مطابق نہیں ہے۔ یہی نہیں بلکہ ہمارے بزرگ پیشواؤں نے شیعوں کے لئے تاکید کی ہے کہ یہودیوں کی نقل کرنے سے بچیں، جان لیں ایسے علماء بہت کم ہیں جو تقویٰ اور صیانت نفس کے حامل ہیں اور مطیع امر مولیٰ (اللہ) ہیں اور منافع دینا ان کے پیش نظر نہیں ہے۔۱۰

ایسا لگتا ہے جیسے مذکورہ بیان کا آخری حصہ امام حسن عسکری سے مروی روایت سے ماخوذ ہے البتہ ایسے تراش خراش کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ جو ایک بہت بڑی علمی خیانت ہے۔ اسی حدیث میں ان مختصر فقہاء کی تقلید وپیروی کا حکم دیا گیا ہے جس کا مخالفین نے ذکر کیا ہے تاہم اسی حدیث میں تقلید اور رہبانیت میں فرق واضح کیا گیا ہے۔ فامّامن کان من الفقهاء صائناً لنفسه، حافظاً لدينه، مخالفاً لهواء، مطيعاً لامر مولاه فللعوام ان يقلّدوه وذلك لايكون الاّ بعض فقهاء الشّيعة لاجميعهم۔"۱۱

دوسری بات یہ ہے کہ مخالفین کا خیال ہے کہ تقلید واطاعت غیر خدا شرک ہے اور اپنے عقائد واعمال کو غیر خدا کے لکھے ہوئے نسخہ کے مطابق انجام دینا اندھی تقلید اور برخلاف کتاب وسنت ہے۔ اللہ، حضرت عیسیٰ حضرت ابراہیم یا کسی اور پیغمبر کی عبادت وپرستش کو شرک جانتا ہے۔ چہ جائیکہ

فقیہ عادل اور مطیع امر مولیٰ ، چنانچہ عمل کی ماہیتوں میں موضوع اور معبود دونوں اعتبار سے فرق ہے، لہٰذا اگر عبادت واطاعت پیغمبر بغیر اذن خدا کے ہوتو شرک ہے اور اگر حکم خدا سے ہوتو نہ صرف یہ کہ شرک نہیں ہے بلکہ عین اطاعت وعبادت خداوندی ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا : '' مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلَّى فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا'' ۔ترجمہ: جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے روگردانی کی تو ہم نے تم کو اس کے اوپر پاسباں بناکے نہیں بھیجا ہے۔ ۱۲

''إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنْتُمْ لَهَا وَارِدُونَ''۔ترجمہ: اے کفار تم اور جس چیز کی تم پرستش کرتے تھے جہنم کا ایندھن ہوگے اور اس میں ڈالے جاؤ گے۔ ۱۳

اگر علماء وفقہاء کی اطاعت مطلقہ حضرت حجت ابن الحسن (عج) کے حکم کے بموجب ہو کہ جو خود بھی اللہ اور رسولؐ کی طرف سے منسوب ہے، در اصل اطاعت امام زمانؑ واطاعت پیغمبرؐ اور خداوند عالم ہے۔

'' کافی ''میں درج ہے کہ خداوند کریم نے اپنے احکام کو اس لئے پیغمبرؐ پر محمول کیا ہے تاکہ مطیع وگنہگار کا فرق واضح ہو سکے۔ ۱۴

سوال یہ ہے کہ کیا مذکورہ آیت، پیغمبرؐ وامامؑ یا وہ شخص جس کی اطاعت کا حکم دیا جائے، کے تصور اطاعت پر محیط ہے؟

کیا پیغمبرؐ وائمہؑ ہمارے پیشواؤں اور رہنماؤں میں سے نہیں ہیں، صرف فقہاء کو اس آیت میں مراد لیا گیا ہے؟ کیا گمراہ لوگ، مطیع رسولؐ مانے جائیں گے؟ کیا مطیع پیغمبرؐ و امامؑ اور ولی فقیہ کے لئے بھٹکا ہوا ہونا ضروری ہے، درحالیکہ قرآن کریم کی آیات سے یہ بات واضح ہے کہ جو رسولؐ کی اطاعت کرے گا وہ عذاب الٰہی کا شکار نہیں ہوگا۔

اگر تمام قرائن اور شواہد کونظر انداز کردیا جائے اور یہ کہا جائے کہ یہ آیت شریف علماء وفقہاء سے متعلق ہے تو کیا یہ ان علماء وفقہاء عادل ومتقی کو شامل کرتا ہے کہ جن کی اطاعت مطلقہ کے لئے حکم ہوا ہے۔

'' يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ''۔ترجمہ: اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو، رسولؐ کی اطاعت کرو اور صاحبان امر کی اطاعت کرو ۔ ۱۵ آیت مذکور بھی انہیں کے لزوم اطاعت پر دلالت کرتی ہے۔

چنانچہ آیہ مذکور کو آیۂ وقالو ربّنا.....الخ کا مویّد سمجھنا چاہئے،

علاوہ ازیں یہ گفتگو کہ آیت محض طاغوت وشیاطین کے لیڈروں سے متعلق ہے اور ایسے کسی بھی فرد کا اشارہ اس میں نہیں ہے جن کی اطاعت کا حکم اللہ نے دیا ہو، اس سلسلے میں پہلے وہابی اور ان سے پہلے خوارج نہروان اور ان سے بھی پہلے کفار ومشرکین اس غلط فہمی کا شکار ہو چکے ہیں۔ کفار ومشرکین کہتے تھے !'' وَقَالُوا مَالِ لهَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِى فِى الأَسْوَاقِ لَوْلاَأُنزِلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونَ مَعَهُ نَذِيرًا ''۔ترجمہ:ان لوگوں نے یہ بھی کہا کہ یہ کیسا رسولؐ ہے جو کھانا کھاتا ہے، بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل ہوا جو اسے ڈرانے والا ہوتا۔ ۱۶؎

یعنی تقدّس موضوع کا تقاضا یہ ہے کہ وحی ملائکہ پر نازل ہو نہ کہ انسان پر، ہم بآسانی اس نتیجہ پر پہونچے کہ ان کا یہ تصور موہوم انہیں خداوند کریم کی تکذیب پر آمادہ کررہا ہے۔

خوارج نہروان کہتے تھے ! حکومت صرف خدا کا حق ہے، نہ رسولؐ نہ علیؑ اور نہ کوئی اور، چنانچہ باربار'' ان الحکم الاّ للّٰہ''۔۱۷؎ کا نعرہ بلند کرتے تھے، امیر المومنین حضرت علیؑ نے ان کی فکر کو بے نقاب کرتے ہوئے فرمایا تھا، کلمة حق یراد بها الباطل۔

اس موقع پر مخالفین کے لئے ہمارا یہ جواب ہے کہ قانون بنانا اللہ کے ہاتھ میں ہے مگر اس کا اجراء اس کے نمائندوں اور صالح بندوں کی ذمہ داری ہے، یعنی حکومت رسولؐ وامامؑ، حکم خداوندی سے تشکیل پاتی ہے اور وہ حکم خدا کو نافذ کرنے پر پابند ہیں جیسا کہ ارشاد ہے ان احکم بینهم بما انزل اللّٰہ ۱۸؎ ،صرف عمل درآمد کے لئے انہیں وقتی طور پر یہ ذمہ داری سونپی جاتی ہے۔

وہابی کہتے ہیں: غیر خدا سے طلب حاجت اور تقاضائے امداد اگرچہ اس کے حکم سے بھی ہو تو بھی شرک ہے اور وہ اس سلسلے میں آیتیں بھی پیش کرتے ہیں:'' قُلْ أَرَأَيْتُمْ شُرَكَائَكُمُ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ أَرُونِى مَاذَا خَلَقُوا مِنْ الأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِى السَّمَاوَاتِ''۔ترجمہ:اے رسولؐ تم ان لوگوں سے پوچھو کہ تم خدا کے علاوہ جن شریکوں کی قیادت کرتے تھے کیا تم نے انہیں دیکھا ہے، مجھے بھی دکھاؤ کہ انہوں نے زمین سے کون سی چیز پیدا کی یا آسمانوں میں ان کا آدھا ساجھا ہے۔ ۱۹؎

وہابیوں کا بعض گروہ اس بات کا قائل ہے کہ تقاضائے حاجت حتیٰ نبیؐ وامامؑ سے بھی اس آیت میں مراد ہے چنانچہ زیارت قبر معصومینؑ اور ان سے کچھ مانگنا اور ان کی تربت کی مٹی پر سجدہ اور

ان کی ولادت کی مناسبت سے جشن برپا کرنا، شرک ہے، درحالیکہ حجر اسود کا بوسہ جائز اور مرسوم ہے خانۂ خدا کا طواف سب کرتے ہیں اور یہی نہیں بلکہ مخالفین اسلام سے تقاضائے امداد کا سلسلہ بھی جاری ہے پھر بھی وہ خود کو مشرک نہیں جانتے۔

شرک، غیر خدا کی عبادت واطاعت کو کہتے ہیں یا کسی ایسے کا اتباع جو بغیر اذن الٰہی کے احکام اللہ کا ذمہ دار بن بیٹھے۔ اس لحاظ سے آیۂ'' أَمْ آتَیْنَاهُمْ كِتَابًا فَهُمْ عَلَى بَيِّنَةٍ مِنْهُ''۔ ترجمہ: یا ہم نے خود انہیں کوئی کتاب دی ہے کہ وہ کوئی دلیل رکھتے ہیں۔ ۲۰ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اطاعت غیر خدا اگر اذن الٰہی پر منحصر ہو تو جائز ہے۔

چند نام نہاد پڑھے لکھوں کا ماننا ہے کہ چونکہ دعای فرج میں ائمہ معصومینؑ سے'' یا محمد یا علی انصرانی فانّمکما ناصران'' کہا جاتا ہے لہٰذا اس کا پڑھنا کفر ہے، درحالیکہ اللہ نے رسولؐ وآل رسولؐ کو مومنین کی دستگیری اور امداد کا حکم دیا ہے اور اس پر تاکید کی ہے، خداوند عالم کو خود کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے مگر اس نے رسولؐ یا اس کے دین کی یا مسلمانوں کی مدد کو اپنی مدد شمار کیا ہے۔

۵۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۵۶

'' لاَإِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الغَيِّ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى لاَانفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ''۔ ترجمہ: دین مبین کوئی زبردستی نہیں ہے کیونکہ ہدایت، گمراہی سے الگ ہو چکی ہے جس نے جھوٹے خداؤں کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان رکھا اور اس نے رسّی کو مضبوطی سے پکڑے رکھا ہے جو ٹوٹنے والی نہیں ہے اور اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ ۲۱

لکھتے ہیں: ان قرآنی آیات کی روشنی میں جس میں اللہ نے بندوں کو مکمل طور پر اور بااختیار اور آزاد قرار دیا ہے اللہ کا بندوں سے رابطہ ایسا ہے کہ اس نے پیغمبروں کو بھی حق رسالت اسی حد تک دیا ہے کہ وہ چاہے عقائد کا مسئلہ ہو یا اللہ کی طرف دعوت دینے کا مسئلہ یا اس کے احکام کے اجراء کا مسئلہ ہو صرف انتباہ یا نصیحت کرنے کا مجاز ہے اس لئے کہ'' لااکراہ فی الدّین'' کے بموجب دین میں کوئی جبر واکراہ نہیں ہے۔ ۲۲

مذکورہ اقتباس میں ذکر شدہ آیہ گرامی کے ذریعہ ولایت فقیہ کی نفی کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ولی فقیہ یا کسی اور قابل اطاعت فرد کی اطاعت کو اکراہ فی الدّین کا مستلزم جانا گیا ہے۔ ہوسکتا ہے ان کا مطلب یہ ہو کہ اگر لوگ اپنی مرضی سے ولی فقیہ کی اطاعت کرتے ہیں کہ ان کے

منافع پامال نہ ہوں اور اس کے برعکس اطاعت کو جبر واکراہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ہم نے ''رہبری وجنگ وصلح''نامی کتاب میں اس آیت کے سلسلے میں اور کفار ومشرکین کے ساتھ جنگ کے متعلق بہت ساری باتیں لکھی ہیں لیکن سردست ہم اس کا ولایت فقیہ کے نقطۂ نظر سے جائزہ لیں گے۔ بنیادی طور پر یہ آیت ولایت مطلقہ فقیہ سے کسی صورت میں متضاد نہیں ہے کیونکہ اس آیت کا موضوع اصلی دین واعتقاد ہے اور اعمال وافعال کا سلسلہ جسے قرآن نے بعض مقامات پر معروف اور منکر سے تعبیر کیا ہے ولی مسلمین کے ہاتھوں میں ہوتا ہے نہ کہ عوام الناس کے ہاتھ میں۔معروف اور منکر کی تشخیص کا مسئلہ بھی امر ونہی کرنے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔

ظاہر سی بات ہے کہ اللہ اور قیامت پر اعتقاد اور کفر وطاغوت کی نفی کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جو زبردستی ثابت کی جائے۔

چنانچہ آیہ کامفہوم یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس میں مسلمانوں اور ان کے حاکموں کو اس بات کی طرف توجہ دلائی جائے کہ آیات الٰہی کو صحیح روشن اور درست انداز میں پیش کیاجائے تاہم اس میں تحکمانہ بو،نہ آنے پائے۔ واضح رہے کہ مختلف آیات میں کامیاب تبلیغ کے نفسیاتی پہلو کی طرف یاددہانی کرائی گئی ہے مثلاً آیہ ''انّا ھدینٰہُ السّبیل اِمّا شاکراً واِمّا کفوراً'' ترجمہ: ہم نے ہدایت کا راستہ دکھادیا ہے اب لوگ چاہے شاکر ہوجائیں یا اس کا انکار کردیں۔'' فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ'' ترجمہ: پس جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے انکار کردے۔[۲۴]

اس قسم کی آیات میں اللہ نے انسانوں کو ان کے پورے اختیار کے ساتھ حق وایمان کی دعوت ہے اور جنت وجہنم کا ذکر صرف تشویق تہدید کے عنوان سے ہے، وگرنہ اسلام کو قبول کرنا یا نہ کرنا ،توحید وقیامت پر ایمان لانا سوفیصدی انسان کے ہاتھ میں ہے۔

جنگ وجہاد کا حکم بھی اپنے عقائد کوتھوپنے کے لئے نہیں ہے بلکہ سر پھرے ظالموں سے مقابلہ کے لئے ہے کہ جو اپنے منافع کے لئے دوسروں کے حقوق کو پامال کردیتے ہیں،اسلامی تعزیرات وسزاؤں کا فلسفہ بھی صرف یہی ہے کہ سماج میں ایسے کارناموں کو پڑھنے سے روکا جائے جو مضر ہیں چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس برے عمل کے جتنے زیادہ اثرات ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اس کی سزا بھی اتنی ہی زیادہ ہے اگر ولایت مطلقہ فقیہ سے تھوڑی دیر صرف نظر کرلیں تو بھی آیہ ''لا اکراہ فی الدّین''،تخصّص کی حامل ہے اس لئے کہ'' السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا ''ترجمہ: چور مرد ہو یا

عورت ان کے ہاتھ کاٹ دو۔۲۵ "الزَّانِیَةُ وَالزَّانِی فَاجْلِدُوا کُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ" ترجمہ: زنا کار مرد یا زنا کار عورت دونوں کو سوسو کوڑے مارے جائیں۔۲۶ "وَالَّذِینَ یَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ" ترجمہ: جو پاکدامن عورتوں پر تہمت لگائے۔۲۷ جیسے آیات اس کی وضاحت کرتی ہیں۔

پھر بھی اگر ولی فقیہ کا انکار کریں تو کیا ایک مسلمان ہونے کے سبب ولایت پیغمبرؐ سے انکار کرسکتے ہیں؟ لہٰذا اولو الامر واجب الاطاعت ہیں اور اس کی دلیل میں وہ آیتیں ہیں جسے خصوصی طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

۶۔آیات مختلفہ

" مَا عَلَی الرَّسُولِ إِلاَّ الْبَلاَغُ" ترجمہ: ہمارے رسولؐ پر پیغام پہونچانے کے سوا کوئی اور فریضہ نہیں ۲۸ " مَا جَعَلْنَاکَ عَلَیْهِمْ حَفِیظاً" ترجمہ: ہم نے تم کو ان پر پاسبان نہیں بنایا ہے ۲۹ "لَسْتَ عَلَیْهِمْ بِمُصَیْطِرٍ" ترجمہ: تم ان پر داروغہ نہیں ہو۔۳۰

اور دیگر آیات بھی ہیں جسے مخالفین نے سند قرار دیا ہے وہ کہتے ہیں۔

"واضح طور پر پیغمبرؐ سے بھی کہہ دیا گیا تھا کہ آپ کسی کے اعمال کے نگراں اور ذمہ دار نہیں ہیں چنانچہ یہ امر بالکل بدیہی ہے کہ جب پیغمبرؐ کو ایسی ذمہ داری نہیں سونپی گئی کہ لوگوں کو مومن بنانے میں اجبار سے کام لے اور ان پر کچھ تھوپے تو کوئی اور خواہ وہ فقیہ کیوں نہ ہو کیسے ایسا کرنے کا مجاز ہوسکتا ہے ۳۱

جیسا کہ قرآن کریم نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ رسولؐ کی ذمہ داری تبلیغ ہے اور ہرگز یہ اس کی ذمہ داریوں میں سے نہیں ہے کہ وہ زبردستی لوگوں کو مومن بنائے، "افانت تکرہ النّاس حتّی تکونوا مومنین" ۳۲ ۔صرف خدا، لوگوں کو نعمت ایمان سے سرفراز کرنے پر قادر ہے کیونکہ دلوں پر صرف اسی کو قدرت حاصل ہے۔ چنانچہ پیغمبرؐ اکرم کا فریضہ اصلی ہدایت وامر بالمعروف ونہی از منکر ہے اور یہی ایک مسلمان حاکم کا بھی فریضہ ہے۔ ولایت ،بشارت اور انداز تبلیغی دائرہ کار میں آتا ہے۔

خداوند کریم ،پیغمبرؐ سے خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے : " فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَاکَ عَلَیْهِمْ حَفِیظًا " ترجمہ: پھر اگر منھ پھیر لیں تو ہم نے تم کو ان پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا ہے۔۳۳

یعنی اگر کوئی ایمان نہ لائے اور بعد عمل نہ کرے تو آپ نے اپنے فرائض انجام دے دئے

ہیں۔ یہ آیتیں کفار کی تکذیب کے مقابلہ میں رسولؐ کی تسلی خاطر کے لئے ہیں، آنحضرتؐ انسانوں کے تئیں دلسوز، مہربان اور شفیق تھے۔ انسانوں کی ہدایت کے لئے ہمہ تن کوشاں رہتے تھے اور انہیں ایمان نہ لاتا دیکھ کر رنجیدہ خاطر ہوتے تھے چنانچہ خداوند کریم ان سے حوصلہ بخش لہجے میں خطاب کرتا نظر آتا ہے۔ اور رسولؐ کی رنجیدہ خاطری کو دور کرتا نظر آتا ہے۔

قابل ذکر اور درست بات یہ ہے کہ رسولؐ بالا جبار لوگوں سے ایمان قبول کرانے پر قادر نہیں تھے مگر احکام الٰہیہ کا اجراء اور منکرات کی بیخ کنی نیز ظالموں کے مقابلہ میں مظلوموں کی پاسداری کی طاقت ضرور رکھتے تھے۔ اگر لوگ آپ کی آواز پر کان نہیں دھرتے تھے تو موعظہ فرماتے تھے ۔آپ کے حکم سے اسلامی حدود جاری کی جاتی تھی ، چور کے ہاتھ کاٹے جاتے تھے ۔ اگر کوئی زنا کا مرتکب ہوتا تھا تو اس کے ساتھ اسلامی تعزیرات کے مطابق برتاؤ کیا جاتا تھا۔ سمرہ ابن جندب اپنے درخت کے مالکانہ حق کے پیش نظر ایک مسلمان مالک مکان کو بیجا دباؤ میں لے رہا تھا، رسولؐ نے اسے نصیحت کی مگر وہ نہیں مانا تو آپ نے حکم دیا کہ درخت کو اکھاڑ دیا جائے چنانچہ درخت کو اکھاڑ دیا گیا اور اس کے سامنے ڈال دیا گیا اور صاحب خانہ کی مشکل آسان کر دی گئی ۔ اگر رسولؐ کے پاس اتنی طاقت نہ ہوتی تو حکومت وقدرت بے مفہوم ہو جاتی۔

اعتراض: دیگر مقامات پر بھی بہت سی دیگر آیات میں خداوند متعال کی ولایت کی طرف اشارے ملتے ہیں۔ ولایت مطلقہ ولایت الٰہیہ کے لئے شرک ہے لہٰذا قابل قبول نہیں ہے۔

جواب: الامان الحفیظ، ایسے سمجھ رکھنے والوں سے ! یہ بات اس وقت صحیح ہوتی جب ولایت فقیہ کو ولایت الٰہیہ کے مقابل سمجھا جاتا مگر جب ہم پہلے ہی عرض کر چکے کہ نبیؐ وامامؑ یا فقیہ کی ولایت ، اللہ کی قدرت سے تعارض نہیں ہے بلکہ اسی کی راہ میں نبھائی جانے والی ذمہ داری ہے۔

اگر کسی نظام کے نمائندہ کا حکم مانا جائے تو اس سے نظام کے سربراہ کی ولایت پر کوئی برا اثر نہیں پڑتا! کیونکہ یہ اطاعت حکومت کا اتباع مانی جائے گی، ہاں اگر کوئی نمائندہ معزول کر دیا گیا ہو اور ہم پھر اسی کی اطاعت کو خود پر فرض جانیں تو یہ حکومت کی قدرت میں کسی کو شریک قرار دینا ہوگا۔ بتوں کو سجدہ کرنے سے متعلق جو اعتراض ہے وہ اسی قسم کا ہے کیونکہ وہ غیر خدا ہیں لیکن اگر حکم خدا کی تعمیل میں ملائکہ، آدم کو یا برادران یوسف، یوسف کو سجدہ کریں تو کیا قباحت ہے درحالیکہ قرآن کریم نے دونوں موقعوں پر لفظ سجدہ کا استعمال کیا ہے۔

سجدۂ حضرت آدم سے متعلق ارشاد ہے:

" وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ" ترجمہ: جب ہم نے ملائکہ کو حکم دیا کہ آدم کا سجدہ کریں۔ ۳۴؎ حضرت یوسف کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے: وخرّوا له سجّداً ترجمہ: وہ سب سجدہ میں جھک گئے ۳۵؎

بڑے افسوس کی بات ہے کہ بعض افراد اپنے مقصد کے حصول کے لئے ،کسی بھی گفتگو کے بعض حصہ کو لے لیتے ہیں اور بعض حصہ کو چھوڑ دیتے ہیں ، اللہ نے متعدد آیات میں حکومت وسلطنت کو اپنی ذات سے منسوب کیا ہے لیکن دوسری آیات میں انبیاء بنی اسرائیل کو ملوک کے عنوان سے ذکر کیا ہے، سورۂ مائدہ آیت نمبر ۲۰ میں ارشاد ہوتا ہے" اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا"۔ ترجمہ: یادکرو اللہ کی ان نعمتوں کو جو اس نے تم پر نازل کی ہیں، اس نے تمہیں میں سے نبی بنائے، بادشاہ بنائے۔بعض دیگر آیات میں اللہ نے خالقیت ،رزّاقیت مالکیت اور حاکمیت کو دوسروں کے لئے ذکر کیا ہے مگر سب کو اپنی خالقیت ، رزّاقیت ، مالکیت، اور حاکمیت سے مربوط جانا ہے۔" فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ "ترجمہ: بابرکت ہے وہ ذات جو سب سے بہتر خلق کرنے والا ہے۳۶؎ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ۔ ترجمہ: خدا سب سے بہتر رزق عطا کرنے والا ہے۔۳۷؎ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مَالِكُونَ ترجمہ: کیاان لوگوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ ہم نے ان کے فائدے کے لئے چارپائے اس چیز سے پیدا کیے جسے ہماری ہی قدرت نے بنایا تو یہ لوگ ان کے مالک بن گئے ۳۸؎

۷۔سورۂ نساء، آیت ۵۸

"إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا"۔ترجمہ: بیشک خدا تمہیں حکم دیتا ہے کہ لوگوں کی امانت کو ان کے اہل تک پہونچا دو اور جب لوگوں کے درمیان محاکمہ کروتو عدل سے کام لو خدا تمہیں اس کے لئے بہترین نصیحت کرتا ہے، بیشک وہ سب سنتا اور دیکھتا ہے۔۳۹؎

خداوند کریم نے انسانوں کو اپنی خلافت ،تقرب اور اپنے جیسا بنالینے کے لئے پیدا کیا ہے اور اسے اس کے اعمال کے لئے اختیار کامل دے کے بھیجا ہے۔ کیسے ممکن ہے کہ وہ اسے اتنا مجبور بنادے گا کہ اس پر اس جیسے یا اس سے پست یا بالا تر افراد کو سرپرستی یا بالادستی کو حق دیدے؟

اسلامی نظام حکومت کی تشکیل کا مطلب ایک ایسا سیاسی اور سماجی نظام ہے جس میں ولایتی آمریت کا گذر نہ ہو کہ جسے امت کا داروغہ بنایا گیا ہو،قرآن کریم میں اس سلسلے میں ارشادات موجود ہیں:

ایک آیت میں خود رسولؐ سے خطاب ہے کہ قوم اور معاشرہ کے معاملات میں خود ان سے مشورہ کریں''وامرھم شوریٰ بینھم''

جواب: مذکورہ بالا اقتباس میں یہ بات قطعاً سمجھ میں نہیں آتی کہ اس کے کس حصہ سے ولایت فقیہ کی نفی ہوتی ہے؟

اس کے پہلے حصہ میں کہ جس میں صاحبان امانت کو ان کی امانتیں واپس کرنے کا تذکرہ کیا گیا ہے، اس کا بہت غلط مطلب سمجھا گیا ہے۔اگر امانت کے بہت عام معنیٰ مراد لیے جائیں کہ جس میں مناصب واموال مراد لیے گئے ہوں بشرطیکہ اس سے امامت جیسی امانت الٰہیہ کے خلاف نہ ہو۔

اہل بیتؑ سے متعدد روایات ہیں کہ اس فریضہ کو ہم پر عائد کیا گیا ہے اور یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ امامت کی امانت آنے والے امام کے حوالے کریں۔امام موسیٰ کاظمؑ سے پوچھا گیا کہ آیۂ مذکور کا مفہوم ومصداق بیان فرمائیں: آپؑ نے فرمایا: اس میں ہمارے لئے ایک خاص حکم ہے، اللہ نے ہم میں سے ہر ایک امام کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے بعد والے امام کو متعلقہ امانتیں ودیعت کردے اور اسے بعد والے امام کی شکل میں پہنچوادے۔۴۰

برادران اہل تسنن نے بھی اس سے ملتی جلتی حدیث کو امام علیؑ سے نقل کیا ہے:

ہر امامؑ پر واجب ہے کہ احکام الٰہیہ کا اجراء کرائے اور امانت کو صاحب امانت تک پہونچادے۔اگر وہ ایسا کرے تو لوگوں پر واجب ہے کہ اس کی اطاعت کریں اور وہ جب بھی انہیں بلائے اس کی آواز پر لبیک کہیں۔۴۱

البتہ جیسا کہ اوپر ذکر کیا جاچکا ہے امانت سے مراد، امامت بھی ہے اور صرف اسی سے مخصوص نہیں ہے، جیسا کہ قرائن سے ثابت ہے کہ آیت کے دوسرے حصہ میں حکومت میں عدالت کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کرنا پڑتا ہے۔

آیت کا دوسرا حصہ بھی، اسلام میں حکومت کی طرف اشارہ سے خالی نہیں ہے، اس لئے کہ حکومت اگر نمائندگان الٰہی کے نقطۂ نظر سے درست نہ ہو تو عادل حکومت ہو ہی نہیں سکتی، کیونکہ ایسی صورت میں اس کا ظالمانہ نظام اسے اسلام کے تقاضوں سے ہماہنگ نہیں ہونے دیگا۔

اس سلسلے میں ایک اہم سوال یہ ہے کہ امانتوں کو صاحبان تک پہونچانے کے تذکرے اور اللہ کے صالح بندوں کی ولایت مطلقہ میں کیا ربط ہے؟

کیا کسی فرد یا گروہ کو مطلق حاکم (ولی امر مسلمین) کے طور پر منسوب کرنا ظلم ہے؟

کیا وہ خلق خدا جو اسی پروردگار کی ملکیت ہے اپنے صدر مملکت کے انتخاب کا حق رکھتی ہے اور ان کا پروردگار ان کے لئے حاکم کے انتخاب کا حق نہیں رکھتا!

انسان اسلام کی تعلیمات ومسلّمات سے کتنا دور ہے جس کی وجہ سے ایسی واضح آیات قرآنی، تحریف معنوی کی شکار ہورہی ہیں اور اس کو اس طرح سمجھے کہ وہ اللہ کہ جس سے انسان کو اپنے جیسا بنانے اور اپنے سے قریب کرنے پر تاکید کی ہے وہ ان ہی جیسے انسانوں کو ان پر کیسے مسلّط کرسکتا ہے اور انہیں اس کی اطاعت کرنے پر مجبور کرسکتا ہے۔

کیا ائمہ معصومینؑ کہ جو اسلامی فقہیات کے سیدو سردار ہیں یا وہ فقہاء کہ جنہوں نے اس سرچشمہ سے فیض حاصل کیا ہے، عوام الناس سے پست ہیں؟

ان تمام تعریفوں اور تذکروں کے پیش نظر جو قرآن اور سنت پیغمبرؐ میں علماء کے لئے موجود ہے، انہیں ان کا نمائندہ اور جانشین ہونے کی حیثیت حاصل ہے۔ علماء چمکتے ہوئے سورج کی طرح ہیں۔ یہ علماء وارث پیغمبرؐ ہیں۔ یقیناً ان حضرات مغرب زدہ کے اعتبار سے فقہاء کی پستی کے دلائل یہی ہیں کہ وہ فقراء کے ہم نشین ہوتے ہیں۔ مستضعفین کی خدمت کو اپنا فریضہ سمجھتے ہیں، جھوپڑی کو محلوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ زاہدانہ زندگی کے ساتھ قرآن وسنت پر عمل کرتے ہیں۔

کیا تقرب خداوندی اور اس کے نمائندوں کی اطاعت میں کوئی ٹکراؤ یا تناقض ہے؟ کیا اطاعت پیغمبرؐ کو اطاعت حکم خداوندی نہیں سمجھا جاتا ؟ ''من یطع الرّسول فقد اطاع اللّٰہ ''ترجمہ: جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی ۔۴۲؎

کیا اطاعت رسول تقرب الہٰ کا باعث نہیں ہے؟ ومن یطع اللّٰہ والرّسول۔ ترجمہ: جس نے اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کی۔ ۴۳؎

بنیادی طور پر فریضہ اور اجبار میں زمین آسمان کا فرق ہے، جیسے اللہ نے نماز اور روزہ کا حکم دیا ہے اسی طرح ولی مسلمین کا حکم دیا ہے۔

اگر پہلا والا حکم اجباری ہے تو دوسرا بھی اجباری ہے ، اگر نماز و روزہ کے احکام سے عذر

پیش کیا جاسکتا ہے تو اس کے لئے بھی پیش کیا جاسکتا ہے۔

اگر فرض کرلیں کہ اطاعت ولی مسلمین اجباری ہے تو کیا اللہ کو یہ حق حاصل نہیں ہے؟

البتہ مشورہ کے سلسلے میں اللہ کا حکم اپنے پیغمبرؐ کو (''امرھم شوریٰ بینھم ''۴۴) کے ذریعے نازل ہوا اس سلسلے میں سب سے پہلے تو سوال ہے کہ پیغمبرؐ واجب الاطاعت ہیں یا نہیں ؟ کیا پیغمبرؐ بغیر کسی کے ساتھ مشورہ کے مبعوث بہ رسالت نہیں ہوئے تھے؟ دوسرے کیا ولایت فقیہ، وجوب مشورت کے منافی ہے؟

ولایت مطلقہ فقیہ کا لازمہ یہ ہے کہ اس کا ہر فیصلہ یا حکم واجب الاطاعت ہونا چاہئے وہ ہمارے پسند خاطر ہو، چاہے پسند خاطر نہ ہو، سیاست سے متعلق ہو یا اقتصادیات سے متعلق ہو، انفرادی مسئلہ ہو یا اجتماعی ،وجوب مشورت کا لازمہ یہ ہے کہ مشورہ سے پہلے کسی بھی فیصلہ یا حکم کو صادر نہیں کیا جاسکتا ۔ اور اگر ولی مسلمین نے مشورہ کیا اور اس کی ذاتی رائے باطل ثابت ہوئی تو اس پر لازم ہوگا کہ وہ خلاف مصلحت عمل نہ کرے۔

کیا مشورہ کا واجب ہونا حقیقت وواقعیت تک پہونچنے کے لئے ہے یا نہیں؟ چنانچہ اگر کوئی خود اس کی نظر میں صحیح ہوتو مشورہ لازم نہیں۔

مثلاً جج کسی ملزم کو حکم دے، کہ گھر سے باہر آئے اور عدالت میں حاضر ہو اور ملزم وقت معینہ پر عدالت میں حاضر پایا جائے تو کیا اس کے لئے لازم ہے کہ وہ پہلے گھر جائے اور وہاں سے عدالت آئے؟

حضرت علیؑ نے طلحہ اور زبیر کے اس اعتراض پر کہ کیوں اس سے مشورہ نہیں کیا جاتا، فرمایا: جب مجھے یہ ذمہ داری سونپ دی گئی ہے اور مجھے ولی قرار دیا جاچکا ہے تو میں کتاب خدا اور احکام الٰہیہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے عمل پیرا ہوں اور اس سلسلے میں سنت پیغمبرؐ پر پابند ہوں لہٰذا مجھے تمہاری اور نہ ان کی اور نہ کسی کی رائے کی ضرورت محسوس ہوئی اور ابھی تک ایسا مسئلہ مجھے درپیش نہیں ہوا ہے کہ جس کے لئے مجھے تم سے یا تمام مسلمان بھائیوں سے مشورہ کی ضرورت محسوس ہو، ہاں ! اگر آئندہ مجھے اس کی ضرورت محسوس ہوئی تو مجھے تم سے یا عامۃ المسلمین سے رائے لینے میں کوئی گریز نہیں ہوگا۔۴۵

اگر یہ کہاجائے کہ وجوب مشورہ، موضوعی ہے چاہے والی امور مسلمین پر حقیقت منکشف ہوچکی ہو چاہے نہ ہوئی ہو، عوام کی رائے کے احترام میں اسے مشورہ کرنا چاہئے تاکہ ملک کے

دوسرے صاحبان منصب اس روش سے دریغ نہ کریں اور اس صورت میں بھی ولایت مطلقہ کوکوئی گزندنہ پہونچے گی ، کیا والی امور مسلمین کا یہ فریضہ ہے کہ کسی بھی فیصلہ سے پہلے عامۃ المسلمین سے مشورہ کرے؟ اگر اس نے حسب اقتضاء حال کوئی حکم جاری کردیا تو اس کی اطاعت واجب ہے کیونکہ عجز وضرورت کی حالت میں مشورہ کا لزوم فسخ ہوجاتا ہے۔

لیکن اگر آیہ ''امرھم شوریٰ بینھم'' سے مرادمسلمانوں کے ذاتی مسائل ہیں تو اس کا ہماری گفتگو سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اس سے مراد امور مسلمین ہیں تو یہ کسی بھی طرح ولایت مطلقہ کے منافی نہیں ہے۔ یعنی اگر کسی کو شرعی قوانین کے مطابق ولایت سونپی گئی ہے اور اسے فقیہ، دین شناس اور مدبّر سمجھا گیا ہے اور زمام ولایت اسکے ہاتھوں میں ہے تو اس کے تمام فیصلہ ، تمام مسائل میں نافذ اورموثر سمجھے جائیں گے۔

جیسا کہ آج کے دور میں جاری ڈیموکریسی کا یہ معمول ہے، اگر پارلیمنٹ کے نمائندہ ولایت کے حامل ہیں ، پارلیمنٹ ولایت مطلقہ کی حامل ہے اور سارے مسائل میں ان کا حکم نافذ ہوگا اورکسی کو اس کی مخالفت کا حق نہیں ہوگا چاہے اس کی رائے کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

اگر حکومت سے مراد، امورسیاسی اجتماعی اقتصادی ہوں پھر بھی ولایت مطلقہ سے بالکل متعارض نہیں ہیں کیونکہ ولی اللہ و رسولؐ کی طرف سے منصوب ہوتاہے خواہ وہ بعض افراد کے نظریات سے میل نہ کھاتا ہو، تاہم مشوروں سے ملّی مسائل کوحل کرنے میں خاص مددملتی ہے۔

فی زمانہ رائج نظام رای گیری آیۂ کریمہ سے صد فیصد ہماہنگ نہیں ہے لہٰذا لوگوں کی رائے گیری کومصداق آیۂ گرامی نہیں قرار دیاجاسکتا ، ہاں یہ ضرور ہے اس سے مراد اس حد تک مشورے یا مذاکرے ہیں جن کے ذریعے کسی مسئلہ کی واقعیت تک پہنچنے میں مدد ملے۔ چنانچہ اگر چند مخصوص ومعتبر افراد کی رائے کسی شی سے متعلق مل جائے تو وہ بھی قابل عمل ہوتی ہے۔

پس، جمہوری اسلامی ایران میں امام خمینیؒ نے مجلس ، شوریٰ عالی قضائی، حکومتی سربراہان یا تین اہم اداروں کے سرپرستوں یا مجمع تشخیص مصلحت نظام یا خبرگان یاشورای عالی پر اگر دستخط کردئے تو اس کا مطلب یہ مفہوم نہیں ہے جو مخالفین نے مختلف آیتوں سے مراد لیا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ امام خمینیؒ جیسے عظیم رہنما نے کبھی کبھی مجلس کے فیصلوں کومضبوط اکثریت کی حمایت کے ساتھ مسترد کردیا ہے، لہٰذا ہرگز ایک طرفہ اکثریت شرعی نقطہ نظر سے معتبر نہیں ہوتی جب تک ولی امر مسلمین اس کی

صحت کو مستند نہ کردے۔

اصولی طور پر دنیا میں رائج ڈیموکریسی جس میں فیصلہ اکثریت کی بنیاد پر ہوتا ہے، اکثر عقلاء کے یہاں درست نہیں ہے۔

جی ہاں! سارے عوام الناس مصلحتوں کی تشخیص اور واقعیتوں کی شناخت سے متعلق یکساں صلاحیتوں کے مالک نہیں ہوتے، ارشاد قرآنی ہے:"ھل یستوی الّذین یعلمون والّذین لایعلمون"۔۱۶ کیا پڑھے لکھے اور جاہل برابر ہیں؟

اگر سارے امور میں معیار اکثریت کو قرار دے دیا جائے تو نت نئے نظریات اور ماہرین کے علمی انکشافات ، باخبر، اعلم ،متقی ، صادق عادل ہونے کے کیا معنیٰ رہ جائیں گے جس کے بغیر اسلامی نظام کا تصور محال ہے۔

حوالہ جات:

۱۔سورۂ اسریٰ،آیت ۳۶۔

۲۔تفصیل وتحلیل ولایت فقہ،ص ۴۲ نہضت آزادی ایران ۱۳۶۷،

۳۔سورۂ سبا،آیت ۳۱و۳۲

۴۔سورۂ اعراف، آیت ۳۸

۵۔رجال کشی،ص ۲۴۹

۶۔سورۂ انفال،آیت ۲۲

۷۔سورۂ توبہ آیت ۳۱

۸۔وسائل الشیعہ، جلد ۱۸،ص ۹۴

۹۔سورۂ احزاب، آیت ۶۷

۱۰۔تحلیل وتفصیل ولایت مطلقہ فقیہ،ص ۴۳ ،نہضت آزادی ایران، ۱۳۶۷ھ

۱۱۔تفسیر المنسوب الی الامام ابی محمد الحسن بن علی عسکریؑ،ص ۳۰۰،مدرسہ امام مہدی ،قم ۱۴۰۹ھ

۱۲۔سورۂ نساء، آیت ۸۰

۱۳۔سورۂ انبیاء ،آیت ۹۸

۱۴۔اصول کافی ، ج ۱،ص ۲۶۷

۱۵۔سورۂ نساء،آیت ۵۹

۱۶۔سورۂ فرقان،آیت ۷
۱۷۔سورۂ انعام،آیت ۵۷
۱۸۔سورۂ مائدہ،آیت ۴۹
۱۹۔سورۂ فاطر،آیت ۴۰
۲۰۔سورۂ فاطر آیت ۴۰
۲۱۔سورۂ بقرہ ،آیت ۲۵۶
۲۲۔تحلیل وتفصیل ولایت مطلقہ فقیہ،نہضت آزادی ،ص ۴۳
۲۳۔سورۂ انسان، آیت ۳
۲۴۔سورۂ کہف،آیت ۲۹
۲۵۔سورۂ مائدہ ،آیت ۳۸
۲۶۔سورۂ نور،آیت ۲
۲۷۔سورۂ نور، آیت ۴
۲۸۔سورۂ مائدہ۔آیت ۹۹
۲۹۔سورۂ انعام ،آیت ۱۰۷
۳۰۔سورۂ غاشیہ،آیت ۲۲
۳۱۔تحلیل وتفصیل ولایت مطلقہ فقیہ،ص، ۴۳،۴۴،
۳۲۔سورۂ یونس ،آیت ۹۹
۳۳۔سورۂ شوریٰ ،آیت ۴۸
۳۴۔سورۂ بقرہ ،آیت ۳۴
۳۵۔سورۂ یوسف،آیت ۱۰۰
۳۶۔ سورۂ مومنون،آیت ۱۴
۳۷۔ سورۂ حج ،آیت ۵۸
۳۸۔سورۂ یٰسین آیت ۱۷
۳۹۔سورۂ نساء، آیت ۵۸
۴۰۔تفسیر نور الثقلین ، جلد ۱۴،ص ۳۸۵
۴۱۔در المنثور ،ج ۲،ص ۱۷۵

۴۲۔سورۂ نساء، آیت ۶۹

۴۳۔سورۂ نساء، آیت ۶۹

۴۴۔سورۂ شوریٰ، آیت ۳۸

۴۵۔نہج البلاغہ صبحی صالح، کلام ۲۰۵

☆☆☆

نظام ولایۃ الامر و نظم امر

مولانا السید تقی رضا برقعی

ایک حدیث جو صدوق نے '' عیون'' اور '' علل'' میں عبد الواحد بن محمد بن عبدوس نیشاپوری سے اور ابوالحسن علی بن محمد بن قتیبہ نیشاپوری اور فضل بن شاذان سے روایت کی ہے اسی حدیث کو انہوں نے ابومحمد جعفر بن نعیم بن شاذان اس کے چچا ابو عبد اللہ محمد بن شاذان اور فضل بن شاذان سے ''علل'' میں ایک طویل حدیث کے ضمن میں روایت کی ہے۔ اگر کوئی کہے کہ خدا نے اولی الامر کیوں قرار دئے ہیں اور ان کی اطاعت کا کیوں حکم دیا ہے تو ایسی صورت میں کہا جائے گا کہ اس کے بہت سے اسباب ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ مخلوق کو ایک محدود حد پر ٹھہرایا گیا ہے اور انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس حد سے تجاوز نہ کریں کیونکہ اس میں ان کے لئے فساد وخرابی ہے تو یہ امر ثابت نہیں رہ سکتا اور نہ ہی قائم رہ سکتا ہے جب تک ان پر اس میں کوئی امین قرار نہ دیا جائے کہ جو انہیں تعدی وتجاوز کرنے اور اس چیز میں داخل ہونے سے روکے جسے ان پر ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اگر یہ اس طرح نہ ہوتو کوئی شخص اپنی لذت اور منفعت دوسرے کو نقصان سے بچانے کے لئے نہیں چھوڑیگا پس ان پر ایک قیّم ونگراں مقرر کیا ہے جو انہیں فساد سے روکے گا اور ان میں حدود اور احکام کو قائم کرے گا۔ ان میں سے ایک سبب یہ ہے کہ ہم کوئی فرقہ اور کوئی ایسا نہیں ہے کہ جو دنیا میں باقی ہو اور اس نے قیّم اور رئیس کے ساتھ زندگی بسر نہ کی ہو کیونکہ ان کے لئے ان کے امر دین ودنیا میں اس کا وجود ضروری تھا پس خدائے حکیم کی حکمت میں جائز نہیں ہے کہ وہ مخلوق کو اس چیز کے بغیر چھوڑ دے کہ جس کے بارے میں اسے علم ہے کہ اس کا ہونا ان کے لئے ضروری ہے ان کا قوام نہیں ہے مگر اسی کے ساتھ کہ جس کی معیت میں وہ دشمن سے جنگ کرسکیں اور اس کے ذریعے مال تقسیم کرسکیں اور وہ وہ ان کے لئے جمعہ قائم کرے اور ظالم کو ان پر ظلم کرنے سے روکے۔ ان میں سے دوسری علت یہ ہے کہ اگر ان کے لئے ایسا امام موجود نہ ہو جو قیّم امین اور محافظ ہو کہ جس کے سپرد یہ امامت ہوتو ملت مٹ جائے دین ختم ہوجائے سنت واحکام متغیر ہوجائیں، بدعت کرنے والے دین میں اضافے کریں، ملحد اس میں نقص وارد کریں اور اسے مسلمانوں پر مشتبہ کردیں کیونکہ ہم نے مخلوق کو

ناقص ومحتاج اور غیر کامل پایا ہے جبکہ ان میں اور ان کی خواہشات میں اختلاف اور ان کے اقسام وحالات مختلف ہیں پس اگر ان کے لئے قیّم اس چیز کا محافظ قرار نہ پائے جسے رسولؐ لے کر آئے ہیں تو وہ فاسد ہوجائے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے اور شرایع وسنن واحکام اور ایمان میں تغیر آجاتا اور اس میں ساری مخلوق کے لئے فساد وخرابی ہوتی۔[۱] امام نے جان اور عزت کی حفاظت اور اجتماع کو ہرج مرج میں محفوظ رکھنے ہی پر ولایت امر کی ضرورت پر زور نہیں دیا کیونکہ یہ تو وہ ضرورت ہے کہ جس کا لادینی سماج یاوحشی صحرائی گٹھ بندھن بھی محسوس کرسکتے ہیں مگر امام کا زور استدلال ،حفاظت دین اور امت کوتحریفات احکام ومعارف سے بچانا ہے۔[۲] اس روایت کو ملا احمد نراقی نے ''عوائد الایام'' باب تحدید ولایۃ الحاکم ولایۃ فقیہ کو ثابت کرنے کے لئے بطور دلیل ،پیش کرتے ہیں۔ظاہر ہے کہ سائل کے سوال کا منشا ائمہ اثنا عشر کی امامت ہے ۔لیکن ان تعلیلات کا عموم جو کلام معصوم میں وارد ہوا ہے وہ تمام حالات میں جاری وساری ہوں گے۔فقہاء کرام کا بیان ہے کہ یہ ضروریات وحاجات ،غیبت کے زمانے میں بھی اسی طرح موجود ہوں گے جس طرح زمانہ حضور میں ''بعین ماھی موجود تھا فی زمن الحضور'' اسی بنیاد پر امام معصوم کو چاہئے کہ نص خاص کے ذریعہ یا نصب عموم کے واسطے سے کچھ افراد امت کومعین کرے جن کے پاس ولایت اورحق حکومت ہو جو لوگوں کے سماجی وسیاسی مسائل کوحل کرسکے۔ یہ عقلی استدلال ہے۔ انسان کچھ اعمال شخصاً اور فرداً انجام دیتا ہے جس طرح کھانا یا پڑھنا ،جس میں کسی قیّم یانگہبان کی ضرورت نہیں ہوتی مگر کچھ کاموں کو اجتماع وجماعت کے ساتھ انجام دیا جاتا ہے جیسے نماز جماعت میں امام کی ضرورت ہوتی ہے اور کاروان حج کے لئے امیر ومدیر کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ سماجی ضرورت کا سلسلہ تاریخ کا اجماعی واتفاقی مسئلہ ہے جس پر تمام عالم کی سیرۃ عقلائیہ ضروری گواہ ہے۔ ایک تعلیمی ادارہ کے لئے ایک پرنسپل کی ضرورت ہے۔ گلوبلائزیشن کے ذریعہ چاہے سارا عالم ایک یا ایک قریہ چھوٹے سے گاؤں کی شکل میں آجائے تب بھی ایک رئیس کی ضرورت پڑے گی یہاں تک کہ صحراؤں اور جنگلوں میں رہنے والے کے امور کی انجام دہی کے لئے سرپرست اور سربراہ کی ضرورت ہوتی ہے چاہے وہ سربراہ انصاف پسند عاقل انسان ہو یا پھر ایک خودسر استبداد پسند حاکم وقت۔

امام کے وجود کی حکمت اور تین فوائد کا ذکر کیا گیا ہے۔ ۱۔ احکام اسلام کا اجراء اور ان کے ذریعہ تعدی تجاوز سے روکنا ۔۲۔دینی ودنیوی زندگی کے ضروری احکام۔۳۔احکام کوتحریف ونیست

ونابود ہونے سے بچانا اور انکا نفاذ کرنا، یہ تینوں علل ومقاصد غیبت کے زمانے میں نہیں ہیں، کیا غیبت میں لوگ ملائکہ ہوجائیں گے یا پھر تعمیم امامت وولایت کے تحت سب امام قیم وولی مانے جاتے ہیں اور نظم امور کی ضرورت نہیں ہے اور ظلم کو عام کرنے میں تعاون کیا جائے۔دین اسلام میں امور مملکت سیرۂ عقلائیہ کی بنیاد پر استوار ہوں گے۔اور فرد اصلح وافقہ کا انتخاب ایک وجدانی امر ہے، نظام ولایۃ الامر کی خصوصیت یہ ہے کہ الأهم فالاهم والاكمل فالاكمل' اور قاعدۃ التدریج کے محاسبات سے رب کائنات کے نظام تکوینی وتشریعی میں عدل الٰہی کارفرما ہے پھر اس کے احکام کی پیغام رسانی میں شرط عصمت، اور اس کے بعد اس پیغام کے اجراء ومحافظت کی شکل امامت میں منصوص ومعصوم ہونے کی شرط، یہاں تک کہ اس امامت کی نیابت جو ولایت اکمل فرد فقیہ کی صورت میں ہوگی اس میں بھی علم فقاہت کے ساتھ ساتھ عدالت فرد کی شرط ہوگی۔اسی قاعدہ عقلی وعقلائی تدریج کے تحت افقہ جامع الشرائط، فقیہ غیر اعلم کی نوبت آئے گی اور اس کے بھی نہ ہونے کی صورت عدول المومنین کی باری ہوگی اور ان کے معدوم ہونے کی صورت عامّۃ المومنین اور بالتدریج فسّاق المومنین تک نوبت پہونچ جائے گی۔

''نہج البلاغہ'' کے چالیسویں خطبہ میں نقل ہوا کہ لما سمع قولهم، لا حكم الاّ للّٰه جس وقت امیر المومنین نے خوارج کے نعرہ ''لاحكم الاّ للّٰه'' کو سنا تو آپ نے فرمایا ''كلمة حقّ يراد بها الباطل، نعم انّه لاحكم الاّ للّٰه ولكن هو لا يقولون الاّ امرة الاّ للّٰه وانّه لا بدّ للنّاس من اميرٍ برٍّ أوفاجر....'' کلمہ حق ہے کہ جس سے مراد باطل ہے، جی ہاں ! حکم کا حق خدا کے سوا کسی دوسرے کو نہیں، لیکن جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ امارت وحکومت کا حق خدا کے علاوہ کسی کو نہیں ہے مگر امت کے لئے امیر کا ہونا ضروری ہے وہ چاہے نیک ہو یا برا ....'' ایک اور روایت میں ہے کہ جب آپ نے تحکیم کے سلسلے ان کا قول سنا تو فرمایا ''حكم الله انتظر فيكم..... میں تمہارے بارے میں حکم خدا کا منتظر ہوں، پھر آپ نے فرمایا کہ اگر حکومت نیک ہوتو اس میں متقی وپرہیزگار اچھے عمل کرتے ہیں اور بری حکومت ہوتو اس میں بدبخت جی بھر کے جو چاہے کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کا زمانہ ختم ہوجائے اور موت انہیں پالے'' اور مبرد نے ''الکامل'' میں روایت کی ہے کہ ان کے جواب میں آپ نے فرمایا ''کلمہ تو عدل کا ہے مگر ظلم وجور کے معنی میں ہے' یہ کہتے ہیں کہ حکومت وامارۃ صرف اللہ کے لئے ہے مگر حکومت چاہے بری ہو یا اچھی اس سے دوری وعلیحدگی کے لئے کوئی چارۂ کا

رنہیں ہے" ابن ابی الحدید المعتزلی نے "شرح نہج البلاغہ" میں، اسی قول امیر کے تحت کہ "لابدّ للنّاس من امیر برٍّاو فاجر " کہا" اس قول امیر پر بہترین شاہد وہ فرمان پیغمبرؐ اسلام جس میں آپ نے فرمایا انّ اللّٰہ لیؤیّد ھذا الدّین بالرّجل الفاجر" یعنی یہ دین قدر محکم واستوار ہے کہ شخص فاجر بھی اگر حکومت کو ہتھیالے تو اس دین کی اصالت واصولیت میں کوئی کمی نہ آئے گی۔ اس کے بعد معتزلی کہتاہے "معتزلہ اس بات کے قائل ہیں کہ شرعاً امامت کا انعقاد مکلّفین پرواجب ہے۔ قدماء معتزلہ میں سے ابوبکر اصم معتزلی سے منقول ہے کہ حکومت وریاست کی ضرورت اس وقت نہیں رہتی جب امت ایک دوسرے سے انصاف کرے اور ایک دوسرے پرظلم نہ کرے" جب کہ امامیہ کا قول نقل کرتے ہوئے کہتاہے" امامیہ کہتے ہیں کہ من باب وجوب اللطف امامت وریاست کا التزام انعقاد ہے عدل الٰہی کا تقاضہ ہے اور اس کا وجوب عقلی ہے جبکہ معتزلہ کے کچھ مشائخ جیسے جاحظ بصری اور شیخ ابوالحسین کہتے ہیں کہ عقل ریاست وحکومت کے وجوب پردلالت کرتی ہے" مگر معتزلی اپنی بات بڑھاتے ہوئے کہتا ہے۔ ظاہر کلام حضرت امیر "لابدّللنّاس من امیر..." قول معتزلہ کی تائید کرتا ہے نہ کہ عقیدۂ امامیہ کی" مگر معتزلی کے بیان پر چند ملاحظات وارد ہوتے ہیں! ابوبکر اصم کا یہ قول کہ عدم ظلم اور وجود انصاف کی صورت میں امامت وریاست کی ضرورت نہیں ہے، اسی بات کو آگے چل کر اشتراکیت کے بانی مارکس نے اپنایا اور کہا "جب نوع بشر کے لئے ترقی یافتہ قانون محقق ہوجائے اور ان کے درمیان سے طبقاتی اختلافات ختم ہوجائیں تو بھی حکومت کی ضرورت نہیں ہے، مگر اس نظریہ کا فساد اورخرابی زمینی تجربہ سے واضح ہے۔

جب کہ" کنز العمّال" میں بیہقی کے واسطے سے اور ابن ابی شیبہ کی کتاب "المصنف" میں ابوالبختری سے روایت ہے، لوگوں نے امیر المومنین سے سوال کیا! کہ یہ نیک تو ٹھیک ہے لیکن برے حاکم سے اصلاح کیسے ہوسکتی ہے، تو آپ نے فرمایا مومن عمل کرسکتا ہے اور فاجر دیرتک فائدہ اٹھاتا رہتا ہے اوراللہ ہر چیز کو اس کی آخری حدوں تک پہنچادے گا۔ تمہارے راستے مامون رہیں گے، تمہارے بازار برقرار رہیں گے، تمہارا مال تقسیم ہوتارہے گا۔ وہ تمہارے دشمن سے جنگ کرے گا اور قوی سے ضعیف کا حق لیاجائے گا" امیر المومنینؑ کے فرمان میں کہ" اس کی حکومت میں مؤمن عمل کرتاہے اور کافر لذت حاصل کرتاہے" یہ احتمال بھی ہے کہ مؤمن حکومت فاجر کی طرف عامل ہوکر رعیت میں عدل وانصاف کرے جیسا کہ ہارون رشید کی حکومت میں علی بن یقطین کے لئے ایسا اتفاق

ہوا۔

دوسرا نظریہ ہے کہ یہ انشاء حکم نہیں بلکہ اخبار عن الواقع کی ایک صورت ہے حتیٰ یستریح برّویستراح من فاجر یعنی لادینی حکومت کو وقتاً اور ایک مدّت تک برداشت کیا جاسکتا ہے۔ جبکہ اس میں عمل مومن کے لئے آزادی اور اقامہ تائید دین کی گنجائش موجود ہو۔

خوارج کا یہ نعرہ ''لاحکم الاّ للّٰہ'' جسے انہوں نے صفین میں اپنایا تھا اور یہ ان کے حوالے سے باقی رہا، اس کلمہ کا حق ہونا اس جہت سے ہے کہ جب پروردگار کسی چیز کا ارادہ کرے تو وہ قہراً واقع ہوگی، اس کو قضا وقدر کا حکم سمجھ کر رد نہیں کیا جاسکتا، چونکہ یہ قول خوارج قرآنی آیت سے مأخوذ ہے اسی لئے اس حکم قرآن سے مراد ''حکم تکوینی'' اور حکم تشریعی کی نظر سے اس کی تحلیل کریں تو کہنا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تمام احکام کا شارع ہے اور برحق امیر کا حکم اور اس کی اطاعت اور فرمانبرداری پروردگار کے حکم کی طرف پلٹتی ہے کیونکہ وہ امیر احکام الٰہیہ کو جزئی موارد پر عملاً منطبق کرتا ہے۔ اور یہ بات کہ انکی مراد کلمہ حق سے باطل تھی تو چونکہ ان کا مقصد حکمین کی وکالت تفویضی اور ان کا تقرر اور امیر المومنینؑ کی امارت وحکومت کا انکار تھا، جبکہ لاحکم الاّ للّٰہ' کے تحت یہ دونوں موارد نہیں آتے ہیں۔

ابن ابی الحدید نے معتزلہ کے حوالے سے اس بات کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت امیرؑ کا کلام اس بات پر دلالت کررہا ہے کہ انسان اپنی مرضی سے حاکم نیک یا پھر چاہے تو فاجر حاکم کو اختیار کرسکتا ہے، اگر یہ بات صحیح ہے تو کیوں امیر المومنینؑ نے ایک حاکم فاجر کو ہٹانے کے لئے اٹھارہ مہینے تک جنگ لڑی تھی، اسی لئے تو حضرت امیر المومنینؑ کا ارشاد ''برّ او فاجر...سے مراد برے اور فاجر کی حکومت کا جواز نہیں ہے بلکہ حکم ارشادی وعقلی کی بنیاد پر اس کا سماجی ہرج مرج سے مقدم کرنا ہے، ابن میثم بحرانی کی '' شرح نہج البلاغہ'' میں حضور اکرم سے حدیث نقل ہوئی ہے کہ ''امام جائر فتنہ وفساد سے بہتر ہے''

اور امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے'' ظالم وغاصب والی اور حاکم ہمیشہ رہنے والے فتنہ سے بہتر ہے'' اور ''بحار الانوار'' میں کنز کراجکی کے واسطے سے امیر المومنینؑ سے مروی ہے درندہ شیر ظالم بادشاہ سے بہتر ہے جبکہ ظالم حاکم ہمیشہ کے فتنے سے بہتر ہے'' انہی بنیادوں پر ابن ابی الحدید کے کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ گویا حضرت امیرؑ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ انسان کھانا ضرور کھائے، چاہے حلال غذا

کھائے۔ یا مردار کھائے، کیا حقیقتاً ہم کلام امیرؑ سے یہ استنباط کریں گے کہ مردار کھانا ہمیشہ حلال ہوگا، بعض فقہاء کرام نے اس معضلہ کو حل کرنے کے لئے دو تجویزیں سامنے رکھی ہیں۔ پہلی تجویز یہ ہے کہ امارہ حاکم فاجر کو احکام ثانویہ میں سے قرار دیا جائے اور صورت کے لئے مخصوص قرار دیا جائے کہ جب حاکم عادل موجود نہ ہو تو امام جائر کی حکومت کو قبول کرلیا جائے، اس نظریہ کے طرفدار حضرت آیت اللہ محمد حسین طہرانی ہیں جس کا ذکر انہوں نے ولایت فقیہ، ج ۲،ص ۲۵۸ میں کیا ہے۔ کلمۂ حق اس معنی میں ہے کہ حکم ذاتی مطلق صرف خداوند عالم سے مخصوص ہے جبکہ مراد باطل اس لئے ہے کہ اگر افراد کی ظاہری حکومت ہی سے انکار کردیا جائے تو اس کے نتیجہ میں معاشرہ میں ہرج ومرج لازم آئے گا اور پھر انتظام میں فساد اور گڑبڑی پیش آئے گی۔

کلام امیر علیہ السلام سے تینوں نظریات کی رد ہوتی ہے (۱) خوارج جو اصل حکمرانی اشخاص کے قائل نہیں ہیں جس سے لازم آتا ہے کہ سماج میں کوئی انتظامی طاقت ہی نہ رہے (۲) مارکس ازم کا رد جو آئیڈیل کمیونسٹ سماج سے حکومت کا خاتمہ چاہتے ہیں کیونکہ وہ حکومت کو طبقات کی کشمکش کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ اور اساس حکومت کو حاکم طبقہ کے منافع کا محافظ سمجھتے ہیں۔ اور جب طبقات کا خاتمہ ہوجائے گا تو حکومت کی ضرورت بھی نہ رہے گی، جب کہ یہ سنگین غلط فہمی ہے کیونکہ کمیونسٹوں کی نظر میں یہ کشمکش صرف اقتصاد تک محدود ہے، جبکہ لوگوں کی زندگی کی بنیاد صرف اقتصاد ہی نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد ایک مخصوص عقیدہ وآئیڈیا لوجی پر قائم ہے جو انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر محیط ہو اور انسان کو مقصد حیات کی طرف گامزن رہنے میں مدومعاون ہو اور اسلام کی نظر میں اقتصاد کو مقصد حیات کا درجہ نہیں دیا جاسکتا ہے کہ بلکہ یہ زندگی بسر کرنے کا وسیلہ ضرور ہے۔

☆

حوالے:

۱۔علل الشرائع الاحکام للشیع الصدوق

۲۔ ولایت فقیہ،ص ۴۸

اسلامی انقلاب؛ عصری تناظر

پروفیسر سید جعفر رضا

عظیم اسلامی انقلاب کے عصری تناظر کو جاننے کے لیے اس کے منظر اور پس منظر کا ادراک ناگزیر ہے۔ مناسب ہوگا کہ اس ضمن میں آیۃ اللہ العظمیٰ امام خمینیؒ کے ان مدبرانہ ارشادات کو ذہن نشین کرلیا جائے، جن سے اس کا دائرۂ عمل متعین ہوتا ہے۔

"تحریک ایران فقط ایران کے لیے ہی مخصوص نہیں، بلکہ یہ مستکبرین کے خلاف مستضعفین کی تحریک ہے ،جس کا مقصد ان لوگوں کی حمایت کرنا ہے، جو انسانیت اور حقوق بشر کے کے لیے احترام کے قائل ہیں۔پس ،یہ تحریک اسی طرح جاری رہے گی۔"[۱]

"ہمیں امید ہے کہ یہ انقلاب ، ایک عالمی انقلاب ہو جائے گا اور ظہور بقیّت اللہ کا مقدمہ بن جائے گا۔"

"یہ ایک بہترین انقلاب ہے اور دنیا کے انقلابوں میں اسے عظیم الشان اہمیت حاصل ہے۔ جہاں تک انحصار و وابستگی کا سوال ہے، یہ انقلاب اسلام اور اسلامی اقدار پر منحصر ہے۔ انسانی اصولوں کی بنیاد پر انسانوں کی تربیت اور انسانی اخلاق کی تبلیغ و اشاعت ہی اس کا بنیادی مقصد ہے۔"

امام خمینیؒ کی عملی جد و جہد کا مرکز بیشک ایران تھا،لیکن ان کا مقصود و منہاج فقط ایران نہیں بلکہ تمام عالمِ انسانیت بالخصوص امت اسلامی تھا۔ ان کے عملی جد و جہد میں ایران کا مرکزی کردار ہے لیکن یہ ایران کے جغرافیائی حدود تک نہیں ہے۔ اس کی نوعیت بین الاقوامی ہے۔ جب کبھی کسی انقلابی کارنامہ کی ابتدا ہوتی ہے تو قائد کے وطن سے شروعات ہوتی ہے، اسی کی زبان وسیلۂ اظہار بنتی ہے اور وہیں کے لوگ اس کے مخاطب ہوتے ہیں۔ حالانکہ عظیم انقلاب کا قائد کسی خاص ملک و ملت اور رنگ و نسل کا نہیں ہوتا،لیکن بہر حال اس ملک وقوم کے باشندوں کے لیے باعثِ افتخار ہوتا ہے کہ وہ ان میں سے ہے۔ اس کو اسلام اور عرب کی مثال سے اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے۔ پیغمبرؐ اسلام

کی ولادت با سعادت خطۂ عرب میں ہوئی، ان کے ابتدائی مخاطب بھی اہل عرب تھے لیکن اسلام اہل عرب کی ملکیت نہیں ہے !

عظیم اسلامی انقلاب کے اولین مرحلے میں ہی امام خمینیؒ نے ایرانی قومی تشخص کے معیاروں کا تعین، گم شدہ اقدار کی بازیافت اور عصری زندگی کو اسلامی شناخت کے معیاروں پر دوبارہ قائم کیا کیونکہ ایران گذشتہ دوسو برسوں سے نہایت سنگین نوعیت کے سیاسی، معاشی، تہذیبی اور ثقافتی بحران میں مبتلا تھا۔ مغربی استعماریت نے غلبہ حاصل کر لیا تھا جس کا 'اِمپیریل ایجنڈا' شاہی فرامین کی صورت میں بہت پہلے سے مسلط ہوچکا تھا۔ اس نے ایران کے اعمال و کردار، انداز فکر اور وسائل اظہار کو مسخ کر دیا تھا ۔ وہ ایسی نیم خود فریبی کے شکار ہو گئے تھے کہ انھیں مغربی استعماریت کے پُرفریب استحصالی منصوبوں میں ہی اپنی فلاح و بہبود کی راہیں نظر آنے لگیں :

مجلسِ آئین و اصلاح و رعایات و حقوق طب مغرب میں ، اثر خواب آوری مغربی استعماری نظام کے لیے مذہبی ہم آہنگی سب سے بڑا خطرہ تھی۔ اس کو ختم کرنے کے لیے اسلامی مسالک کے فروعی اختلافات کو سنگین اساسی اختلاف بنا کر پیش کیا گیا۔ عیسائی مبلغ علی الاعلان بازاروں میں شفاخانوں میں اور درس گاہوں میں جہاں بھی موقع ملتا، اسلام کی خامیوں اور عیسائیت کی برتری کی تبلیغ کرتے تھے اور تبدیلیٔ مذہب پر آمادہ کرتے ۔ اس کے ساتھ ہی یوروپ میں مستشرقین کی ایک ایسی جماعت وجود میں آئی جو بظاہر علمی مسائل و مباحث کا مطالعہ کرکے نتائج کا استنباط کرتی تھی لیکن بباطن اس کا مقصد اسلام کے خلاف زہر آلود فضا تیار کرنا تھا۔ اس سلسلے میں خاص طور پر سویس مورخ جیکب برک ہارٹ کا ذکر کیا جا سکتا ہے جس نے ۹۹۔۷ ۱۸۹ ء میں اپنی شدید نفرت وملامت کے ساتھ الزامات عائد کیے تھے کہ اسلام میں کوئی اصلاحی تحریک پیدا ہی نہیں ہو سکتی اور اس کا روشن خیالی (Enlightenment) سے دور کا رشتہ نہیں ہے بلکہ پوپ کلیمنٹ پنجم کی جسارت اتنی بڑھی کہ اس نے اعلان کیا۔ صفحہ ہستی پر اسلام کا وجود د خداوند یسوع مسیح کی توہین ہے۔[۲] لیکن ان مخالفتوں کی کثرت میں حق پسندوں کی جماعت تھی،جس کے نمائندہ سویڈن کے لوتھرن بشب، نار آندرے تھے۔ عصری ماہر اسلامیات این میری شمل بھی یوروپی مستشرقین کے اسلام دشمن اقدامات کو 'مذہبی نو آبادیاتی استعمار' قرار دیتی ہیں۔[۳]

مغربی استعماری نظام اور نو آبادیاتی اقتدار روبہ زوال ہے لیکن اس نے ہماری معنویت ،

شناخت اور حقیقت کو اپنے مخصوص زاویۂ نظر سے دیکھنے کا ایسا مضبوط انتظام کرلیا ہے کہ ہم ہنوز اس کے شکنجوں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد امریکہ نئی سامراجی طاقت بن کر ابھرا ہے۔لیکن سوویت روس اور مشرقی ایشیا کی اشتراکی حکومتیں امریکہ کی ساری دنیا کو اپنے حیطہ ٔ اختیار میں لانے اور تجارتی منڈی بنانے کے عزائم کے لیے سدِ راہ ثابت ہوئیں۔عصر حاضر میں سوویت روس کے زوال کے بعد امریکی سامراج کو کھلی چھوٹ مل گئی ہے۔ دہشت گردی کے نام پر اس نے خاص طور سے مسلمانوں کو نشانہ بنایاہے۔اسلام کو دہشت گرد مذہب قرار دے کر' اسلامی دہشت گردی' (Islamic Terrorism) کی اصطلاح وضع کی گئی۔ امریکی ویوروپی ذرایع ابلاغ نے یہ مذموم اصطلاح عام کر دی ہے۔ یہ اسلام پر سب وشتم کے علاوہ کیا ہے؟

'اسلام' لفظ ہی 'سلم' سے مشتق ہے، جس کے معنی صلح وسلامتی کے ہیں۔خود صلح وسلامتی سے رہو اور دوسروں کو صلح و سلامتی سے جینے کا حق دو۔ اسلام کا معیار ہے : واللّٰہ یدعوا اِلی دارالسّلام اور اللہ ہر ایک کو سلامتی کے گھر کی طرف دعوت دیتا ہے۔[۴] ''وعبادالرّحمن الّذین یمشون علی الارض ھوناً واذاخاطبھم الجھلون قا لوا سلاماً'' اور اللہ تعالیٰ کے بندوں میں وہی ہیں، جو زمین پر آہستہ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو سلامتی کا پیغام دیتے ہیں۔[۵]

کیا ستم ہے کہ اسلام ،جو تاریخ بنی نوع انسان میں اپنے عالمی پیغامِ مساوات ،صلح وسلامتی، امن وآشتی اور خود جیو دوسروں کو جینے کا حق عطا کرنے میں ممتاز رہاہو، اس پر بربریت و دہشت گردی کے مجرم یوروپی و امریکی سامراجی دہشت گردی کا الزام لگائیں۔ دہشت گردی کا بے بنیادمقدمہ بنا کر مسلمانوں کو تباہ و برباد کریں لیکن مسلم ممالک کی اکثریت کو اپنے ہدف ملامت بنائے جانے کا احساس نہ ہو سکے! امریکہ دنیا کے تمام ممالک پر سیاسی دباؤ کا شکنجہ کستا جا رہا ہے۔عصر حاضر کا سب سے بڑا دہشت گرد خود امریکہ ہے جو اپنی دولت، طاقت اور نئی تکنولوجی کی مہارت کی بنا پر عالمی اذہان پر قبضہ کرنے میں سرگرم ہے۔تمام دنیا کو ایک تجارتی منڈی میں تبدیل کر دینا چاہتا ہے۔ عالم کاری (Globalisation) فقط عالمی معیشت اور سیاست تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کی زد میں تاریخ، تہذیب اور مذہب بھی ہیں۔ طاقتور اطلاعاتی تکنولوجی Information Technology کے ذریعہ ایسی صورت حال مسلسل پیدا کی جا رہی ہے کہ بظاہر اس سے مفر کی راہیں مسدود ہو گئی ہیں۔ عام

ذرایع ابلاغ، اطلاعاتی تکنولوجی اور صارفی سماج (Consumer Society) کی انقلابی تبدیلیاں اپنی جگہ درست ہوسکتی ہیں لیکن ہمیں عصری حسیت کو انسانی اقدار کی معنویت، نئی تاریخیت اور اپنے قدیم تہذیبی ورثہ سے واقف رکھنا بھی ناگزیر ہے۔

ہمارا یہ دعویٰ قطعاً نہیں ہے کہ مسلمان دہشت گرد نہیں ہوسکتا۔ کوئی گمراہ مسلمان بھی اسی طرح دہشت گرد ہوسکتا ہے اور ہوتا ہے، جس طرح دیگر مذاہب کے پیرو۔ بلکہ مسلمان حکمرانوں کی تاریخ میں امیر معاویہ کے دور (۶۶۱ء تا ۶۸۰ء) سے منظّم طور پر دہشت گردی جہاں بانی کا جزو لاینفک رہی ہے۔ امیر معاویہ اور ان کے گورنروں زیاد بن ابیہ اور سمرا بن جندب کی دہشت گردی سے تاریخیں بھری ہیں[۶]۔ ان میں سے چند واقعات کا یہاں ذکر کرنا طول بیان کا مرتکب بنادیگا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ زیادہ تر دہشت گردی اسلامی جہاد اور تبلیغِ دین کے نام پر ہوتی رہی ہے۔ امیر شام کے ہم مسلک امیر ابن سعود اور شیخ ابن عبدالوہاب نجدی نے مشترکہ دہشت گردی اور قتل و غارت گری کے نتیجہ میں (۱۷۴۷ء میں) مملکت سعودی عرب وجود میں آئی تھی۔ اس وقت معاہدہ کے مطابق آل سعود اور آل شیخ مشترکہ طور پر امور مملکت انجام دیتے ہیں۔ انھوں نے گزشتہ صدی کے دوران کروڑوں کروڑ پٹرول ڈالر صرف کرکے بڑے ہی شاطرانہ انداز میں منظّم طور پر پوری دنیا اور خاص کر یوروپ اور امریکہ میں تبلیغِ دین کے نام مسجدوں، مدرسوں اور فلاحی اداروں کا لامتناہی نٹ ورک تیار کیا ہے۔ جو علمی دہشت گردی کی آماجگاہ رہا ہے۔ لیکن قدرت ظلم و استبداد کو بے نقاب کرنے میں کون سی حکمت عملی روبکار لائے گی، کون جانتا ہے۔ ۹/۱۱ کا سانحہ تحریکِ صہیونیت کے ہوا خواہوں نے انجام دیا جس میں ہزاروں مقتولین میں ایک بھی یہودی نہیں تھا۔ یہی ایک ایسا نکتہ ہے کہ اگر معروضی نگاہ سے دیکھا جائے تو کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ یہ نفرت انگیز کرتوت تنہا یہودیوں کی تھی۔ مگر اغوا کاروں کے سعودی عرب کا باشندہ ہونے کی بنا پر دہشت گردی کا سارا ٹھیکرا مسلمانوں کے سر ڈال دیا گیا۔ اس کے بعد کے واقعات تاریخ کا حصہ ہیں، جن کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

امریکہ کے حلیف مسلم ممالک بالواسطہ اور بلا واسطہ دونوں طرح سے امریکی دہشت گردی میں ملوث ہیں اور اس کی اسلام دشمن سرگرمیوں میں معاون و مددگار ہیں۔ انھیں امریکی دہشت گردی

کا پیکر اسرائیل نظر نہیں آتا بلکہ اسرائیل کی بقا و حفاظت کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ اسرائیل کی نیوکلیائی دہشت گردی امن عالم کے لیے سنگین خطرہ ہے۔ اس کے مہلک جوہری اسلحوں کا ذخیرہ ان کے لیے باعث تشویش نہیں ہے، لیکن امریکہ کے ساتھ خفیہ سازش کر کے زور دیتے ہیں کہ وہ ایران کے پر امن منصوبوں کو تباہ کر دے۔ امریکہ نے اپنے منفی عزائم کے آلۂ کار کے طور پر خود ہی دہشت گردی کی سر پرستی کی تھی اور سرمایہ و اسلحہ جات سے عملی معاونت کی تھی۔ اب ان کو تباہ کرنے کے لیے ڈرون حملے کر رہا ہے۔ لاکھوں افراد عورتوں، بچے سمیت قتل ہو چکے ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ امریکہ کے حلیف مسلم ممالک عجب منافقت کر رہے ہیں۔ایک طرف امریکہ کے وفادار ہیں، دوسری طرف امریکہ سے بنامِ 'نام نہاد جہادٗ میں ہر طرح سے دہشت گردوں کی دامے درمے سخنے امداد بھی کر رہے ہیں۔ان مسائل ومباحث پر تفصیلی گفتگو کا محل نہیں ہے۔لیکن بعض اہم مسائل و مباحث کو اگر ہم بیسویں صدی کے عہد آفریں قائدآیۃ اللہ العظمیٰ امام خمینیؒ کے افکار ونظریات اور عملی جد وجہد کی روشنی میں دیکھیں تو روشنی کی ایک لکیر نظر آتی ہے :

"میرے عزیز بھائیو اور بہنو ! آپ جس ملک میں بھی ہوں، اپنی قومی اوراسلامی حیثیت کی حفاظت کریں۔ ہمارے تمام مادی اور معنوی مفادات تو سپر طاقتیں لے جاتی ہیں اور ہمیں غربت اور سیاسی، اقتصادی، ثقافتی اور دفاعی وابستگی اور غلامی میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ہوش میں آیئے اور اپنے اسلامی تشخص کا ادراک کیجیے۔ظلم کے آگے سرِ تسلیم خم نہ کیجیے اور پورے اعتماد کے ساتھ عالمی لٹیروں، جن میں امریکہ سرِ فہرست ہے، اس کی سازشوں کا پردہ چاک کر دیں۔" ۷

" ظالم کی حمایت ، مظلوموں پر ظلم کی طرح ہے۔ سپر طاقتوں کی حمایت انسانیت پر ظلم ہے۔ جو ہم سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ہم ان کی حمایت کریں ۔ وہ یا تو جاہل ہیں یا پھر ایجنٹ ! ظالم کی حمایت یعنی اس کا مزید ظلم و ستم کے لیے ہاتھ بٹانا۔ تمام انبیاء کی تعلیمات کے خلاف ہے۔" ۸ "میرا مقصود ظلم کے خلاف جہاد ہے ۔ یہ جہاد جہاں پر بہتر طور پر ہو سکے ،وہاں

ہوگا۔''۹

''میں نے اپنی ناچیز جان اور خون اسی حکم کے نفاذ کے لیے اور مسلمانوں کی حفاظت جیسے مقدس فرض کی خاطر تیار کر لی ہے اور میں شہادت جیسے عظیم مرتبہ پر فائز ہونے کے انتظار میں ہوں۔ طاقتیں، سُپر طاقتیں اور ان کے ایجنٹ اطمینان رکھیں کہ اگر خمینیؒ اکیلا بھی رہ جائے، تب بھی اپنے مشن کو جو کہ کفر، شرک اور بت پرستی کے خلاف جہاد ہے، جاری رہیگا۔''۱۰

امام خمینیؒ کے مذکورہ بالا ارشادات چند اساسی مسائل و مباحث کے لیے نہ صرف یہ کہ واضح راہ ہدایت فراہم کرتے ہیں، بلکہ ان مسائل و مباحث کے عملی اور دیر پا حل بھی پیش کر دئے گئے ہیں۔ خاص طور پر تمام عالم اسلام میں باہمی اتحاد و یکجہتی اور خلوص و معاونت کی پکار، جو سنی نہیں جاتی۔مملکتِ اسلامی کی سربراہی کے مدعی سعودی حکمرانوں کی حالت و کیفیت بھی وہی ہے'' جو جزیرہ ہائے عرب کے دیگر حکمرانوں کی ہے۔ انھیں نہ اللہ کا خوف ہے، نہ رسولؐ کا۔ رہے عوام تو جبر واستبداد کے قہر میں گرفتار ہیں۔ ان کی اپنی ذات میں بھی جبر واستبداد کا غلبہ ہے۔قرآن حکیم نے مردوں اورعورتوں کے حقوق و اختیارات مقرر کر دئے ہیں، جن کا پابند ہونا ہر مسلمان کے لیے لازمی ہے۔لیکن انھوں نے عوام کی زندگی ظلم و استحصال سے اجیرن کر رکھی ہے۔ خاص طور پر خواتین کی حالت انتہائی دگر گوں ہے۔ انھیں عام انسانی حقوق بھی حاصل نہیں ہے۔ ان حالات و کوائف پر غور کریں تو قرآن کی آیات یاد آتی ہیں:او لٰئک الّذین طبع اللّٰہ علیٰ قلوبھم (یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں پر اللہ نے مُہر لگادی ہے۔۱۱

ستم بالائے ستم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے صدقے میں وسائل کی بے پناہ دولت عطا کی ہے،اس کا استعمال حکمِ خدا و رسولؐ کی صریحی نا فرمانی کرتے ہوئے،اس کو پٹرول ڈالر کی صورت میں اپنی،اہل خانہ اور حواریوں کی عیاشیوں پر ہی بے دریغ خرچ نہیں کرتے بلکہ ننگ اسلام اور دشمن انسانیت دہشت گرد تنظیموں اور افراد کی ہر طرح سے مالی امداد میں بے انتہا پٹرول ڈالر خرچ کرتے ہیں۔ان ننگ اسلام دہشت گردوں کا نٹ ورک تمام دنیا میں پھیل گیا ہے۔ایشیا، یوروپ، افریقہ کوئی خطہ ایسا نہیں بچا ہے، جو ان کی تخریبی کارروائیوں سے محفوظ و مامون ہو۔قرآن کا

حکم ہے : لاَ اکراہ فی الدّین (دین میں کوئی جبر نہیں ہے ۔۱۲؎ یہ دین اسلام کے نام پر ہر طرح کی زور و زبردستی کرنے کو عین ایمان مانتے ہیں ۔ اسلام کہتا ہے : لکم دینکم ولی دین (تم اپنے دین پر خوش رہو، ہم اپنے دین پر خوش ہیں(سورہٗ الکافرون،آیت ٦) یہ غیر مسلموں سے ہی تعرض نہیں کرتے بلکہ اپنے نام نہاد مسلک کے علاوہ دیگر اسلامی مسالک کو دین سے خارج مانتے ہیں۔ ان کا قتل عام روا جانتے ہیں۔ بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو ہلاک کرتے ہیں۔ نمازیوں کو مسجدوں میں عین حالت نماز میں قتل کرتے ہیں۔ جلوسوں پر بم برساتے ہیں جن میں بے جرم و خطا زائرین جاں بحق ہوتے ہیں۔ تعلیم گاہوں، شفا خانوں اور بازاروں میں خون کی ندیاں بہاتے رہتے ہیں۔ اصلاً ان کو اسلام سے کوئی علاقہ ودلچسپی نہیں کیونکہ اسلام کا واضح حکم ہے ؛ من قتل نفساً بغیر نفس او فساد فی الارض فکا نّمآ احیا النّاس جمیعاَ یعنی جو شخص کسی نفس کو کسی نفس کے بدلے یا روئے زمین میں فساد کی سزا کے علاوہ قتل کر ڈالے گا، اس نے گویا سارے انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے ایک نفس کو زندگی دے دی ، اس نے گو یا سارے انسانوں کو زندگی دے دی ۔۱۳؎

یہ حقیقت عیاں را چہ بیاں ہے کہ ان تمام تخریب کاریوں اور قتل و غارت گری کی بنیاد میں فرقہ بندی کے مہلک تصورات ہیں۔ اسلامی فرقوں کی اہمیت و انفرادیت اور تشخص کے مطالعہ میں مدنظر رکھنا چاہئے کہ اسلام فرقہ بندی کے سخت خلاف ہے۔فرقہ بندی نے اسلام کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا ہے لیکن مسلمانوں میں فرقہ بندی کا بڑا زور رہاہے۔فرقہ عربی زبان میں جمع فرق ہے۔ قرآن الحکیم نے تفرقہ و اختلاف سے منع کیا ہے اور بار بار وحدت و اتفاق کی تاکید کی ہے۔ یہ وحدت و اتفاق محض مسلمانوں تک محدود نہیں ہے۔اس کی پہلی منزل اہل کتاب کے مابین وحدت و اتفاق ہے:قل یا اهل الکتٰب تعالوا اِلیٰ کلمة سواءٍ یعنی اے پیغمبرؐ آپ کہہ دیں کہ اہل کتاب آ ؤ ایک منصفانہ کلمہ پر اتفاق کرلیں۔ ۱۴؎ اس کی دوسری منزل تمام بنی نوع انسان کے درمیان وحدت و اتفاق ہے،جس کی دلیل قرآنی ہے: خلقکم من نفس واحدہ یعنی سب کو ایک نفس سے پیدا کیا:۱۵؎ انبیائے کرام کی تعلیم کا اساس بھی بنی نوع انسان کے درمیان وحدت قائم کرنا اور تفرقہ سے اجتناب کرنا ہے: شرع لکم من الدّین ماوصیّٰ به نوحاًوالّذی اَوحینا الیک وما وصّینابه ابراهیم و موسیٰ، عیسیٰ ان اقیموا الدّین ولا تتفرّقوافیه یعنی اس نے تمہارے لیے دین میں وہ راستہ مقرر کیا ہے، جس کی نوح کو نصیحت کی ہے اور جس کی وحی پیغمبر تمہاری طرف بھی کی ہے

اور جس کی نصیحت حضرت ابراہیمؑ ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو بھی کی ہے کہ دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ نہ پیدا ہونے پائے۔۱۶؎ بلکہ قرآن نے فیصلہ صادر کردیا ہے کہ تفرقہ بازوں کا دین اسلام سے کوئی واسطہ نہیں ہوسکتا۔اِنّ الّذین فرّقوا دینھم وکانوا شیعاًلست منھم فی شیٔ یعنی جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ پیدا کیا اور ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے، ان سے آپ کا کوئی تعلق نہیں:۱۷؎ پھر تاکید ہوئی کہ اللہ کی مقرر کردہ سیدھی راہ پر چلو اور ان راہوں سے بچو،جن سے تفرقہ پیدا ہوتا ہے: وان ھذاصراطی مستقیما فاتّبعوہ ولاتتّبعو السّبل فتفرّق بکم عن سبیلہ یعنی اور یہ ہمارا سیدھا راستہ ہے اس کا اتباع اور دوسرے راستوں کے پیچھے نہ جاؤ کہ راہ خدا سے الگ ہوجاؤ۔۱۸؎ اس تفرقہ سے بچنے کے لیے رسولؐ اسلام کی حدیث ثقلین کا رہنما اصول امت کو مرحمت کیا تھا کہ اگر امت قرآن اور اہل بیت سے وابستہ رہے گی تو کبھی گمراہ نہیں ہوگی: انّی تاریک فیکم الثقلین کتاب اللّٰہ و عترتی اھل بیتی ما ان تمسّکتم بھما لن تضلّوا بعدی انّما لن یفترقا حتی یردا علیّ الحوض یعنی میں تمہارے درمیان دو گراں بہا ہم وزن چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں۔ اللہ کی کتاب اور میری عترت و اہل بیت تم ان دونوں سے وابستہ رہو۔جب تک ان دونوں سے تمسک کروگے کبھی گمراہ نہیں ہوگے۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے اور حوض کوثر پر دونوں مجھ سے ملحق ہوجائیں۔۱۹؎

امام خمینیؒ نے اسلامی انقلابی تحریک کا معیار و میزان کلیۃً قرآنی احکامات اور سنتِ پاکِ مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عین مطابق رکھا تھا۔ مذکورہ بالا آیات قرآنی اور حدیث ثقلین کے تقارب میں ان ارشاداتِ امام کو دیکھا جاسکتا ہے۔

”یہ انقلاب انبیاء علیہم السلام کے اعمال کی پیروی ہے۔ یہ سنتِ رسولِؐ خدا، راہ وروشِ امیر المومنین علی علیہ السلام اور کارنامۂ سید الشہداء حسینؑ مظلوم کی پیروی ہے۔ پھر مزید وضاحت کردی :

”انبیاء کا مقصد ایک ہی تھا اور وہ ہے، ایک کلمہ پر لوٹ آنا۔ وہ کلمہ اللہ کی معرفت ہے، سارا مقصد اور بات یہی ہے۔عمل صالح کی دعوت تہذیب وتزکیہ نفس کا حکم، امر بہ معروف وغیرہ سب کا مقصدِ واحدہ پر لوٹ آنا ہے۔“ ۲۰؎

امام خمینیؒ نے وحدت اسلامی کے رہنما کی حیثیت سے اسلامی فرقوں کے درمیان خلوص و ہم آہنگی اور یک جہتی کو اساسی اہمیت دی اور اسے برت کر دکھایا۔ انھوں نے ملت اسلامیہ کو بیدار کرتے ہوئے ارشاد کیا تھا:

''اگر مسلمان چاہتے ہیں کہ صدر اسلام کی طرح کی عزت اورعظمت پھر سے حاصل کرلیں تو انھیں اسلام اور اتحاد پر کار بند ہونا چاہئے۔ یہ اسلام کے محور پر وہ اتحاد تھا، جس نے مافوق الفطرت طاقت اور شجاعت کی ایجاد کی۔''۲۱ یہ اتحاد اسلامی عقیدۂ وحدت کی روشنی میں ہی ممکن ہوسکتا ہے۔

'' اگر مسلمان اسلامی احکام پر عمل کریں، اتحاد کی روح کو برقرار رکھیں اور اختلافات اور تنازعہ سے ہاتھ کھینچ لیں، جو کہ ان کی شکست کی اصل وجہ ہیں تو لَآاِلٰہ اِلاّ اللّٰہ کے پرچم کے سائے میں اسلام دشمنوں اور عالمی غارت گروں کے ہاتھوں سے محفوظ ہو جائیں گے۔۲۲

مشرق ومغرب کا اثر و رسوخ اپنے عزیز ممالک سے ختم کر دیں گے۔ کیونکہ ان کی تعداد بھی سب سے زیادہ اور وسائل بھی نہ ختم ہونے والے ہیں اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی غیر متناہی طاقت ان کی نصرت کے لیے موجود ہے اور سُپر طاقتیں ان کی محتاج ہیں۔

آیت اللہ العظمیٰ امام خمینیؒ کی عہد آفریں قیادت کا قائل نہ ہونا سخن حق سے منکر ہوکر کافر ہو جانا کہا جا سکتا ہے۔ انہوں نے فلسفۂ مرجعیت اور ولایت فقیہ کی بنیاد پر اسلامی مملکت قائم کر کے اسلامی نظام معاشرت کی عصری تناظر میں تشکیل نو کی سعادت حاصل کی۔ اس کی تفصیل کے لیے ایک دفتر چاہئے۔ یہاں ان کا ایک بیان پیش کرنے پر اکتفا کروں گا۔

مطمئن رہیے، جو کچھ بھی معاشرے کے حق میں ہے، انسانیت کا قیام، ظالم ہاتھوں کا توڑنا، خودمختاری اور آزادی کی ضمانت، اقتصادی نشو ونمااور دولت کی معقول، قابلِ قبول تقسیم وغیرہ، یہ سب کچھ مکمل طور پر اسلام میں موجود ہے اور وہ کسی غیر منطقی تاویل کا محتاج نہیں ہے۔۲۳

امام خمینیؒ کی قائدانہ فکر ونظر کے ادراک کے لیے ان کا سوویت روس کے سربراہ گورباچوف

کو اسلام کے مطالعہ کا مشورہ (یکم جنوری ۱۹۸۹ء) دینا، اور اس کے اثر نفوذ آج تازیانۂ عبرت ہیں ۔ زعم حکومت میں رہبرِ دین کی دعوتِ حق کو ٹھکرایا تو سوویت روس ہی ٹوٹ کر بکھر گیا۔ جو نئی مملکتیں وجود میں آئیں، اسلام دشمن نہیں ہیں۔عصر حاضر کا مورخ افقِ عالم پر ایستادہ ہوکر دیکھتا ہے توامام خمینیؒ کا عالمی انقلاب اسلامی کا خواب آج جیتی جاگتی حقیقت ہے۔نہ صرف یہ کہ آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای کی دانشورانہ رہنمائی میں ایران جادۂ استحکام و استقلال پر اس طرح گامزن ہے کہ قرآنی آیت کا مصداق ہوگیا ہے: انّ اللّٰہ یحبّ الّذین یقاتلون فی سبیلہ صفّا کانّھم بنیانٌ مّرصوص (یقیناً اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں صفیں باندھ کرلڑتے ہیں، گویا سیسہ پلائی دیوار ہیں۔ ۲۴؎ امام خمینیؒ نے عالم اسلام میں انقلاب اسلامی کی روح بیدار کر دی ہے ۔ جبر و استبداد کے قلعے جو نا قابل تسخیر سمجھے جاتے تھے، اپنی بنیادوں سے لرزہ میں ہیں ، کچھ منہدم ہو چکے، کچھ منہدم ہو نے کے انتظار میں ہیں ۔قرآن ہدایت کر رہا ہے: واعتَصِمُوا بِحَبلِ اللّٰہِ جَمِیعاَ وَّلَا تَفرّقُوا (خدا کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو۔ ۲۵؎

حواشی :

۱۔ ندائے اسلام ۔شمارہ ۶۰،ص ۴۔۵

۲۔ Karen Armstrong : Muhammad p 28,Londom 2008

۳۔Schimmel, Anne-Marie:Islamic Culture: اردو ترجمہ: شب خون جولائی ۱۹۹۷ء

۴۔سورۂ یونس،آیت ۵۲

۵۔سورۂ الفرقان،آیت ۶۳

۶۔ تاریخ ابن خلدون ، ج۳، ص ۹۶۔۹۳، تاریخ طبری، ج۶، ص ۱۲۶، طبقات الکبیر ،ج،۶،ص۲۵، استیعاب، ج ۲،ص ۴۴۰، البدایہ والنہایہ، ج۸،ص ۴۸، خلافت وملوکیت،ص ۱۶۳

۷۔صحیفۂ نور، ج ۱۹،ص ۲۲۶

۸۔صحیفۂ نور، ج ۱۹،ص ۱۱۔۲۰

۹۔صحیفۂ نور، ج ۴،ص ۱۱۰

۱۰۔صحیفۂ نور، ج ۲۰،ص ۱۱۳

۱۱۔سورۂ محمد،آیت ۱۶

۱۲۔سورۂ البقرہ،آیت۲۵۶

۱۳۔سورۂ المائدہ،آیت ۳۲

۱۴۔سورۂ آل عمران،آیت ۶۴

۱۵۔سورۂ اعراف/۱۸۹،سورہ الزمر،آیت۶

۱۶سورۂ الشوریٰ ،آیت ۱۳

۱۷۔سورۂ انعام،آیت ۱۵۹

۱۸۔سورۂ انعام،آیت ۱۵۳

۱۹۔ مستدرک امام حاکم، ج۳،ص۱۰۹،صحیح مسلم، ج ۳،ص ۲۲۹، ح ۲۲۷۰،صحیح مشکوٰۃ، ج۳،ص ۲۵۴ ح ۵۸۷۸، المستدرک حاکم، ج۳، ص ۱۰۹، ۵۳۳،البدایہ والنہایۃ، ج۵، ص۲۰۹، ذخائرعقبیٰ، ص۱۶فصول المہمّہ ،ص۲۲، خصائص نسائی،ص۳۰،صواعق محرقہ،ص۱۴۷، کنز العمال، ج۱،ص ۴۴وغیرہ ۔ یہ حدیث ۳۹ بار اہل تسنن اور ۸۲ بار اہل تشیع نے اپنی معتبر کتابوں میں درج کی ہے۔

۲۰۔صحیفۂ نور، ج۱۹،ص ۲۸۳

۲۱۔صحیفۂ نور، ج۸،ص ۲۳۰

۲۲۔ تبیان وحدت،ص ۲۰۰

۲۳۔صحیفۂ نور، ج۲،ص ۱۸

۲۴۔سورۂ صف،آیت ۴

۲۵۔سورۂ آل عمران،آیت ۱۰۳

امام خمینیؒ اور ولایت فقیہ

درخشاں فاطمہ رضوی ہلوری

امام خمینیؒ اسلامی دنیا کے عظیم مفکر اور مرجع وقت تھے ۔انہوں نے عمل کی منزل میں اپنے نظریات و عقائد کو معاشرہ میں پھیلایا۔ان کے نظریات میں حقیقی اسلام کا جلوہ ہے۔ ان کی نظر میں کائنات کا ہر ذرہ خدا اور رسولؐ کی ولایت کے تحت ہے اور دنیا میں ظاہری حکومت رسولؐ خدا کی ولایت کا ایک جزو ہے۔

امام خمینیؒ نے عوام الناس کے استفادہ کے لیے اپنی گرانقدر کتاب ''ولایت فقیہ''میں ولایت فقیہ کے بنیادی اسباب وعوامل اور لازمی عناصر کی طرف نشاندہی کی ہے اور اسکی اہمیت و ضرورت پر زور دیاہے ۔ان کے اکثر خصوصی بیانات و اہم پیغامات ولایت فقیہ کے سلسلے میں صادر ہوتے رہے۔امام خمینیؒ ملک کی جغرافیائی سرحدوں کے اندر ولایت فقیہ کے سلسلے میں، معاشرے کے تمام طبقوں ،جماعتوں اور گروہوں کے درمیان مستحکم طور پرولایت فقیہ کو کامیابی کی راہ میں پہلا قدم مانتے تھے۔ اسی وجہ سے وہ اپنے خطبوں اور بیانوں میں دینی درسگاہوں اور یونیورسٹیوں سے وابستہ لوگوں کے درمیان،ساتھ ہی ساتھ وہ علماء اورعوام ، انتظامی و فوجی جماعت اور عوام، حکومت اور پارلیمنٹ ،عدلیہ و انتظامیہ اداروں کے درمیان ،زمینی اور ہوائی افواج کے درمیان اور مختلف النوع قومی تنظیموں کے درمیان ولایت فقیہ پر بہت زور دیا کرتے تھے۔اپنی اس بات کی تائید کے لیے ولایت فقیہ کے سلسلے میں ''صحیفہ امام''اور'' ولایت فقیہ'' سے چند اقتباس پیش کیے جارہے ہیں :

> ''ولایت فقیہ کا قضیہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جسے ماہر فقہاء کی کونسل نے ایجاد کیا ہو بلکہ ولایت فقیہ ایک ایسی چیز ہے کہ جسے خداوند عالم نے مقرر فرمایا ہے جو کہ رسولؐ اسلام ہی کی ولایت ہے۔''[1]

> ''فقہاء کی کونسل میں جیسے ہی ولایت فقیہ کے متعلق بات ہوئی

تو مخالفت شروع ہوگئی۔ ابھی چند دن قبل وہ لوگ جو اسلام سے ناآشنا ہیں اور اسلام کے مخالف ہیں وہ کہنے لگے کہ فقہاء کی کونسل ختم ہونی چاہیے ۔اس بات پر دیگر لوگوں نے بھی تالیاں بجائیں، یا ایسا ظاہر کیا کہ یہ فقہاء کی کونسل سے ڈرتے ہیں ، کیونکہ فقہاء کی کونسل ولایت فقیہ کو ثابت کرنا چاہتی ہے ۔فقہاء کی کونسل اس چیز کو معین کرنا چاہتی ہے جس کا خدا حکم فرماتا ہے اور یہ اس سے ڈرتے ہیں ، یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر ولایت فقیہ قائم ہوگئی تو زور زبردستی کا مسئلہ پیش آئے گا اور ڈکٹیٹر شپ قائم ہو جائے گی جبکہ اسلام میں اس طرح کی باتیں نہیں ہیں ... انھیں اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ جب تک یہ محراب ،منبر، علماء، و ذاکرین، اسلام ومسلمان ہیں اس وقت تک یہ کچھ نہیں کر سکتے۔ انھیں یہ جان لینا چاہیے کہ یہ گذشتہ استعماری طاقتوں کی غلامی کر رہے ہیں ۔اگر تجاہل عارفانہ کے باعث کرتے ہیں تو خائن ہیں اور اگر لاعلمی میں کرتے ہیں تو پھر جاہل ہیں۔'' ۲

اسلام دشمن طاقتیں مسلمانوں کے درمیان اختلاف کو بڑھاوا دے رہی ہے ۔ایسے حالات میں اسلامی سماج کی ترقی اس وقت تک حاصل نہ ہو سکے گی جب تک مسلمانوں کے درمیان ولایت فقیہ کے بنیادی اصولوں کو پہلے سے زیادہ مستحکم نہیں کرلیا جائے گا۔اس عظیم مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے اسلامی حکومتوں کے درمیان باہمی تعاون کا ماحول پیدا کرنا ہوگا تاکہ اسلامی موقف کو مزید پایداری حاصل ہو سکے۔آج جبکہ امریکی سازش نے تمام عالم کے مسلمانوں کے چہرے کو مشکوک بنا رکھا ہے اور عالم اسلام میں انتشار کی بھرپور کوشش کی جارہی ہے ۔ایسی صورت میں ولایت فقیہ کے متعلق امام خمینیؒ کے یہ ارشادات کس قدر بامعنی اور عین حالات کے مطابق نظر آتے ہیں:

''یہ جو کہتے ہیں کہ اگر ولایت فقیہ نافذ ہوجائے تو ڈکٹیٹر شپ آجائے گی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ولایت فقیہ کے بارے میں نہیں جانتے ہیں۔ ولایت فقیہ اس وجہ سے نہیں ہونی چاہیے،

کیونکہ حکومت ملت کی ہونی چاہیے، یہ ولایت فقیہ کونہیں جانتے، ولایت فقیہ ڈکٹیٹر شپ کو روکنا چاہتی ہے، نہ کی ڈکٹیٹر شپ قائم کرنا چاہتی ہے، یہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں رکاوٹ نہ لگ جائے، ولایت فقیہ چوروں کو روکنا چاہتی ہے ،اگر صدر کو فقیہ انتخاب کرے اور اس شخص کا انتخاب کرے جو اسلام سے آشنا ہو، اسلام کا درد رکھتا ہو، ایسی صورت میں فقیہ ،منتخب صدر کو کوئی غلط کام نہیں کرنے دے گا۔ لیکن اگر مغربی صدر ہو اور اس کو سارا اختیار دے دیا جائے تو انہیں کوئی پریشانی نہیں ہے۔اور کوئی اعتراض بھی نہیں کریں گے ۔،لیکن اگر ایک فقیہ ہو کہ جس نے اپنی عمر کا ایک طولانی حصہ اسلام کی خدمت میں گزارا ہے اور اسلام کا ہمدرد ہے، اور اس نے جو شرائط مقرر کیے ہیں ان کی بدولت ایک لفظ تک کی خلاف ورزی نہیں کرسکتا ہے تو یہ اعتراض کرتے ہیں۔اسلام قانون کا دین ہے پیغمبر اسلام بھی قانون کے خلاف عمل نہیں کر سکتے تھے اور نہ ہی کیا۔خداوند عالم پیغمبر اسلامؐ سے فرماتا ہے کہ اگر ایک بات بھی خلاف حق کہی تو گردن قلم کر دی جائے گی۔[۴۳] (سورۂ الحاقہ ،آیت ۴۴،کی طرف اشارہ ہے۔) خدا کا حکم ہے کہ حکم خدا کے سوا کسی کو حکومت کا حق حاصل نہیں ہے ، نہ فقیہ کو ،نہ غیر فقیہ کو،سب قانون کے دائرے میں عمل کرتے ہیں،فقیہ اور غیر فقیہ سب قانون کا اجراء کرتے ہیں۔فقیہ اس بات کی نگرانی کرتا ہے کہ یہ قانون کا اجراء کریں خلاف ورزی نہ کریں نہ یہ کہ خود حکومت کرنا چاہتا ہے ، بلکہ چند دنوں کے بعد طاغوتی اور ڈکٹیٹر شپ اختیار کر لینے والی حکومتوں کو ایسا کرنے سے روکنا چاہتا ہے۔''[۴۴]

جب نئے آئین کی تدوین کی بات آئی تو امام خمینیؒ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا میں رائج مختلف

آئین کو نمونہ بنانے کے بجائے فلسفۂ ولایت فقیہ کی بنیاد پر اسلامی جمہوریہ ایران کے لیے ایسے آئین کی تشکیل کی جائے جو قرآنی تعلیمات اور سیرت رسولؐ کے مطابق ہو کیونکہ اسلامی نظام حکومت میں حاکمیت مطلق تو صرف پروردگار عالم کو حاصل ہے البتہ قرآنی تعلیمات کی روشنی میں مشاورتی اسمبلی کی تشکیل اور اجتہادی تگ و دو کے سایہ میں الٰہی قانون کے نفاذ کی راہیں ہموار کی جا سکتی ہیں۔اس نظام میں ترقی کا معیار فقط مادی ترقی ہرگز نہیں ہے بلکہ اس نظام میں خداوند عالم کی رضا وخوشنودی کو ترقی کی معراج قرار دیا گیا ہے۔

ان کے ارشادات و خیالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ اپنے درد دل کو پوری امت مسلمہ میں منتقل کرنا چاہتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اسلامی انقلاب کے حوالے سے زندگی کے تمام شعبوں میں نمایاں تبدیلی لانے کی کوشش کی۔امام خمینیؒ نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ الٰہی اور اسلامی تعلیمات کی بحالی جیسے سفارتی مشن کو پورا کرنے میں گزار دیا۔ ابتدائی مرحلہ میں انھوں نے مغربی تہذیب کی رعنائیوں میں ڈوبی ہوئی ملت اسلامیہ ایران کو اس حدتک بیدار کردیا کہ ملک کے گوشہ وکنار اور کوچہ و بازار سے اسلام پسندی کی آواز ابھرنے لگی۔

اکثر مبصرین ولایت فقیہ کے فلسفے اور اس کی بنیادوں کے ادراک اور اس کے ظہور کے اسباب وعلل نہ جاننے کے بجائے اس کی کیفیت اور اس کے سیاسی اور اقتصادی حالات کے متعلق پورا زور صرف کر رہے ہیں جبکہ ولایت فقیہ کے بنیادی فلسفے کا ادراک،حکومت اسلامی یا ولایت فقیہ کی پیش رفت اور اس کی حفاظت کے لیے بہتر طور پر کردار ادا کرسکتا ہے۔اس کے لیے یہی ایک راستہ ہے کہ امام خمینیؒ کے انقلابی افکار کے عرفانی پہلوؤں کو اجاگر کیا جائے۔امام خمینیؒ کے مکتوبات اور بیانات میں بکثرت ایسے شواہد موجود ہیں جن سے ولایت فقیہ کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

> ''انھیں بالکل معلوم ہی نہیں ہے کہ ولایت فقیہ کا قضیہ کیا ہے،اس بارے میں غور وفکر ہی نہیں کرتے کہ ولایت فقیہ کیا ہے؟ غور وفکر نہیں کرتے ،بیٹھ کر کہتے ہیں کہ اگر ولایت فقیہ قائم ہوگئی تو ڈکٹیٹر شپ قائم ہو جائے گی، ایسا ہو جائے گا ،ویسا ہو جائے گا! کیا حضرت علیؑ جو کہ ولی امر مسلمین تھے ڈکٹیٹر تھے؟ پیغمبرؐ کہ جو

ولایت فقیہ رکھتے تھے ڈکٹیٹر تھے؟ کہہ دیں کہ پیغمبرؐ کے لیے ولایت نہیں ہے۔پیغمبرؐ بھی دوسرے لوگوں کی طرح ہیں، ان کی جانب سے ایسا کہا جانا بعید نہیں ہے ،مگر کہنے کی جرأت نہیں کرتے۔ڈکٹیٹر شپ کیا ہے؟ اسلام میں اس طرح کی کوئی چیز نہیں ہے ۔ اسلام تو ڈکٹیٹر شپ کو ختم کرتا ہے ۔اگر فقیہ ڈکٹیٹر شپ کرنا چاہے تو اسلام اس کو ولایت سے ساقط کردیتا ہے ، پھر یہ کس طرح کہتے ہیں کہ اسلام ڈکٹیٹر شپ ہے۔ اس طرح کی باتیں کیوں کررہے ہیں ۔اگر علم نہیں ہے تو پھر ایک نابلد و نادان انسان کوئی بات کیوں کہتا ہے ؟ خواہ مخواہ بغیر سوچے سمجھے کہ مسئلہ کیا ہے، آئے اور اس طرح کے مسائل بیان کرے۔'' ۵ے

اسی طرح ایک جگہ ولایت فقیہ کی تاریخ کے متعلق روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''آپ کو نہیں معلوم ہے کہ ولایت فقیہ کیا ہے اسی وجہ سے کہتے ہو کہ ہمارے یہاں ولایت فقیہ نہیں ہے، ولایت فقیہ روز اول سے اب تک رہی ہے، زمانہ رسولؐ سے اب تک رہی ہے، یہ کیا بات کہتے ہیں ؟ یہ افراد فقہ کو نہیں جانتے ، مسائل سے مطلع نہیں ہیں۔'' ۶ے

''جب ہم یہ کہتے ہیں کہ جو ولایت رسولؐ اسلام اور ائمہؑ کے پاس تھی ، وہی غیبت کے بعد فقیہ عادل کے پاس ہے تو کوئی یہ خیال نہ کرے کہ فقہاء کا وہی مقام و مرتبہ ہے جو ائمہؑ اور رسولؐ خدا کا تھا۔یہاں مقام و مرتبہ کی بحث نہیں ہے بلکہ فرض کی ہے ، نہ کہ اس سے کسی کو غیر معمولی مقام و مرتبہ مل جاتا ہے اور عام انسانوں کی حد و مرتبہ سے بلند ہو جاتا ہے۔دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ جو'' ولایت'' محل بحث ہے اس کا مطلب ہے حکومت و قانون کا اجراء اور اس کی دیکھ بھال ،بہت سے افراد کے تصور و

خیال کے برخلاف یہ کوئی مقام و منزلت نہیں بلکہ ایک اہم فرض ہے ... ولایت فقیہ عقلائی اور اعتباری امور میں سے ہے اور اعتبار اور قرارداد کے سوا اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔جیسے بچوں کے لیے ولی و سرپرست کا اعتبار و جعل کیا جاتا ہے۔ ... اگر حکومت کی تشکیل ممکن نہ ہو تب بھی ولایت ساقط نہیں ہوتی۔ کیونکہ فقہاء خدا کی طرف سے منصوب ہیں۔''۷

''اسلام ہر فقیہ کو ولی قرار نہیں دیتا بلکہ جو علم و عمل رکھتا ہے،اور جس کا طرز عمل اسلام کے مطابق ہے۔جس کی سیاست اسلام کی سیاست ہے اسے ولی قرار دیتا ہے۔یہ اس بنا پر ہے کہ ایک شخص جس کی پوری عمر اسلام اور مسائل اسلام میں گزر گئی اور غلط آدمی بھی نہیں ہے اسے چاہیے کہ ان امور کی نگرانی کرے اور ایسا نہ ہونے دے کہ جس کا جو جی چاہے کرتا پھرے۔''۸

''جو شخص یہ چاہے کہ اس اہم منصب ہر فائز ہو،حضرت علیؑ کا نائب اور ولی امر مسلمین ہو،لوگوں کی جان ،مال ،عزت اور مال غنیمت و حدود وغیرہ پر اس کا اختیار ہو،تو ایسے شخص کے لیے ضروری ہے کہ پاک و منزہ ہو اور دنیا طلب نہ ہو۔جو شخص دنیا کے لیے ہاتھ پاؤں مارتا ہے،خواہ وہ مباح ہی کیوں نہ ہو،ایسا شخص اللہ کا ضامن بندہ نہیں ہے اور مورد اطمینان نہیں ہے ،کیونکہ جو فقیہ ظالم و طاغوت کی حکومت میں شامل ہوجائے اور درباری ملاّ ہو اور ان کے حکم کی اطاعت کرے وہ الٰہی امانت دار نہیں ہو سکتا۔''۹

ولایت فقیہ کے نظریہ کو امام خمینیؒ نے نجف اشرف میں قیا م کے دوران درس خارج کے طلبہ کے سامنے پیش کیا۔اس سے پہلے شیخ مفید،ابن ادریس ، احمد بن محمد مہدی بن ابی ذر نراقی ، میرزا حسین بن عبد الرحیم نائینی نجفی، شیخ بروجردی وغیرہ اپنے نظریات پیش کر چکے ہیں۔امام خمینیؒ نے

ولایت فقیہ کے نظریہ کو علمائے سابق سے کہیں زیادہ واضح و مدلل تشریح و توضیح کے ساتھ پیش کیا ہے۔مذکورہ اقتباسات سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ امام خمینیؒ ولایت فقیہ کے سلسلے میں اپنی بحث کا آغاز اسلام کے لیے حکومت کی ضرورت کے عنوان سے کرتے ہیں اور اس سلسلے میں یہ استدلال کرتے ہیں کہ نماز روزہ اور مختلف عبادات پر عمل بغیر حکومت کے انجام پا سکتا ہے لیکن اسلام صرف چند عبادات کا نام نہیں ہے بلکہ ایک مستقل نظام حیات ہے، اس میں میراث، جرائم کی سزا، قصاص اور دیت کے احکام، بیع و شرا کے اُصول بھی ہیں اور فریقین کے درمیان نزاع و جھگڑے کی صورت میں شہادت و قضاوت کے احکام بھی موجود ہیں۔ یہ سارے احکام بغیر قدرت و طاقت کے انجام نہیں پا سکتے ۔ اس بنا پر لازم ہے کہ ایک ایسی حکومت ہو جو اسلامی احکامات کو نافذ کرنے کا ارادہ رکھتی ہو۔حکومت سے انکار کا مطلب شریعت اسلامیہ کے ایک بڑے حصے کو معطل کردینے کے مترادف ہے۔لہٰذا ضروری ہے کہ اسلامی احکامات کو نافذ کرنے کے لیے اولاً حکومت کا قیام عمل میں لائے۔

امام خمینیؒ کے نزدیک ولی فقیہ کو ہر وہ اختیار حاصل ہے جن کی ضرورت حکومت اسلامی کو عملی شکل دینے کے لیے ضروری ہے ۔بعض لوگ ولایت فقیہ کو اس حد تک قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں ،مگر وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ ولی فقیہ کو شریعت اسلامیہ میں ردّ و بدل کا حق حاصل نہیں ہے۔ ولی فقیہ شریعت کے دائرے میں رہ کر کام کرنے پر مجبور ہے ۔ امام خمینیؒ ولایت فقیہ کو فقہاء کا حق نہیں بلکہ ایک ذمہ داری اور فریضہ تصور کرتے تھے۔امام خمینیؒ کی نظر میں سب سے بڑی پریشانی امت اسلامیہ عالم کی بے سروسامانی اور عالم اسلام کی حقائق سے دوری و علاحدگی رہی ہے، اسی وجہ سے انھوں نے متعدد بار اپنے پیغامات اور عوام و اسلامی ممالک کے سربراہوں سے ملاقات و گفتگو کے دوران اپنے خطبات و ارشادات میں عالم اسلام کے اہم مسائل و معاملات کی نشاندہی بھی فرمائی ہے۔

یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ امام خمینیؒ نے اپنی تحریک کی بنیاد ہی ''وحدت و اتحاد مسلمین'' پر استوار کی ۔آپ نے عالم اسلام کی سربلندی اور سپر طاقتوں کے چنگل سے انہیں آزاد کرانے کے لیے نہ صرف خدا پر مکمل بھروسہ اور توکل کی دعوت دی بلکہ ہر گام پر الٰہی غیبی امداد پر بھروسہ کرکے عملی اعتبار سے یہ ثابت کر دیا کہ جو شخص مالک حقیقی پر اعتماد کرتا ہے اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

حکومت اسلامی کی کامیابی پر استعماری طاقتیں اتنا بدحواس ہوگئیں کہ انہیں اس کے علاوہ اور کچھ نہ سوجھا کہ علاقہ اور دنیا کے لوگوں کو یہ باور کرادیا جائے کہ اگر حکومت اسلامی کا تجربہ ایران

میں کامیابی سے ہمکنار ہوگیا تو پھر آس پاس کے ممالک کیا! دور دراز علاقوں میں بھی یہ تحریک جڑ پکڑلے گی۔اور موجودہ قیادتیں جو صد فی صد استعماری طاقتوں پر منحصر ہیں اپنا وجود کھو بیٹھیں گی۔لہٰذا اس کی روک تھام ضروری ہے۔اسی سبب سے ایران وعراق کی جنگ وجود میں آئی۔۸/سال کی اس جنگ میں باطل قوتوں کو منھ کی کھانی پڑی۔

انقلاب اسلامی کی اسی قیادت کی بنا پر تاریخ اسلام میں پہلی بار ولایت فقیہ کی اساس پر ایک اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آیا، اور اس کا سہرا امام امت ہی کے سر ہے اور رہے گا۔ عادل امام اور ولایت فقیہ کی بنیاد پر ایک حکومت کی تاسیس میں نہ صرف یہ کہ انقلاب اسلامی ایران کو فتح و ظفر سے ہمکنار کرنے والے ان شہیدوں کا خون بہا ہے جنہوں نے اس انقلاب کے لیے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا بلکہ یہ چیز ان تمام شہیدوں کے خون کا ثمر بھی ہے۔امام خمینیؒ نے متعدد بار انقلاب کی سرعت سے کامیابی کے لیے جو مژدہ سنایا تھا وہ کسی مصلحت اور عدم شناخت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ امام خمینیؒ کو اللہ پر جو مکمل بھروسہ اور ایمان تھا اس کی وجہ سے جب ایرانی مسلمان عوام نے مکمل طور پر اپنے قائد پر اعتماد کیا اور اپنے قائد کی طرح اللہ پر ایمان کامل اور بھروسہ کرنے کے ذریعے میدان عمل میں آئے تو ان کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ پیکر صداقت میں ڈھلتا گیایعنی انقلاب اسلامی نے اپنے طبعی اور تکاملی مراحل کو ایک استثنائی سرعت کے ساتھ جس کی بنیاد اس انقلاب کی نظریاتی اور قیادت کی وحدت تھی۔ اس کے ذریعے ظلم و استبداد کی بنیادوں پر استوار شاہی حکومت کو نیست و نابود کرکے رکھ دیا۔چنانچہ اس حقیقت کے مدنظر یہ کہنا حق بجانب ہوگا کہ امام خمینیؒ نے بغیر کسی وجہ کے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہمارا انقلاب ایک معجزہ ہے۔ یہ معجزہ نہیں تو اور کیا ہے کہ چھوٹے چھوٹے کمسن بچے ہوں یا بوڑھے اورضعیف مرد، یا پھر ہسپتالوں میں بستر بیماری پر لیٹے ہوئے بیمار افراد سب نے مل کر اسلام کے لیے آواز بلند کی؟ اسلامی ملک ایران میں وقوع پذیر ہونے والا یہی معجزہ ہے کہ جس کی وجہ سے اس انقلاب نے ایسی بڑی طاقتوں پر فتح و کامیابی حاصل کی جن کے خلاف کامیابی اور فتح کے بارے میں عالم خواب میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا؟ اور یہی وہ حقیقت ہے جس کی وجہ سے امام خمینیؒ نے متعدد مقامات پر اس انقلاب اسلامی کے لیے لفظ معجزہ کا استعمال کیا ہے۔

حوالے:

۱۔صحیفہ امام ،ج/۱۰ ص۳۰۸

۲۔صحیفہ امام ،ج۱۰،ص۳۰۷

۳۔سورۂ الحاقہ ،آیت ۴۴،کی طرف اشارہ ہے۔

۴۔صحیفہ امام ،ج/۱۰ ،ص ۴۵۲

۵۔صحیفہ امام، ج/۱۰،ص ۴۱۰

۶۔صحیفہ امام، ج/۱۰،ص ۳۵۴

۷۔ولایت فقیہ ،ص ۵۱ و ۵۳

۸۔صحیفہ امام، ج/۱۰،ص ۷۲

۹۔ولایت فقیہ ،ص ۱۴۶

ولایت فقیہ کے اہم مراحل۔ایک اجمالی تجزیہ

زہرابانو حسینی

آج سے صرف چند دہائیوں پہلے تک ''ولایت فقیہ'' کا موضوع نہ صرف اسلام کے مسلمات میں بلکہ بدیہیات میں شمار ہوتا تھا۔ چنانچہ رہبرعظیم انقلاب اسلامی حضرت امام خمینیؒ نے ولایت فقیہ کے موضوع پر اپنے دروس کے آغاز میں ہی بتادیا تھا کہ'' ولایت فقیہ از موضوعاتی است کہ تصور آنہاموجب تصدیق می شود وچندان بہ برہان نیاز نداد'' یعنی ولایت فقیہ ان موضوعات میں سے ہے جن کاتصور ہی ان کی تصدیق کا سبب بنتا ہے اور اس پر دلیل دینے کی کوئی خاص ضرورت نہیں ۱ مگر مغرب کے منفی پروپگنڈے، مسلمان عوام کی ناسمجھی اور علماء کی جانب سے اس موضوع کی وضاحت میں کوتاہی نے اسے مسئلہ بنادیا۔خود امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

''اینکہ امروز بہ ولایت فقیہ چندان توجہی نمی شود واحتیاج
بہ استدلال پیداکردہ ،علتش اوضاع اجتماعی مسلمانان
عموماً وحوزہ ہای علیہ خصوصاً می باشد''

یعنی یہ جو آج ولایت فقیہ پر کوئی خاص توجہ نہیں دی جاتی اور آج اس پر دلیل پیش کرنے کی ضرورت پیداہوگئی ہے، اس کی عام وجہ مسلمانوں کی سماجی حالت اور خاص وجہ ہیں ۲

امام خمینیؒ کے مذکورہ بیانات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم یہاں ولایت فقیہ کے موضوع کو اس طرح پیش کررہے ہیں جس سے یہ ثابت ہوجائے گا کہ یہ موضوع واضح ہے اور اس میں کوئی پیچ وخم نہیں ہے۔

لفظی طور پر دیکھا جائے تو ''ولایت فقیہ'' دولفظوں سے مل کر بنا ہے۔ ایک ''ولایت'' اور دوسرے فقیہ۔ آسان ترجمہ کیاجائے تو یہاں ولایت کا مطلب ہے سرپرستی۔ اور فقیہ سے مراد ہے وہ انسان جو دین کی گہری معلومات رکھتاہو۔مگر جہاں تک اس کے مفہوم کا تعلق ہےتو مختصر الفاظ میں اس سے مرادیہ ہے کہ امام زمانہ علیہ السلام کی غیبت کے زمانے میں اگر ایک اسلامی حکومت قائم ہوتو اس کا سربراہ ایک ایسے انسان کو ہونا چاہیئے جو اسلامی قوانین سے اچھی طرح واقف ہو اور عادل وشجاع ہو۔

ولایت فقیہ کے مفہوم کی اجمالی وضاحت کے بعد اب یہ مناسب معلوم ہوتاہےعقلی دلائل کی

روشنی میں مرحلہ بہ مرحلہ اس موضوع کی مکمل وضاحت پیش کی جائے۔

مرحلہ اول: ہر مسلمان ،قرآن مجید کو اللہ کی بھیجی کتاب ماننے کے علاوہ اسے قانون کی کتاب بھی مانتا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کی نہ معلوم کتنی آیات ہیں جو مختلف چیزوں کے قانون یا حکم کو بیان کرتی ہیں مثلاً نکاح اور طلاق سے متعلق بہت سے قوانین۔

دوسرا مرحلہ: ہر مسلمان یہ مانتا ہے کہ قرآن وہ کتاب ہے جو قیامت تک ہماری ہدایت کرتی رہے گی۔ یعنی قرآن کے بیان کردہ قوانین قیامت تک بے معنیٰ اور بیکار نہ ہوں گے۔ وہ ہر زمانے کے لئے آئے ہیں اور ہر زمانے میں ان پر عمل ضرور ہوگا۔

تیسرا مرحلہ: قرآن کے صرف کچھ حصے پر عمل کرکے اور بقیہ کو چھوڑ کر کامیابی اور سعادت حاصل نہیں کی جاسکتی۔ اور ایسا کرنا درحقیقت خود قرآن کے خلاف ہوگا کیونکہ قرآن میں آیا ہے کہ ''یقیناً جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں کے بیچ تفرقہ ڈالنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کچھ (دین) کو تو مانیں گے اور کچھ کو نہیں مانیں گے اور چاہتے ہیں کہ بیچ کا کوئی راستہ نکال لیں ،تو حقیقت میں یہی لوگ کافر ہیں'' ۳

چوتھا مرحلہ: قرآن مجید میں ایسے قوانین بھی ہیں جن پر عمل اسی وقت ہوسکتا ہے جب حکومت اسلامی ہو۔ مثلاً قرآن نے کہا ہے کہ'' چور چاہے مرد ہو یا عورت اس کے ہاتھ کاٹ دو۔'' ۴ یا پھر آیا کہ'' زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد، دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو'' ۵ ظاہر ہے کہ یہ سزائیں تبھی دی جاسکتی ہیں جب حکومت اسلامی ہو۔

پانچواں مرحلہ: کسی قانون کا فائدہ تبھی پہنچتا ہے جب اس پر عمل کیا جائے ورنہ قانون بنانے کا کوئی مقصد و معنیٰ نہیں رہ جاتا۔ نیز یہ بات بھی دنیا کا ہر آدمی خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم مانتا ہے کہ ہر قسم کے قوانین پر عمل کروانے کے لئے کسی انسان یا ادارے کی ضرورت ہوتی ہے جسے اصطلاح میں قوّہٴ مجریہ کہتے ہیں۔

اس اعتبار سے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ قرآن مجید کتاب الٰہی ہے اس کا فائدہ تبھی ہوگا جب اس کے قوانین کو عملی جامہ پہنایا جائے۔

چھٹا مرحلہ: ہر مسلمان یہ جانتا ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے اپنے زمانے میں قرآنی قوانین پر عمل کرنے کی خاطر حکومت قائم کی۔ کیونکہ حضور سرورکائنات اس دنیا میں صرف اس لئے نہیں آئے

تھے کہ لوگوں کو قرآن پڑھ کر سنائیں یا اس کا مطلب سمجھائیں اور اگر ایسا ہوتا تو پھر انہیں ''رسولؐ نہیں بلکہ صرف اور صرف ''معلم'' کہا جاتا،مگر ہم سب مانتے ہیں کہ رسولؐ صرف معلم نہ تھے بلکہ ان کی متعدد ذمہ داریاں بھی تھیں۔

اس مقام پر ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص سورۂ جمعہ کی دوسری آیت کو دلیل بنا کر کہے کہ رسولؐ کا کام آیات کی تلاوت ، تزکیہ نفس اور تعلیم کتاب کے سوا کچھ نہ تھا۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ آیت میں رسولؐ کے صرف چند فرائض کا ذکر ہوا ہے نہ کہ تمام فرائض کا۔ کیونکہ قرآن ہی میں یہ آیت بھی ہے کہ ''اے نبی ! کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے.....''۶ ایک اور مقام پر آیا کہ ''(اے رسولؐ !) آپ ان (مسلمانوں) کے مال میں سے زکوٰۃ لیجئے...'' ۷ اسی طرح مزید ارشاد ہوا کہ '' (اے رسولؐ !) جو قوانین ، اللہ نے نازل کئے ہیں آپ ان کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کیجئے....'' ان آیتوں سے پتہ چلتا ہے کہ جہاد کرنا ، زکوٰۃ جمع کرنا اور لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنا بھی نبیؐ کی ذمہ داریوں میں شامل تھا۔

یہاں اس بات کا ذکر لازمی ہے کہ اسلام کی نگاہ میں حکومت کوئی بری اور معیوب شئے نہیں۔ اور اگر ایسا ہوتا تو جناب سلیمانؑ جیسا جلیل القدر نبی، اللہ کی بارگاہ میں حکومت کی دعا کیوں کرتا؟!۸ بس شرط صرف اتنی ہے کہ حاکم اور حکومت دونوں کا مقصد سماج میں عدل وانصاف اور امن وچین قائم کرنا ہو۔ چنانچہ قرآن کی طرف رجوع کرنے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اللہ کے جس نبی نے حکومت قائم کی اس کا مقصد اصلی دنیا میں عدل وانصاف قائم کرنا تھا۔ اور اس بات کا اعلان اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بھی کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ ''یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو واضح معجزے دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور انصاف کی ترازو بھیجی تا کہ لوگ انصاف کے لئے اٹھ کھڑے ہوں''۹ دنیا کا کون انسان ہے جو ایسی حکومت کی مخالفت کرے جس کی بنیاد عدل وانصاف پر رکھی گئی ہو؟ سچ تو یہ ہے کہ ایسی حکومت کی باٹ دیکھ رہی ہو جو ہر ایک کو اس کا پورا پورا حق دے سکے۔

ساتواں مرحلہ: بعد کے دور میں امیر المومنین حضرت علیؑ نے بھی حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لی اور ان کا مقصد بھی یہی تھا کہ قرآنی قوانین پر عمل اور ہر طرف عدل وانصاف کا بول بالا ہو۔ اس سلسلہ میں انہوں نے خود بھی فرمایا ہے کہ '' خدا کی قسم ! اگر حق کو قائم کرنا اور باطل کو مٹانا میرا مقصد نہ ہو،تو مجھے یہ میری پھٹی جوتی تمہاری اس حکومت سے زیادہ عزیز ہوتی''۱۰

آٹھواں مرحلہ: جس طرح صدر اسلام میں قرآنی قوانین پر عمل کرنے کی ضرورت تھی اسی طرح آج بھی ہے۔کیونکہ اس سے انکار کا مطلب یہ ہوگا کہ قرآنی قوانین صرف زمانہ پیغمبرؐ اور اس کے بعد کی چند دہائیوں کے لئے تھے اور آج وہ نعوذ باللہ بے معنی ہو چکے ہیں۔ جبکہ ہم ابتدا ہی میں یہ کہہ چکے ہیں کہ قرآن مجید رہتی دنیا تک کے انسانوں کی رہنمائی کے لئے آیا ہے۔لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ اس دور میں بھی کہ جب شیعی عقیدے کے مطابق امام زمانہ علیہ السلام پردۂ غیبت میں ہیں، کسی ایسی حکومت کی ضرورت ہے جو قرآنی قوانین کو عملی جامہ پہنا سکے۔

نواں مرحلہ: اب اگر فرض کرلیا جائے کہ دنیا کے کسی گوشہ میں ایک ایسی حکومت بنتی ہے جس کا مقصد قرآنی آیات پر عمل کرنا ہوتو پھر فوراً ہی یہ سوال پیش آئے گا کہ اس کا سربراہ اور حاکم کون ہوگا؟ کیا ایک ڈاکٹر ہوگا؟ یا پھر ایک انجینئر ؟ یا ایک تاجر؟ ان میں سے کوئی بھی حاکم بن سکتا تھا اگر ہم یہ نہ کہتے کہ وہ ایک حکومت ہوگی۔لیکن جیسے ہی ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ حکومت اسلامی ہوگی تو اپنے آپ یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ اس کا سربراہ ایک ایسے انسان کو ہونا چاہئے جو اسلامی قوانین سے اچھی طرح آگاہ ہو۔ وہ بھی معمولی آگاہی نہیں بلکہ مہارت کی حدتک پائی جانے والی آگاہی۔ وجہ یہ ہے کہ پہلے تو اسے ان تمام قوانین کو گہرائی سے جاننا، جانچنا اور پرکھنا ہوگا اور جن کا ذکر قرآن مجید اور معصوموں کی سنت میں ملتا ہے اور پھر ان مسائل کا حل بھی قرآن اور سنت کی روشنی میں تلاش کرنا ہوگا جو زمانۂ رسولؐ یا ائمہؑ میں نہ تھے۔ مثلاً زمانۂ رسولؐ میں اسمیک ،کوکین، اور ہیروئین جیسی نشہ آور اشیاء موجود نہ تھیں۔ نتیجتاً ان چیزوں کا نشہ کرنے والے انسان کی سزا کا ذکر بھی قرآن اور حدیث کی کتابوں میں نہیں ملتا۔ جبکہ دوسری جانب دور حاضر میں ان کا نشہ کرنے والے موجود ہیں۔ اس لئے حاکم کو اس بارے میں کوئی قانون بنانا پڑے گا۔ اور وہ بھی ایسا قانون جو اسلامی نقطہ نظر کے مطابق ہو۔

مجموعی اعتبار سے یہ کہنا پڑے گا کہ حقیقی اسلامی حکومت کی تشکیل کے موقع پر حاکم وقت کا مجتہد اور فقیہ ہونا ضروری ہوگا۔ اس کے علاوہ اس میں عدالت ، شجاعت ، بصیرت اور سیاسی سوجھ بوجھ وغیرہ کا پایا جانا بھی ضروری ہوگا۔ کیونکہ اگر اس میں عدالت نہ ہوگی تو وہ فریب دھوکا دھڑی اور بدکاری کرے گا۔ اور اگر اس میں شجاعت نہ ہوگی تو دشمن کا مقابلہ نہ کرسکے گا۔ اور اگر اس میں بصیرت نہ ہوگی تو وہ مسائل کے بارے میں گہرائی سے سوچ کر ان کا حل نہ نکال سکے گا اور منصوبہ

بندی بھی نہ کرسکے گا۔ اور اگر اس میں سیاسی سوجھ بوجھ نہ ہوگی تو وہ نہ تو حکومتی بندوبست کرسکے گا اور نہ ہی خارجہ پالیسی بنا سکے گا۔

دسواں مرحلہ: جس طرح کی حکومت کی بات اوپر بیان کی گئی اس کے وجود میں آنے کے بعد رعایا کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ وہ اس عادل ، عالم اور بابصیرت حاکم کا حکم مانے، ورنہ حکومت کا مقصد حاصل نہ ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں وہ حاکم تمام لوگوں کی سر پرستی اوران پر ولایت رکھتا ہوگا۔

ان دس مرحلوں کو طے کرنے کے بعد ولایت فقیہ کا موضوع پورے طور پر واضح اور ثابت ہوجاتا ہے۔غور طلب بات یہ ہے کہ ہم نے اپنے اس بیان میں نہ تو کسی بھاری بھرکم عقلی دلیل کو پیش کیا اور نہ ہی کسی طولانی حدیث کا ذکر کیا جس کی بنا پر یہ کہا جاسکے کہ ولایت فقیہ کا موضوع بہت مشکل اور پیچیدہ ہے۔ اور یہ موضوع پیچیدہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ اس کا سیدھا تعلق عوام الناس سے ہے؟!

☆

حوالے:

۱۔ولایت فقیہ یا حکومت اسلامی، امام خمینیؒ ،ص ۵، انتشارات آزادی ،قم

۲۔ولایت فقیہ یا حکومت اسلامی ، امام خمینیؒ ،ص ۵، انتشارات آزادی ،قم

۳۔سورۂ نساء/ ۱۵۰ یا پھر ایک مقام پر قرآن نے ایسے لوگوں کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ'' جن لوگوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا (یعنی کچھ کو مانا اور کچھ نہیں مانا)'' (نحل/ ۹۱) بہر حال ضروری ہے کہ ہر دور میں پورے قرآن مجید پر عمل کیا جائے۔

۴۔سورۂ مائدہ/ ۳۸

۵۔سورۂ نور/ ۲

۶۔سورۂ توبہ/ ۷۳

۷۔سورۂ توبہ/ ۱۰۳

۸۔سورۂ ص/ ۳۵

۹۔سورۂ حدید/ ۲۵

۱۰۔نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۳

☆

امام خمینیؒ اور نظریہ ولایت فقیہ

مولانا شاہد حسین (میثم نونہروی)

اسلامی دنیا میں لفظ 'ولایت' کوئی نیا لفظ نہیں ہے بلکہ یہ لفظ مختلف شکلوں میں قرآن میں بھی آیا ہے۔ جہاں تک اس کے مفہوم کا تعلق ہے تو گرچہ اس کے متعدد معانی بیان ہوئے ہیں مگر اس وقت ہم کسی طولانی یا اختلافی بحث میں پڑے بغیر صرف اس معنیٰ پر توجہ مرکوز کرنا چاہتے ہیں جس سے ہماری گفتگو کا سیدھا تعلق ہے اور وہ ہے 'سرپرستی'۔اس مضمون میں ہم پہلے یہ بتانے کی کوشش کریں گے کہ ولایت فقیہ کے موضوع پر علماء کے درمیان گفتگو یا بحث کس کس سطح پر ہوئی ہے اور اس سلسلے میں ان کے کیا نظریات ہیں۔آخر میں ہم اجمالی طور پر امام خمینیؒ کا وہ نظریہ پیش کرنے کی کوشش کریں گے جو''ولایت مطلقہ فقیہ'' کے نام سے مشہور ہے۔

ابتدائی مرحلہ میں ہی اس بات کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ تقریباً تمام شیعہ علماء کا اتفاق ہے کہ زمانہ غیبت میں 'مجتہد' کو امت کے افراد پر ایک قسم کی سرپرستی حاصل ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض علماء نے ایسے شخص کے لئے 'حاکم شرع' کا لفظ بعض نے 'فقیہ جامع الشرائط' کا لفظ اور بعض نے اس جیسے دوسرے الفاظ کا استعمال کیا ہے۔مگر سب یہ مانتے ہیں کہ اپنے علم اور تقویٰ کی بدولت مجتہد کو افراد امت پر سرپرستی کا حق حاصل ہوتا ہے۔ اور غور سے دیکھا جائے تو تھوڑے سے فرق کے ساتھ یہ بات ہر سماج میں موجود ہر عالم اور ماہر کے سلسلہ میں پائی جاتی ہے۔مثلاً جو انسان علم طب حاصل کرکے ڈاکٹر بنتا ہے، اسے جانے انجانے لوگ اپنا سرپرست مان لیتے ہیں یعنی اپنے جسم پر اس کی سرپرستی کو قبول کرلیتے ہیں تبھی تو وہ لوگ اپنے جسم کو اس کے حوالے کرکے اس کے تجویز کردہ علاج و پرہیز پر عمل کرتے ہیں۔

پہلے مرحلے میں تمام علماء کا اتفاق ہے کہ امت کو مجتہد کی سرپرستی حاصل ہوتی ہے مگر اس کے بعد کے مرحلے میں ان کے نظریات میں تھوڑا اختلاف پایا جاتا ہے اور وہ یہ کہ ان کے درمیان اس بات پر بحث ہوتی کہ امت کو کن امور میں فقیہ جامع الشرائط کی سرپرستی حاصل ہوتی ہے؟ تیسرے

مرحلے میں ان کے درمیان گفتگو کا محور یہ ہوتا ہے کہ زمانہ غیبت میں حکومت اسلامی کے قیام کی کوشش ایک فریضہ ہے یا نہیں اور اگر اسلامی حکومت بن جائے تو وہ فقیہ جو اس کا سربراہ ہوگا، اس کے اختیار بقیہ تمام مجتہدین سے زیادہ ہوں گے یا نہیں؟ اور اگر ہاں! تو وہ اختیارات کیا ہوں گے اور ان کی دینی اور شرعی حیثیت کیا ہوگی؟

اس مقالے میں تمام علماء کے نظریات کو تو پیش نہیں کیا جاسکتا مگر چند نظریات پر ہم روشنی ضرور ڈالیں گے اور کل ملا کر یہ دکھانے کی کوشش کریں گے کہ اس سلسلہ میں امام خمینیؒ کے وہ نظریات جو انہوں نے ''ولایت مطلقہ فقیہ'' کے عنوان سے پیش کیے تھے بقیہ علماء کے نظریات سے کس طرح مختلف ہیں۔سب سے پہلے ولایت کے مختلف معانی اور درجات کو اختصار کے ساتھ پیش کردینا لازمی معلوم ہوتا ہے۔

علماء کا اتفاق ہے کہ 'ولایت' جس کے لغوی معنی سرپرستی کے ہیں وہ مختلف قسم کی ہوسکتی ہے: اس کا بالاترین مرتبہ ''ولایت تکوینی'' ہوتا ہے۔ جس سے مراد وہ اختیار ہے جس کی بدولت ولایت تکوینی کا حامل انسان کائنات کی تمام چیزوں میں تصرف کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں خداوند عالم جس انسان کو ولایت تکوینی دیتا ہے اسے یہ حق دیتا ہے کہ وہ مرضیٔ خدا سے مخلوقات کی ماہیت، خلقت اور طینت کو تبدیل کردے۔ مثلاً اگر چاہے تو چاند کے دوٹکڑے کردے یا ڈوبتے ہوئے سورج کو پلٹادے وغیرہ وغیرہ۔ ایسا انسان اس بات پر بھی قادر ہوتا ہے کہ وہ اس کائنات میں پائے جانے والے قدرتی اور طبیعی قوانین کو تبدیل کرسکے۔ مثلاً زمین کی کشش خدا کا بنایا ایک قدرتی قانون ہے لیکن ولایت تکوینی کا مالک اگر چاہے تو اس کشش کو کم یا زیادہ کرسکتا ہے یا پھر ختم کرسکتا ہے۔

شیعہ علماء اس بات کے بھی معتقد ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں مثلاً انبیاءؑ ائمہؑ اور اولیاءؑ کو ہی ولایت تکوینی سے نوازتا ہے۔ نیز ان کا کہنا ہے کہ ولایت تکوینی ایک عینی حقیقت رکھتی ہے۔یعنی ولایت تکوینی کے مالک افراد ماہیت وخلقت کے اعتبار سے بقیہ بندوں سے جدا ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے اندر ولایت تکوینی ودیعت کرتا ہے۔ وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ انبیاؑء اور ائمہؑ جو معجزے یا کرامات دکھاتے ہیں وہ اسی ولایت تکوینی کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔[۱]

ولایت کی دوسری قسم کو 'ولایت تشریعی' کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کا درجہ ولایت تکوینی سے کم

ہوتا ہے اور اس ولایت کے حامل شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کے لئے شرعی قوانین وضع کرے یعنی لوگوں کو یہ بتائے کہ انہیں کون سا عمل انجام دینا ہے او رکون سا نہیں۔ البتہ ولایت کی اس دوسری قسم کی تعریف کو شیعہ علماء نے الگ الگ طریقوں سے پیش کیا ہے۔ بعض کی نگاہ میں اس کا مفہوم کچھ ہے تو بعض کی نگاہ میں کچھ۔ اسی طرح کسی نے اس کے لئے کچھ دائرہ معین کیا ہے تو کسی نے کچھ۔ اور بعض نے تو اس کی بھی مختلف قسمیں کردی ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ ولایت تشریعی اگر چہ ایک اعتباری شئے ہے یہاں اعتباری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا حامل انسان پیدائشی طور پر دوسروں سے مختلف نہیں ہوتا بلکہ اسے یہ ولایت ایک عہدے اور منصب کے طور پر اللہ کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔مگر اس کی بھی دو قسمیں ہیں: ولایت تشریعی ۲ شہید مطہریؒ نے ولایت تشریعی کے اقسام کو ذرا مختلف الفاظ میں بیان کیا ہے جیسے کہ ولاء امامت و پیشوائی روحانی اور ولاء زعامت ورہبری اجتماعی ۳

لیکن بعض علماء کا کہنا ہے کہ چونکہ اسلام میں قانون سازی تین طرح سے ہوتی ہے اس لئے ولایت تشریعی کی بھی تین قسمیں یا تین مرحلے ہوتے ہیں پہلا مرحلہ فرائض الٰہی کا ہوتا ہے۔ یہ وہ بنیادی قوانین ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے خود بنایا ہے اور جن کا ذکر اس نے اپنی کتاب قرآن مجید میں پوری صراحت کے ساتھ کر دیا ہے۔ان قوانین میں تبدیلی کا حق کسی کو نہیں ہوتا ہے یہاں تک کہ پیغمبر اسلامؐ کو بھی نہیں، البتہ ایسے علماء یہ ضرور مانتے ہیں کہ موضوع میں تبدیلی کے سبب ایسے قوانین کا وقتی طور پر اٹھالیا جانا الگ بات ہے اور یہ حق جناب رسولؐ خدا کو حاصل تھا لیکن یہ بات ثانویہ کے زمرے میں آتی ہے دوسرے مرحلے میں جناب رسالت مآبؐ کے ذریعہ بنائے گئے وہ قوانین ہیں جو وجوب کی ہی حیثیت رکھتے ہیں اور ان میں تبدیلی کا حق سوائے رسول خداؐ کے کسی کو نہیں۔ مثلاً زکوٰۃ کا حکم صرف نو چیزوں پر لگایا جانا۔ یہ قانون گر چہ نبیؐ نے بنایا تھا مگر اس میں بھی تبدیلی کا حق کسی کو نہیں۔ تیسرا مرحلہ یا تیسری قسم ان قوانین کی ہے جن کا تعلق حکومت اور منصب حاکمیت سے ہوتا ہے۔ یہ وہ قوانین ہیں جو وقت وضرورت کے لحاظ سے بدلتے رہتے ہیں اور ان کو بنانے کا حق ہر حاکم عادل کو ہوتا ہے خواہ وہ رسولؐ خدا ہوں یا ائمہ طاہرینؑ یا ان کا مقرر کردہ۔ جسے اصطلاح میں نائب خاص یا نائب عام کہتے ہیں (معصومینؑ کا نائب خاص وہ شخص ہوتا ہے جسے وہ حضراتؑ نام لیکر اپنا نمائندہ معین کرتے ہیں مثلاً جناب مالک اشتر جنہیں حضرت علی علیہ السلام نے مصر کا گورنر بنایا تھا۔

جبکہ نائب عام معصومینؑ کا وہ نمائندہ ہوتا ہے جس کی آئمہ صرف صفات شرائط بیان کردیتے ہیں مگر نام لیکر اسے معین نہیں کرتے مثلاً زمانہ غیبت میں وہ فقیہ جس کی صفات کا ذکر احادیث میں آیا ہے جس کو بعبارت دیگر فقیہ جامع الشرائط کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔اس تیسرے قسم کے قوانین کے سلسلہ میں ہر حاکم کی حیثیت بھی یکساں ہوتی ہے۔ یعنی جناب رسولخداؐ، ائمہ طاہرینؑ اور ان کا نائب خاص یا پھر نائب عام، سب کے سب برابر حیثیت کے مالک ہوتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اس تیسرے قسم کی ولایت کا دائرہ ہر عادل ، حاکم اسلامی کے لئے یکساں ہوتا ہے اور اس میں حاکم کے رتبہ اور منزلت کا کوئی فرق نہیں ہوتا۔ ۴؎

مزید وضاحت کے لئے امام خمینیؒ کی بیان کردہ ایک مثال کو پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جس میں انہوں نے بڑی خوبصورتی سے یہ بیان کیا ہے کہ تیسرے قسم کی ولایت میں حاکم کے رتبہ اور مقام سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں'' یہ گمان کہ جناب رسول خداؐ کے حکومتی اختیارات، حضرت علیؑ کے حکومتی اختیارات سے زیادہ تھے یا حضرت علیؑ کے حکومتی اختیارات ، فقیہ کے حکومتی اختیارات سے زیادہ ہوتے ہیں ایک باطل اور غلط گمان ہے۔ البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ رسالت مآبؐ کی فضیلت ، پوری کائنات سے زیادہ ہے اور اس کے بعد حضرت علیؑ کے فضائل ہر انسان سے زیادہ ہیں ۔لیکن (کسی کے) باطنی فضائل، اس کے حکومتی اختیارت میں اضافہ نہیں کرتے....مثلاً جملہ امور میں سے ایک ذمہ داری جو فقیہ اپنے اوپر لیتا ہے وہ اسلامی سزاؤں کا نفوذ ہے۔ مگر یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ کیا اسلامی سزاؤں کے دئے جانے میں رسولؐ، امامؑ یا فقیہ میں کوئی فرق ہوتا ہے؟ آیا ایسا ہے کہ چونکہ فقیہ کا رتبہ کم ہوتا ہے لہٰذا وہ کم سزا دے گا؟ اور کیا ایسا ہے کہ اسلام نے اگر زانی کی سزا ۱۰۰ تازیانے معین کی ہے تو اگر رسولؐ وہ سزا دیں گے تو ۱۵۰ تازیانے ہوگی اور اگر امیرالمومنینؑ وہ سزادیں گے تو ۱۰۰ تازیانے ہوگی اور ایک فقیہ وہ سزا دیں گے تو ۵۰ تازیانے ہوگی؟ یا پھر ایسا ہے کہ حاکم یا قوہ اجرائیہ کے نگراں کی ذمہ داری صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ حد خدا کو جاری کرے خواہ وہ جناب رسول خداؐ ہوں خواہ جناب امیر المومنینؑ ہوں یا ان کا کوئی نمائندہ یا منصوب کیا کوئی قاضی یا پھر آج کے دور کا فقیہ؟ ....'' ۵؎

سردست یہ بتا دینا لازمی ہے کہ اس تیسرے قسم کی ولایت تشریعی کو علماء نے مختلف نام دئے ہیں مگر ہر ایک کی مراد ایک ہے اور ہر ایک اس بات کا قائل ہے کہ خدائی قوانین کو نافذ کرنے کے

سلسلے میں ایک غیر معصوم مگر عادل، حاکم کے اختیارات، ایک معصوم حاکم سے کم نہیں ہوتے۔

ولایت تکوینی اور پھر ولایت تشریعی کے تین مرحلوں کی وضاحت کے بعد اصل موضوع کی طرف رجوع کرتے ہوئے یہ دیکھنا ہے کہ ولی فقیہ کا دائرہ اختیار کتنا وسیع یا تنگ ہوتا ہے اور اس سلسلہ میں موضوع پر تو اختلاف پایا جاتا ہے کہ فقیہ کی ولایت کا دائرہ کتنا وسیع ہوتا ہے مگر اصل ولایت سے کسی نے انکار نہیں کیا ہے۔ یعنی سبھی یہ مانتے ہیں کہ مجتہد کو ایک قسم کی ولایت وسر پرستی کا حق حاصل ہوتا ہے اور اس کے حکم کی تعمیل ضروری ہوتی ہے۔ لہٰذا ہمیں کسی بھی شخص یا مجتہد کو منکر ولایت کہنے سے قبل اس کے نظریات کا بخوبی مطالعہ کرنا چاہئے اور اس سلسلہ میں زبان کھولنے سے پہلے سو بار سوچنا چاہئے۔

جہاں تک ولی فقیہ کے اختیارات کا تعلق ہے تو یہ کوئی نیا موضوع نہیں ہے کیونکہ آج سے تقریبا ۲۲۰ سال پہلے شیخ مرتضٰی انصاریؒ نے بھی فقیہ کے اختیارات پر روشنی ڈالی تھی۔ چنانچہ آیت اللہ جوادی آملی نے ان کے قول کو اس طرح نقل کیا ہے۔ ''گرشتہ روایات سے یہ بات ظاہر ہوجاتی ہے کہ فقیہ کا حکم احکام شرعیہ کی تمام خصوصیات میں نیز تمام موضوعات اور ان کی خصوصیات کے سلسلہ میں نافذ ہوتا ہے۔ کیونکہ عمر بن حنظلہ کی روایت مقبولہ میں استعمال ہوئے لفظ 'حاکم' سے متسلط مطلق' کی ہی طرف تبادر ہوتا ہے۔ چونکہ امام علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ'' فانّی قد جعلته علیکم حاکماً''۔٦

اسی طرح انہوں نے صاحب جواہر الکلام کا یہ قول بھی نقل کیا ہے۔'' ممّا یظهر بأدنی تأمل فی النّصوص وملاحظّتهم حال الشیعه وخصوصاً علماء الشیعه فی زمن الغیبة والخفا، بالتوقیع الّذی، جاء الٰهی مفید من ناحیة المقدسة وما اشتمل علیه من التبجیل والتعظیم بل لولاعموم الولایه لبقی کثیر من الامور المتعلقه بشیعتهم معطله...''

ترجمہ: معصومینؑ سے صادرات اور ان حضرات کی اپنے شیعوں کی توجہ کے بارے میں ذرا بھی غور کرنے سے یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ (فقہ) ولایت عمومی رکھتا ہے خاص طور پر زمانۂ غیبت میں امام زمانہؑ کی بارگاہ اقدس سے شیخ مفید کے نام آئے خط اور اس میں امت کے مسائل کو دی گئی

اہمیت سے بھی یہ بات واضح ہوجاتی ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر (فقیہ کی) ولایت عمومی نہ ہوگی تو ائمہ طاہرینؑ کے شیعوں سے متعلق بہت سے امور بیکار اور بے اثر ہوجائیں گے۔

گزشتہ سطروں میں مذکور شیخ انصاریؒ اور صاحب جواہر کے کلمات سے یہ تو پتہ چل جاتا ہے کہ ان کی نگاہ میں زمانہ غیبت میں فقیہ کی ولایت و سرپرستی کا دائرہ بہت وسیع تھا مگر یہ نہیں معلوم ہو پاتا کہ فقیہ کے ذریعہ بنائے گئے قوانین کی حیثیت ان کی نگاہ میں کیا تھی؟

ان دو بزرگ علماء کے اقوال کے بعد جس عظیم عالم کا قول یہاں نقل کرنا مقصود ہے وہ علاّمہ محمد حسین نائینی: (متوفی ۱۹۳۶ء) ہیں۔ ان کا شمار درجہ اول کے مجتہدین میں ہوتا ہے ۔ یہ اپنے زمانے کے مرجع تقلید اور بہت بلند پایہ کے عالم تھے۔ انھوں نے سیکڑوں مجتہدین کی تربیت کی اور بعد میں ان کے بہت سے شاگرد مرجع تقلید بنے۔ اور غالبًا یہ وہ پہلے شیعہ مجتہد تھے جنھوں نے اس موضوع پر سب سے زیادہ تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور ایک پوری کتاب مرتب کی ہے۔علاّمہ نائینیؒ نے اپنی کتاب 'تنبیہ الامّہ وتنزیہ الملّہ' میں شیعہ علماء کی توجہ اس بات کی طرف بھی دلانی چاہی ہے کہ زمانے کی تبدیلیوں کے سبب اسلام کے سیاسی نظام میں بھی تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔ ان کے مخاطب در اصل وہ علماء تھے جن کا ماننا تھا کہ احکام شرعیہ کے ہوتے ہوئے ہمیں کسی قانون ساز ادارے یا پارلیامنٹ کی ضرورت نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اگر اس قانو ساز ادارہ کے ذریعہ بنائے گئے قوانین، قرآن وسنت کے عین مطابق ہوں گے تو یہ تحصیل حاصل ہوگا اور اگر قوانین، قرآن وسنت کے مخالف ہوں گے تو یہ ایک قسم کی بدعت ہوگی ،اور بدعت اسلام میں حرام ہے۔آقائے نائینیؒ نے ایسے افراد کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر غور سے دیکھا جائے تو حکومتی کام مثلاً سماج میں نظم ونسق کو برقرار رکھنا، اسلامی ملک کو دشمنوں کو بچانا اور سماجی معاملات کو باقاعدگی سے دیکھنا وغیرہ در اصل دو قسم کے ہوتے ہیں: پہلے وہ جن کا تذکرہ دینی متون میں پہلے ہی سے موجود ہے ۔ چنانچہ ان امور میں تمام انسانوں کی ذمہ داری بھی پوری طرح سے معین ہوچکی ہے ۔مگر دوسری قسم کے امور وہ ہیں جن کا ذکر دینی متون (جیسے قرآن وحدیث) میں نہیں ہوا ہے ۔ نتیجتاً ان کو کسی ضابطہ کے تحت معین بھی نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا ان کا دارومدار بھی حاکم (عادل) کی صواب دید اور اس کے ذاتی فیصلہ پر ہوتا ہے۔[۷]

علاّمہ نائینی کے بعد جس جلیل القدر اور فلسفی کا قول یہاں نقل کرنا لازمی معلوم ہوتا ہے وہ

علامہ محمد حسین طباطبائی (متوفی ۱۹۸۲ء) ہیں۔ ان کے بقول اسلام نے ایسے قوانین اور طریقہ کار کو مدنظر رکھا ہے جو نوع انسانیت کی فلاح کے بہترین ضامن ہیں اور جدید زندگی کی ضرورتوں کو پورا کرنے کو یقینی بناتے ہیں۔ دوسری طرف وہ تسلیم کرتے ہیں کہ گذشتہ صدیوں میں انسان کی زندگی بیحد سادہ تھی مگر آج وہ بہت پیچیدہ بن چکی ہے: کام بہت ٹیکنکل بن چکا ہے جس کے نتیجے میں ہر میدان میں مختلف شعبے پیدا ہوگئے ہیں۔ مذکورہ دونوں باتوں (یعنی اسلام کا تاقیام قیامت باقی رہنا اور زمانے کی تبدیلیوں کے ساتھ انسانی ضرورتوں کا بدلنا) کے مدنظر علامہ طباطبائی نے نوع انسانیت پر حاکم قوانین کو دو طبقوں میں تقسیم کیا ہے: پہلے وہ قوانین جو زمان ومکان کے بدلنے کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ یعنی جیسے جیسے انسانی تہذیب ترقی کرتی جاتی ہے ان میں تبدیلی آتی جاتی ہے اور دوسرے وہ قوانین جو نہ تو بدلتے ہیں اور نہ ہی منسوخ ہوتے ہیں کیونکہ ان کا تعلق انسان کی نہ بدلنے والی فطرت سے ہوتا ہے۔۸

میرزا نائینی اور علامہ طباطبائیؒ کے اقوال سے یہ بات کسی حد تک واضح ہوجاتی ہے کہ یہ دونوں ہی ہستیاں اس بات کی قائل تھیں کہ وہ تمام قوانین کہ جنہیں قوانین شریعت کہا جاتا ہے، ثابت ہیں اور ان میں تبدیلی نہیں آتی۔ اس کے بعد ہم شہید مرتضٰی مطہریؒ کے قول کو نقل کرنا چاہیں گے کیونکہ علاّمہ طباطبائی کے شاگرد ہونے کے سبب انہوں نے ہی علامہ طباطبائیؒ کے نظریات کو آگے بڑھایا۔ مگر استاد اور شاگرد کے نظریات میں اتنا فرق ضرور تھا کہ شاگرد (یعنی شہید مطہریؒ) کا ماننا تھا کہ نہ تو اسلام پوری طرح سے لایتغیر ہے کہ جس کے سبب اس کے قاعدے اور قوانین میں تبدیلی نہ آسکے اور نہ ہی وقتی ضرورتیں ایسی ہیں جو ہمیشہ بدلتی رہیں۹

اس کے علاوہ استاد اور شاگرد کے نظریات میں ایک فرق اور تھا۔اور وہ یہ کہ شاگرد اس بات کے قائل تھے کہ اسلام کے قوانین منصوبہ بھی بدل سکتے ہیں۔ یعنی جن اسلامی قوانین کا ذکر صراحت کے ساتھ قرآن وحدیث میں ہوا ہے ان میں بھی وقت کے ساتھ تبدیلی کی گنجائش پائی جاتی ہے ۔مگر اتنا ضرور ہے کہ کسی باہری طاقت (مثلاً کسی عالم یا کمیٹی) کو اس میں ترمیم کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ وجہ یہ ہے کہ پیکر اسلام اپنے اندر ایک ایسا سسٹم سموئے ہوئے جو خود بخود اپنے اندر تبدیلیاں کرتا رہتا ہے۔ اور علماء وفقہاء کا کام تو صرف اتنا ہوتا ہے کہ وہ اس تبدیلی کو معلوم کریں۔۱۰

ایک مقام پر شہید مطہری فرماتے ہیں

''یہ وہی جگہ ہے کہ جہاں پر فقہاء اور مجتہدین پر واجب ہوجاتا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے حالات و ضروریات کو پہچانیں یعنی مختلف زمانے کے اہم ومہم کو پہچانیں۔اور یہ طے ہے کہ اگر وہ ان باتوں کو پہچانیں گے تو بہت سی ایسی مشکلات جو آج ہمارے سامنے آتی ہیں اور جو واقعاً بہت مشکل ہیں اور جن کا راستہ مسدود ہوتا نظر آتا ہے، وہ برطرف ہوجائیں گی۔ یہ ایک راہ حل ہے اسلام کا عصری تقاضوں کے ساتھ منطبق ہونے کا یعنی اسلامی قوانین میں تبدیلی کا۔لیکن یہاں مراد ایسی تبدیلی ہے جو نسخ کا درجہ نہ رکھتی ہو بلکہ ایسی تبدیلی جس کی اجازت خود اسلام نے دی ہے۔ اسلام نے اپنے قوانین کو اس طرح بنایا کہ یہ جس کے نتیجے میں مختلف زمانوں ، جگہوں اور حالات میں وہ قوانین خود ہی بدلتے رہتے ہیں''۔[۱۱]

ان تمام نظریات کو پیش کرنے کے بعد اب ہم اس بارے میں امام خمینیؒ کا نظریہ پیش کرنا چاہیں گے کہ جو اگر غور سے دیکھا جائے تو گزشتہ تمام نظریات سے ایک قدم آگے ہے۔ امام خمینیؒ معتقد تھے کہ ولی فقیہ کے اختیارات ،شریعت کے دائرے میں محدود نہیں ہوتے ہیں۔یعنی ایسا نہیں کہ ولی کو صرف شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے قوانین بنانے اور احکام صادر کرنے کا حق ہوتا ہے۔ بلکہ اس کا دائرہ اختیار اس سے کہیں زیادہ وسیع ہوتا ہے۔ البتہ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ'' شریعت کے دائرے میں محدود نہ رہنے' کا مطلب یہ نہیں کہ ولی فقیہ کے بنائے قوانین کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہوتا بلکہ مراد یہ ہے کہ اگر کسی موقع پر ان کا احکام شرعیہ میں جن کا تذکرہ قرآن وسنت میں ہوا ہے اور ولی فقیہ کے ذریعہ بنائے ہوئے قوانین میں تضاد پیدا ہوتو ولی فقیہ کے بنائے قوانین کو فوقیت دی جائے گی۔ اور یہ بات چندی ہی سطروں بعد امام خمینیؒ کے کلام اور ان کی دی مثالوں سے ثابت ہوجائے گی۔

یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ جب ہم ولایت فقیہ کے موضوع پر امام خمینیؒ کے نظریات کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے ولایت فقیہ کے موضوع پر مختلف مقامات پر گفتگو کی ہے۔ مثلاً نجف اشرف میں'' ولایت فقیہ: حکومت اسلامی، کے موضوع پر دیئے گئے ان کے دروس ۔ اور اسی طرح '' کتاب البیع '' کے ضمن میں اختیارات ولی فقیہ پر کی گئی ان

کی گفتگو، مگر ان تمام بیانات کے درمیان ان کا سب سے اہم اور واضح بیان وہ ہے جو ان کے انتقال پر ملال سے تقریباً ڈیڑھ سال پہلے ایک خط کی شکل میں منظر عام پر آیا۔ یہ خط انہوں نے اس زمانے کے صدر جمہوریہ اور آج کے رہبر انقلاب حضرت آیت اللہ خامنہ ای مدظلہ کے نام لکھا تھا۔ قصہ اس طرح تھا کہ پہلے امام خمینیؒ نے شورای نگہبان کو مخاطب کرکے ولایت مطلقہ کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا اور پھر اگلے ہی ہفتے نماز جمعہ کے خطبوں میں آقائے خامنہ ای مدظلہ نے نماز گزاروں سے فرمایا کہ ولایت مطلقہ فقیہ سے امام خمینیؒ کی مراد یہ تھی کہ دائرہ شریعت میں رہتے ہوئے ولی یا حکومت کو قوانین بنانے کا اختیار ہوتا ہے۔ مگر جیسے ہی امام خمینیؒ کو اپنے کلام کی اس تشریح کی اطلاع ملی انہوں نے فوراً ایک خط آیت اللہ خامنہ ای کے نام لکھا اور یہ بتایا کہ وہ اپنے کلام کی اس تشریح وتفسیر سے متفق نہیں جو نماز جمعہ میں پیش کی گئی۔ مذکورہ خط میں امام خمینیؒ نے تحریر فرمایا کہ: نماز جمعہ میں آپ کے بیانات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ حکومت کو اس ولایت مطلقہ کے معنیٰ میں کہ جو اللہ کی جانب سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا ہوئی تھی اور جو فرامین خدا میں سب سے اہم ہے اور تمام احکام شرعیہ پر تقدم رکھتی ہے، صحیح نہیں سمجھتے۔ اور آپ کا یہ فرمانا کہ میری مراد یہ تھی کہ حکومت، احکام خدا کے ڈھانچے میں رہتے ہوئے ہی سارے اختیار رکھتی ہے، میرے نظریات کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ اگر حکومت کے اختیارات احکام فرعیہ کے ڈھانچے میں محدود ہوتے تو پھر پیغمبر اسلامؐ کو حکومت الٰہیہ کا دیا جانا اور ولایت مطلقہ کا ان کے سپرد کیا جانا بے معنیٰ اور بے مقصد ہوجاتا۔ اور اب میں اس فرض کے نتائج کی طرف اشارہ بھی کیے دیتا ہوں کہ جن کا قائل (میری نگاہ میں) کوئی انسان نہیں ہوسکتا۔ مثلاً ایسی سڑک کا بنانا کہ جس میں کسی کا گھر یا اس کے ایک حصے کو گرانے کی ضرورت پڑے، یہ کام یعنی کسی کے گھر کو گرانا) احکام فرعیہ کے دائرے میں نہیں آتا۔ اسی طرح لوگوں کے محاذ جنگ پر جانے کو لازمی بنانا، دوسرے ملکوں کی کرنسی کے ملک میں آنے اور جانے پر پابندی لگانا، اور دو تین موارد کو چھوڑ کر بقیہ موارد میں ذخیرہ اندوزی کو روکنا، کسٹم اور مالیات، گرانفروشی کو روکنا، قیمتیں معین کرنا، نشہ آور اشیاء پر پابندی اور شراب کو چھوڑ کر ہر قسم کے نشے اور بُری عادت پر پابندی لگانا، اسلحوں کو اپنے ساتھ لے کر چلنے پر پابندی لگانا اور اس طرح کی سیکڑوں مثالیں جن کے بارے میں قانون بنانا حکومت کے اختیارات میں ہوتا ہے، آپ کی تفسیر کے مطابق حکومت کے دائرۂ اختیار سے باہر ہوگا۔ میں یہ بتادوں جو کہ رسول خداؐ کی ولایت مطلقہ کا ایک شعبہ

ہے، اسلام کے احکام اولیہ میں سے ایک ہے، تمام احکام فرعیہ یہاں تک کہ نماز، روزہ اور حج پر بھی فوقیت رکھتی ہے۔ حاکم کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ اگر کوئی مکان کسی سڑک کے بیچ پر رہا ہو تو وہ اسے ڈھادے اور اس کی قیمت اس کے مالک کو ادا کردے، حاکم کو یہ حق ہے کہ ضرورت پڑے تو کسی مسجد کو بند کردے اور ایسی مسجد ضرار کہ جس کو ڈھائے بغیر کام نہ چلتا ہو تو اسے مسمار کردے، حکومت کو حق حاصل ہوتا ہے کہ اس نے جو شرعی معاہدے عوام کے ساتھ کیے ہیں اگر ملک کے مفاد کے خلاف ہوں تو انہیں یک طرفہ طور پر منسوخ کردے، اور اسے حق حاصل ہوتا ہے کہ ہر وہ عمل خواہ عبادی ہو یا غیر عبادی اگر مفاد اسلام کے خلاف ہو تو اسے اس وقت تک کے لئے کہ جب تک وہ مفاد اسلام کے خلاف رہے، روک دے۔ حکومت چاہے تو حج جو کہ خدا کے اہم فرائض میں سے ہے۔ اس پر ان موقعوں پر کہ جب وہ اسلامی مملکت کے مفاد میں نہ ہو، پابندی لگادے۔ (اور لوگوں کی جانب سے ولایت فقیہ کے بارے میں) اب تک جو کچھ بیان ہوا ہے یا بیان کیا جارہا ہے وہ (ان کے) ولایت مطلقہ الٰہی سے ناواقف ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ [۱۲]

امام خمینیؒ کی اس تحریر سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ ولی فقیہ (کہ جسے اگر 'حکومت اسلامی' کہا جائے تو بہتر ہوگا کیونکہ خود امام خمینیؒ نے بھی کئی مقامات پر اسی لفظ کا استعمال کیا ہے) کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ ان امور میں جن کا تذکرہ واضح طور پر قرآن وحدیث میں نہیں ہوا ہے، اپنی جانب سے قانون بنائے۔ نیز جن امور میں حکم شرعی پہلے سے بیان ہوچکا ہے، ان میں مصلحت عامہ اور مفاد اسلام کے پیش نظر تبدیلی کرے یا پھر انہیں کچھ عرصہ کے لئے موقوف کردے۔ البتہ ممکن ہے کہ اس نکتہ تک پہنچتے پہنچتے کسی شخص کے ذہن میں درج ذیل دو سوال پیدا ہوں:

۱۔ وہ اسلام جو زندگی کے ہر گوشے میں انسان کی رہنمائی کا دعویٰ کرتا ہے، کیا اس نے انسانی زندگی سے متعلق کچھ معاملات میں خاموشی اختیار کی ہے جس کے نتیجے میں فقیہ کو اس بات کی ضرورت پڑتی ہے کہ وہ ان کے بارے میں قانون وضع کرے؟ یعنی آیا اسلام ایک مکمل دین نہیں ہے؟ (یہ ایک طولانی موضوع ہے کہ جسے اصطلاح میں 'منطقۃ الفراغ' کہتے ہیں۔

۲۔ ولی فقیہ کی حیثیت اسلام میں کیا ہوتی ہے؟ کیا وہ جناب رسول خداؐ اور ائمہ طاہرینؑ کا ہم پلہ ہوتا ہے؟ ثانیاً اس کے بنائے قوانین کی دینی حیثیت کیا ہوتی ہے؟ اسے قوانین بنانے کا اختیار ہوتا ہے یا پھر صرف قوانین کو سمجھنے اور ان کا استنباط کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے؟

جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے تو اس کے متعدد جواب دئے گئے ہیں۔ مثلاً بعض لوگوں نے کہا ہے کہ آیۂ اکمال دین کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلام دین کامل ہے اور اس نے ایسی کوئی چیز نہیں چھوڑی کہ جس کا حکم اور قانون بیان نہ کردیا ہو، خواہ وہ حکم بہ شکل عموم یا اطلاق ہی کیوں نہ ہو یا پھر بہ شکل اصول عملیہ کیوں نہ ہو۔ لہٰذا قرآن وحدیث کے ہوتے ہوئے کسی کے لئے قانون وضع کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ مگر بعض علماء کا ماننا ہے کہ آیۂ اکمال دین خود ہی اس بات کی دلیل ہے کہ ہر چیز کا حکم قرآن وسنت میں بیان نہیں ہوا تھا۔ اور وہ اس طرح کہ یہ آیت اعلان ولایت کے موقع پر نازل ہوئی تھی۔ یعنی خداوند عالم نے اشارتاً لوگوں کو بتادیا کہ جن چیزوں کا حکم قرآن وسنت میں نہیں ہے ان کے بارے میں حکم یا قانون بنانے کا اختیار 'ولی' کو ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں یہ بات اسی طرح ہے کہ بالفرض اگر اس کائنات میں ایک کروڑ موضوعات ہوں تو ان میں سے ایک حصے سے متعلق قوانین اللہ تعالیٰ نے قرآن وسنت کے ذریعہ لوگوں کو بتادئے اور بقیہ کے بارے میں وضع قوانین کا ذمہ حاکم کو دے دیا کہ وہ وقت کی ضرورت کے اعتبار سے انہیں بنائے۔ اس دوسرے نظریے کے مطابق ولایت کو نماز، روزہ اور حج وغیرہ کے عرض میں ایک حکم مانا جاتا ہے یعنی نماز، روزہ کی طرح ایک چیز۔

مگر علماء کا ایک تیسرا گروہ ہے جو اس بات کا قائل ہے کہ نہ صرف اللہ نے بعض موضوعات کے احکام کو وضع کرنے کا حق، حاکم یا ولی کو دیا ہے بلکہ ولی کے ذریعہ وضع کئے گئے قوانین بقیہ شرعی قوانین جیسے نماز، روزہ اور حج وغیرہ پر فوقیت بھی رکھتے ہیں۔ نتیجتاً اگر کسی موقع پر نماز یا روزہ سے متعلق کوئی حکم، ولی کے بنائے کسی حکم سے ٹکرا جائے تو ولی کے بنائے حکم کو فوقیت دی جائے گی۔ البتہ اس موقع پر کسی کو یہ اعتراض نہیں ہونا چاہئے کہ کیسے ممکن ہے کہ حاکم اسلامی کا بنایا قانون، خدا کے بنائے قانون پر تقدم رکھتا ہو، کیونکہ اسی طرح ولایت ہمیں دوسرے مقامات پر بھی نظر آتی ہے مثلاً اللہ کے بنائے قانون کے تحت مسجد میں نماز پڑھنا مستحب ہے لیکن اگر ایک باپ اپنے بیٹے کو مسجد میں نماز پڑھنے سے روکے تو اس بارے میں تمام علماء کا اتفاق ہے کہ بیٹے پر باپ کے حکم کا ماننا واجب ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ باپ اپنے بیٹے پر ولایت رکھتا ہے اور یہ قانون ولایت بھی اللہ کا بنایا ہوا ہے۔ ٹھیک اسی طرح اگر حاکم اسلامی، مفاد اسلامی کے مدنظر کسی سال لوگوں کو حج پر جانے سے روک دے تو اس کے حکم کی تعمیل سب پر ضروری ہوگی حالانکہ حج کی بجا آوری کا حکم اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ حاکم

ولایت وسرپرستی کا قانون بھی اللہ کا بنایاہوا ہے اور یہ دیگر تمام فقہی قوانین پر فوقیت رکھتا ہے۔

ان تینوں جوابات وتشریحات کو پیش کرنے کے بعد یہ عرض کردینا ضروری ہے کہ جہاں تک ہم نے سمجھا ہے امام خمینیؒ اسی تیسرے نظریے کے قائل تھے۔ رہا دوسرا سوال کہ آیا ولی فقیہ، رتبہ اور مقام میں جناب رسول خداؐ اور ائمہ طاہرینؑ کا ہم پلہ ہوتاہے تو اس بات کی تردید خود امام خمینیؒ نے کردی تھی وہ فرماتے ہیں: جب ہم یہ کہتے ہیں کہ جو ولایت جناب رسول خداؐ اور ائمہؑ معصومین کو حاصل تھی وہی ولایت زمانۂ غیبت میں فقیہ عادل کو حاصل ہوتی ہے، تو کوئی یہ گمان نہ کرے کہ فقہاء کی منزلت وہی ہے جوائمہ علیہم السلام کی تھی یاجورسولؐ خدا کی تھی۔ کیونکہ یہاں رتبہ اور منزلت کے بارے میں گفتگونہیں بلکہ ذمہ داریوں کے بارے میں گفتگو ہے۔ ولایت کا مطلب ہے کہ حکومت کرنا، ملک کو چلانا اورقوانین شریعت کو نافذ کرنا، جو ایک وزنی اور اہم ذمہ داری ہے۔ اور ایسا نہیں ہے کہ یہ ذمہ داری یعنی ولایت وحکومت انسان کے واسطےکوئی غیرمعمولی مقام وشان پیدا کردے اور اسے معمولی انسانوں کی حد سے بلند کردے۔ دوسرے لفظوں میں جو ولایت ہمارے پیش نظر ہے یعنی حکومت ،نگرانی اورقوانین کا نفوذ، وہ بہت سے لوگوں کے تصور کے برخلاف کسی قسم کا امتیازنہیں بلکہ ایک عظیم ذمہ داری ہے۔[۱۳]

اب رہا آخری سوال کہ ولی فقیہ کا کام قانون بناناہوتاہے یا قانون کوسمجھنا ہوتاہے؟ یعنی آیا ولی فقیہ ان قوانین کا استنباط واستخراج کرتاہے جو پہلے سے ہی قرآن وسنت میں بیان ہوچکے ہیں خواہ مطلق وعموم کی شکل میں خواہ اصول عملیہ کی شکل میں یا پھر ولی فقیہ وقت کے تقاضوں اور مفاد اسلام کے مدنظر ازطرف خود قانون بناتاہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ایک مجتہد ہونے کی حیثیت سے اگرچہ پہلے مرحلے میں فقیہ کا کام، قرآن وسنت سے احکام کا استنباط واستخراج ہی ہوتا ہے مگر جب وہ انہی حاصل شدہ احکام کو بحیثیت حاکم پیش کرتاہے تو وہ قوانین کی شکل اختیار کرلیتے ہیں۔ یعنی پھر ان کا ماننا رعایا کے لئے ضروری ہوجاتاہے۔ اور ہم یہ بتادیں کہ یہیں سے ایک مرجع تقلید اور ولی فقیہ کا فرق بھی واضح ہوجاتاہے۔ ایک مرجع تقلید (جو کہ مجتہد ہوتاہے) کا کام قرآن وسنت کی روشنی میں احکام کا سمجھنا، جاننا اور پھر انہیں فتاویٰ کی شکل میں پیش کرنا ہوتاہے جبکہ ولی فقیہ، حاکم ہونے کے سبب نہ صرف قوانین بناتاہے بلکہ انہیں نافذ بھی کرتاہے۔

حوالے:

۱۔مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: فقیہ، از امام خمینیؒ ،ص ۵۸:'ولائہا وولایت ہا، از شہید مطہری: ،ص ۵۶۔۶۴،

۲۔مقالۂ ولایت واقسام آن ،از جوادی آملی ،ص ا، پایگاہ حوزہ hawzah.net۔

۳۔حکومت درقرآن، از دکتر احمد بہشتی،ص ۱۷۷،' مقالہ ولایت واقسام آن' از جوادی آملی، پایگاہ حوزہ: وغیرہ

۴۔' ولائھا وولایت ہا' از شہید مطہری ،ص ۴۶،۵۰

۵۔مجلّہ پاسداراسلام ،شمارہ ۴۷،مقالۂ 'ولایت فقیہ۔قسمت اوّل'

۶۔ولایت فقیہ، امام خمینی ،ص ۵۵و۵۶

۷۔ مقالۂ 'ولایت واقسام آن، جوادی آملی ، پایگاہ حوزہ بہ نقل از کتاب القضاء شیخ انصاریؒ

۸۔ Muslim Identity in the 21st Century, M.S. Bahmanpour, P.6-7

۹۔مجموعہ مقالات وپرسش ہا وپاسخ ہای علاّمہ طباطبائی ،ص ۶۲،۷۰ و ۷۵

۱۰۔ اسلام ومقتضیات زمان، انتشارات صدرا

۱۱۔اسلام ومقتضیات زمان، ج۱،ص۲۳۹۔۲۴۱ وص ۲۵۵

۱۲۔ اسلام ومقتضیات زمان، ،ج ۲ ص ۲۶

۱۳۔صحیفۂ نور ،ج ۲،ص۴۵۱۔۴۵۲

۱۴۔' ولایت فقیہ'، امام خمینیؒ ،ص ۵۵۔۵۶

☆

عصر حاضر میں ولایت فقیہ

شباب رضا نجمی

مرجع تقلید،مقلد یا مراجع کرام کی اصطلاح، زبان زد عام و خاص ہے، لیکن ولی فقیہ سے عام لوگ زیادہ آشنا نہیں ہیں۔ اگر چہ اس لفظ کے چند مترادف الفاظ ہیں۔جیسے حاکم شرع، صاحب حکم، ولایت فقیہ، اعلم، افقہ وغیرہ۔ولی فقیہ بھی عام مجتہد جامع الشرائط کے مانند فتوی دیتا ہے۔ کیونکہ فتوی لغت میں مبہم اور مجہول مسائل کو واضح اور روشن کرنے کو کہتے ہیں۔ جب کہ ولی فقیہ بدرجہ اولیٰ فتویٰ یا حکم جاری کرتا ہے۔اس کو اکثر امور میں حق حاصل ہوتا ہے، مثال کے طور پر رویت ہلال، رفع حل وفصل مخاصمت اور مخالفت ...

اصطلاح میں ولایت فقیہ قرآن وحدیث کے استنباط کو اخذ کرکے عوام تک پہنچانا ہے۔جس طرح قاضی کوئی فیصلہ دیتا ہے تو حکم قاضی کہلاتا ہے اور جب رہبر کوئی حکم دیتا ہے تو وہ حکم حاکم کہلاتا ہے۔جب قاضی کسی امر میں فیصلہ دیتا ہے تو اسکی قضاوت پر عمل کرنا فریقین پر لازم ہوتا ہے۔ اسی طرح حاکم اسلامی یا ولی فقیہ کے حکم کو ماننا بھی ضروری ہوتا ہے۔

ولی فقیہ کے امتیازات:

تحقیق وتجزیہ کے ساتھ مصالح ومسائل اسلام کا بیان اور اس کی تعمیل ولایت فقیہ کا فرض منصبی ہے۔ غیر واضح اور مجہول اسلامی مسائل کو قرآنی احکام اور سیرت محمدؐ وآل محمدؐ کی روشنی میں لوگوں کے سامنے پیش کرنا مرجع تقلید کی ذمہ داری ہے۔

مقام مرجعیت کا مخاطب ساری دنیا کے لوگ نہیں ہوتے ہیں اور نہ وہ کسی امر میں کسی کو مجبور کرسکتا ہے، لیکن مقام ولایت کا بیان پوری دنیا میں اہل تحقیق وتکلیف کے لئے ہوتا ہے۔اور جہاں پر قرآن واہلبیت اور شعائر الٰہی سے متعلق کوئی توہین ہوتی ہے تو دنیا کو اس کی حقیقت کو منوانے پر مجبور بھی کرتا ہے۔

مرجعیت کا دائرہ اختیار صرف فتوی تک محدود ہوتا ہے جبکہ مقام ولایت کی ذمہ داری احکام

اسلام کا نفاذ کرنا ،حکومت اسلامی کی تشکیل دینے کے لئے پوری کوشش کرنا اور اسلامی سماج میں قرآن واہل بیت کے قوانین اور سیرت کا اجراء کرنا ہے۔

اسلامی تہذیب وتعلیم اورسنت جو اپنی صحیح شکل وصورت میں باقی ہے وہ امام کی غیبت کبریٰ کے بعد فقہاء کی جد و جہد اور طاقت فرسا کوشش اور بے حد مصیبت و رنج وزحمت برداشت کرنے کے نتیجہ میں باقی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے پیغمبروں اور اماموں کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت کی سعادت حاصل ہوتی تھی۔ اس زمانہ میں بھی شقاوت اور غیر ہدایت یافتہ لوگوں کے انکار سے صرف بدبختی، بدنصیبی ان کا نصیب بن جاتی تھی، آج بھی جن لوگوں نے ان حقائق سے انکار کیا وہ در اصل اہل بیتؑ کی تعلیمات سے دور ہوتا چلا گیا ۔عصر حاضر میں شرق وغرب کے کفار ومشرک اور منافق ہماری مخالفت پر تلے ہوئے ہیں در اصل اسلام و اہل بیتؑ کی حقانیت کو مٹانا چاہتے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے یہ تو صدر اسلام سے ہوتا چلا آیا ہے۔ جب دیکھا کہ رسولؐ کے دین کی طرف لوگوں کا سیلاب امنڈتا آ رہا ہے تو رسولؐ پر اقتصادی پابندیاں عائد کردی گئیں۔ رسولؐ اللہ کے ہمنوا صحابیوں پر سختیاں کی جاتی ہیں۔ دہشت و وحشت اور ناامنی پھیلائی جاتی ہے اماموں پر قاتلانہ حملہ ہونے لگتا ہے۔ اور انھیں اکیلا وتنہا کرکے قید و بند میں رکھا جاتا ہے اور کسی نہ کسی بہانے ظلم و سفاکیت کے ساتھ بہیمانہ قتل کردیا جاتا ہے۔لیکن

مردان خدا پردہ پندار دریدند　　یعنی ہمہ جا غیر خدایار ندیدند

چنانچہ عملی طور پر مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ امام خمینیؒ صرف مرجع تقلید نہیں تھے بلکہ پوری زندگی احکام دین کے نفاذ کے لئے جدوجہد کرتے رہے اور ایسی حکومت اسلامی تشکیل دی جوگزشتہ کئی صدیوں کے دوران ممکن نہیں ہوسکی تھی۔ استعمار کی مخالفت کرنے کی خاص وجہ یہ ہوئی ہے کیونکہ استعماری اور ساری سامراجی طاقتوں کو پتہ ہے کہ اگر فقیہ کی حکومت بر سر اقتدار آ گئی تو وہ نفاذ عدل اور قصاص کی پوری کوشش کریگا اورعوام الناس کے حقوق کا مطالبہ کرے گا، اسکی حکومت کی بنیاد الٰہی سیاست پر ہوگی اور حق وصداقت پر مبنی یہ تمام باتیں اہل ظلم و زیادہ روئی کے متوالے ظالموں کے مزاج سے میل نہیں کھاتی ہیں۔

تاریخ میں دیکھا جا سکتا ہے کہ کئی حکمرانوں نے مراجع کرام کو خاص طور سے ہمارے اماموں کو حکومت میں لانے کی کوشش کی تھی اسی طرح فقہاء کو بھی کچھ حکام نے حکومت حوالے کرنا چاہا۔جیسے

شاہ طہماسب صفوی نے اپنی حکومت کو مرجع تقلید کے حوالے کیا تھا۔لیکن حق و انصاف اور انسانوں کے جائز حقوق وغیرہ باعث بنتے ہیں جس کی وجہ سے بادشاہان وقت اپنے ارادہ سے منصرف ہوجاتے ہیں۔

آج سامراجی طاقتیں ہر ممکن کوشش کرتی رہیں کہ ایسی صورتحال کسی اسلامی ملک میں فراہم نہ ہوسکے جو ہماری خود ساختہ حکومتوں کے لئے نقصان کا باعث بنے۔ یہ امام خمینیؒ کی اسلامی حکومت کی برکت تھی کہ لوگوں میں ولی فقیہ کی اتباع اور پیروی کا جذبہ بڑھتا گیا اور روز بروز اسلامی ملکوں میں ایسی حکومت کی تشکیل کی زمین ہموار تشکیل ہوتی چلی گئی چونکہ امام خمینیؒ کی نمایاں قیادت کے بعد آیت اللہ خامنہ ای نے بھی مرجعیت کے ساتھ ساتھ اسی نوع قیادت کی ذمہ داریاں سنبھالی ہیں اسی وجہ سے استعماری اور فاسد حکومتوں کا غم وغصہ بڑھتا چلا گیا۔

ان تینوں کے لئے یعنی فتوی، قضاوت اور حکم کے لئے فقیہ جامع الشرائط ہونا ضروری ہے۔

مجتہد کا فتوی لازم الاجراء نہیں ہوتا ہے اس کے مقلدین کے لئے حجت ہوتا ہے کیونکہ فتوی میں تنقید و بحث اہل فن کے نزدیک ممکن ہے اور دوسروں پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے۔

قاضی کا حکم لازم الاجراء ہے کیونکہ لوگوں سے متعلق ہوتا ہے اور اگر اس پر عمل در آمد نہ ہوئی تو لوگوں اور خاندانوں میں خرابی اور گڑ بڑی پیدا ہوجائے گی۔

حاکم کا حکم بھی لازم الاجراء ہے کیونکہ جب قاضی کا فیصلہ لازم الاجراء ہے جب کہ وہ حکم انفرادی یا کچھ لوگوں کے اختلاف کی وجہ سے ہوا ہے تو حاکم کا حکم جو پورے سماج بلکہ عام مسلمانوں سے متعلق ہے، پورے ملکوں میں فتنہ وفساد برپا ہوسکتا ہے لہذا قاعدہ اولویت کی بنا پر حاکم کا حکم بدرجہ اولی لازم الاجراء ہے لیکن حکم حاکم کا حق وصداقت اور عدل وانصاف پر مبنی ہونا لازمی ہے اور ظالم وجابر حکمراں کی اطاعت لازمی نہیں ہے۔

مثال کے طور پر حضرت آیۃ اللہ شیرازی کا تحریک تنباکو کا فتوی معروف ہے جبکہ فتوی نہیں حکم تھا۔

حضرت امام خمینیؒ کا سلمان رشدی کے قتل کا فتوی دینا بمنزلہ فتوی نہیں بلکہ یہ ولی فقیہ کا قرآن و اہلبیت کی توہین کے مقابل حکم تھا۔ اسی طرح سعودی عرب حکام نے امریکہ اور اسرائیل کے صہیونیوں کے ایما اور اشارے پر قاتل اور مجرم فوجیوں کو تعینات کر رکھا تھا جو ایرانی حجاج کو حج ابراہیمی سے

روک رہے تھے اور مخلص حجاج کا قتل عام کررہے تھے چنانچہ حرم، شعائر اللہ اور دوسرے مقدسات ساتھ ہی ساتھ حجاج کی خونریزی اور توہین سے تحفظ کے لئے امام خمینیؒ کا بیان، بمنزلہ حکم تھا۔

ولی حکم معین اور منظور نظر امر میں حکم اللہ کا انشا اور فیصلہ دیتا ہے تاکہ ملکوں کی معیشت، سماجی مشکلات یا اختلافات کا خاتمہ ہو اور لوگ امن و سالمیت کے ساتھ زندگی گزار سکیں۔

عمر بن حنظلہ نے امام صادق علیہ السلام سے سوال کیا: کہ اگر دو شخص کسی موضوع میں اختلاف کریں اور دونوں ایک قاضی کے پاس فیصلہ کے لئے جائیں اور دو قاضی کا نظریہ مختلف ہو تو کیا کریں؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: "الحکم ما حکم به اعدلهما و افقه هما و اصدقهما فی الحدیث و اورع هما و لا یلتفت الی ما یحکم به الآخر"

ترجمہ: قابل نفاذ حکم اس قاضی کا ہے جو ان دونوں میں زیادہ عادل ہو، زیادہ فقیہ ہو، زیادہ سچا ہو، زیادہ پرہیزگار ہو اور دوسرے کی طرف اعتنا نہ کرے۔

مخفی نہ رہ جائے کہ مرجع کے فتوے پر بے مطلب تنقید نہیں کی جانی چاہئے بلکہ جب نیت صاف صالح ہو، وہ شخص اہل فن، مجتہد ہو۔ اہل ہنر اپنی بات کہہ سکتا ہے جو رشد علمی کا سبب بنے اسی طرح قضاوت بھی ایک شرعی امر ہے اگر تنقید کرے تو اصل مقصد منتفی ہوجائے گا اور جیسا کہ خداوند عالم نے اماموں کو عدل و انصاف کا حکم دیا ہے اور ان لوگوں کو اسکی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ جیسے چھٹے امام علیہ السلام نے فرمایا:

جو شخص قاضی کے حکم کو قبول نہ کرے اس نے تو خداوند عالم کے کلام اور ہمارے کلام کی تردید کی ہے۔ جو چیز قضاوت میں ہے وہ اپنے مطلوب کا اظہار نظر کرنا ہے لیکن عملی طور پر اس فیصلہ کی تردید جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: "یرید اللّٰہ ان یحقّ الحقّ بکلماته" [1]

لیکن جس چیز سے منع کیا گیا ہے وہ حاکم کے حکم کا نفاذ میں مداخلت یا اسکی مخالفت کرنا ہے۔

حکومت کا تعین کرنا بھی حاکم کی ذمہ داریوں میں آتا ہے۔ امام خمینیؒ فرانس سے جلا وطنی کی زندگی بسر کرنے کے بعد جیسے ہی تہران آئے فوراً بہشت زہرا میں شہداء کی قبروں کے جھرمٹ میں فرمایا تھا:

''من دولت تعین می کنم''، یعنی میں حکومت تشکیل دوں گا۔

افسوس شیعہ فقہاء حکومت سے علیحدگی ہونے کی وجہ سے دھیرے دھیرے حکومتی مسائل سے دور

ہو گئے تھے اور اپنی فقہی کتابوں میں صرف خصوصی احکام کو بیان کرتے تھے لیکن عام احکام کو نظر انداز کر دیتے تھے۔ امام خمینیؒ مسائل کی طرف متوجہ تھے لہٰذا لوگوں کے مسائل کے لئے حکومتی احکام جاری کیے اور عدلیہ مقنّنہ کے علاوہ شورائے نگہبان کی تشکیل کا کارنامہ انجام دیا۔

مغربی دنیا کو اسلام کی ضرورت:

تاریخ شاہد ہے کہ اسلام دشمن طاقتوں نے خداوند عالم کے اس پسندیدہ دین کو بدنام کرنے کی بھرپور کوشش کی اور لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش بھی کی کہ اسلام بیسویں اور اکیسویں صدی کے تقاضوں کو پورا نہیں کرسکتا لیکن ایران میں ولایت فقیہ کی قیادت و سرپرستی میں قائم اسلامی جمہوریہ ایران نے اسلام کی عظمت کو دنیاوالوں پر پوری طرح اجاگر کردیا جس کی وجہ سے پوری دنیا بالخصوص مغربی دنیا اسلام کی پیاسی ہے۔۲

معنویت کی ضرورت:

امام خمینیؒ فرماتے ہیں تعجب کی بات ہے کہ کیسے اسلامی ملکوں اور شہروں کے علماء اپنے عظیم اسلامی کردار اور الٰہی رسالت سے، اس عصر میں جب کہ بشریت اسلام کی معنویت اور نورانی احکام کی پیاسی ہے، غافل ہیں اور ملت کی پیاس کو درک نہیں کرتے۔ اور انسانی سماج کا وحی اور عطش درونی کی طرف تمایل واہمیت سے بے خبر ہیں، اور اپنے نفوذ کی طاقت کو کم اہمیت دے رہے ہیں۔ ۳

اسی موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے آیت اللہ خامنہ ای کہتے ہیں:

آج یہ عصر جدید وجود میں آیا ہے اور اس جدید دور کو عصر امام خمینیؒ کا نام دینا چاہئے۔ ۴

امریکی محقق اور صحافی بیل مایرز کا کہنا ہے:

ساری دنیا کے لوگ مادیت سے تھک چکے ہیں اور بہت تیزی میں معنویت کی طرف بڑھ رہے ہیں اور معنویت کی طرف بڑھنا کچھ ہی دنوں سے شروع ہوا ہے۔۵

برطانوی دانشمند جانکین نے کہا ہے: غرب میں حکومت کا سیسٹم کمزور پڑ گیا اور لائیسم بھی انسان کی پیاس کو نہیں بجھا سکا ہے۔

ان تمام باتوں سے ظاہر ہوجاتا ہے کہ فقہاء اسلام کی ذمہ داریوں میں استفتا ہی نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر ہدایت اور حکم کے ذریعہ سماجوں پر گرفت حاصل کرنا ہے تا کہ لوگ اسلام کی خوبیوں

سے اسکی اطاعت و پیروی پر خود بخود تیار ہو جائیں۔

پروفیسر یاووس اوسس جرمنی کے ایک نومسلمان کا بیان ہے:

''مجھے یقین ہے کہ چودہویں صدی ،امام خمینیؒ اور امام خامنہ ای کی صدی ہے اور ان بزرگوں نے زمین پر حکومت امام (زمان ارواحنالہ الفدا) کی خوش خبری دی ہے،ان سب صدیوں کے بعد اہل بیت رسولؐ کی صدی ہوگی''۔۶؎

چونکہ استعمار اور ساری سامراجی طاقتوں کو پتہ ہے کہ اگر فقیہ کی حکومت بر سر اقتدار آ گئی تو پوری کوشش نفاذ عدل اور احقاق کے مطالبہ کی بھرپور کوشش ہوگی۔

آج امامؑ کی غیبت میں ان کی تحریک کو ناکام بنانے کے لئے ان کے چاہنے والوں کے ساتھ اسی طرح کا رویہ رکھا جارہا ہے۔ لہٰذا علماء دین پر واجب ہے کہ اہل بیتؑ کی قربانیوں کی حفاظت کرتے ہوئے اسلامی اقتدار کو آنے والی نسلوں تک منتقل کریں۔اہل بیتؑ کی قربانیوں،کوششوں سے ہی یہ مقدسات الٰہی دنیا تک پہنچ سکے ہیں۔گذشتہ فقہاء مراجع نے بڑی جانفشانی کی ہے اس لئے ضروری ہے کہ جامع شرائط مجتہد اور اعلم کی قیادت میں متحد ہوکر ان مقدسات کی حفاظت کریں یہی سب سے بڑا دینی اور انسانی فریضہ ہے تا کہ اسلام کے مقدسات کا احیاء و تحفظ ہو سکے اور اہلبیت پیغمبرؐ کے چاہنے والوں کا اقتدار بحال ہو سکے۔

حوالے:

۱۔سورۂ انفال، آیت ۷

۲۔روزنامہ ایران ۷۵

۳۔صحیفہ نور، ج ۲۰،ص۱۲۶

۴۔سخنرانی مقام معظم رہبری اولین سالگرد اتحاد حضرت امام ۶۹۳۱۳

۵۔روزنامہ ہم شہری ۲۹/۷/۷۵ خبر گزتری جمہوری اسلامی

۶۔ماہنامہ امامت، تیر و مرداد ۷۸

امام خمینیؒ کی نظر میں تصور ولایت فقیہ

ڈاکٹر شہوار حسین نقوی
امام جمعہ مراد آباد

چودہویں صدی ہجری میں ولایت فقیہ کے موضوع کو اعلیٰ پیمانے پر رائج کرنے والی ذات حضرت امام خمینیؒ کی ہے۔ جنھوں نے ۱۹۷۹ء میں ڈھائی ہزار سالہ پرانی شہنشاہیت کی بیخ کنی کرکے اور حکومت اسلامی تشکیل دے کر دنیا کو یہ یقین دلایا کہ فقیہ کا کام صرف درس وتدریس یا مسجد ومحراب کی خدمت انجام دینا نہیں بلکہ اس کے ماوراء سماج میں احکام الٰہی کا اجراء اور اسلامی معاشرہ کی تشکیل بھی کرنا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ احکام الٰہی کا اجراء اس وقت تک ناممکن ہے جب تک فقیہ زعیم کی حکومت نہ ہو۔اور حکومت کرنے کے لئے قانون الٰہی سے آشنائی کے ساتھ عدالت لازمی جزو ہے جس شخص میں یہ دو صفتیں پائی جائیں گی اسی کی حکومت کو اسلامی حکومت کہا جاسکتا ہے۔

امام خمینیؒ اس سلسلے میں فرماتے ہیں۔

اگر کوئی شخص دو خصلتیں ''قانون الٰہی سے آگاہی اور عدالت'' رکھتے ہوئے حکومت تشکیل دے تو اس کی ولایت وہی ولایت ہے جو معاشرہ کو ادارہ کرنے میں حضرت محمد مصطفیٰؐ کی ولایت تھی۔ لوگوں پر لازم ہے کہ وہ اس کی اطاعت وپیروی کریں یہ ایک وہم وگمان ہے کہ حکومت اسلامی کے اختیارات حضرت امیر علیہ السلام کے بالمقابل حضرت رسول اکرمؐ کو زیادہ تھے اگر چہ حضرت محمد مصطفیٰؐ تمام عالم پر فضیلت رکھتے ہیں اور ان کے بعد حضرت علی علیہ السلام تمام دنیا سے افضل ہیں لیکن معنوی فضائل کا زیادہ ہونا حکومت کے اختیارات میں باعث افزائش نہیں ہوسکتا۔

یعنی قوانین حکومت وولایت خداوند عالم نے حضرت محمد مصطفیٰؐ کے ذریعہ معین کردئے ہیں۔ اب باقی شرائط افراد کے لئے اجرائی منزل ہے جس میں سب مساوی ہیں۔[۱]

حضرت امام خمینیؒ قیام حکومت کے سلسلے میں معصوم کی طرح اختیارات فقیہ عادل کے قائل ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔

''وہی تمام اختیارات جو تشکیل حکومت میں امام معصوم کو ہوتے ہیں فقیہ عادل کو بھی ہیں مگر یہ کہ وہ دلیل شرعی رکھتا ہو۔ دلیل شرعی کیوں رکھتا ہو اس لئے کہ یہ حق اسلامی معاشرہ میں ظاہری حکومت کے مسائل سے مربوط ہے لیکن پھر بھی امامؑ معصوم سے مخصوص ہے دوسروں کو شامل نہیں لہذا فقیہ کو صاحب اختیار ہونے کے لئے ضروری ہے کہ دلیل شرعی رکھتا ہو۔'' ۲

ممکن ہے کسی کے ذہن یہ میں سوال پیدا ہو کہ امامؑ معصوم اور فقیہ دونوں کا مرتبہ برابر ہوگیا۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ یہاں مقام ومرتبہ معیار نہیں ہے بلکہ فریضہ کی ادائیگی معیار ہے جس کی وضاحت آپ نے صریح الفاظ میں اس طرح فرمائی۔

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ جو ولایت انبیاء علیہم السلام اور ائمہ علیہم السلام رکھتے تھے ان کی غیبت کے بعد وہی ولایت فقیہ عادل بھی رکھتا ہے تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوسکتا کہ دونوں مقام ومنزلت کے اعتبار سے برابر ہوگئے چونکہ یہاں مقام سے بحث نہیں ہے بلکہ بحث فریضہ اور ذمہ داری سے ہے۔ اجرائے احکام میں جو حضرت محمد مصطفیؐ وائمہ علیہ السلام کی ذمہ داری تھی وہی ذمہ داری فقیہ عادل کی بھی ہے۔'' ۳

ایسا نہیں ہے کہ امام خمینیؒ نے انقلاب اسلامی کامیاب ہوجانے کے بعد اس موضوع پر زور دیا ہو بلکہ آپ نے نجف اشرف میں قیام کے دوران ہی اس موضوع پر بحث ومباحثہ شروع کردیا تھا لہٰذا ایک خصوصی درس ''ولایت فقیہ'' کے موضوع پر دیتے تھے۔ اس درس کی تائید میں دیگر فقہاء نے اپنے دروس کے اوقات میں تبدیلی کرلی تھی تاکہ بڑی سے بڑی تعداد میں طلاب اس درس میں شرکت کرسکیں۔امام خمینیؒ کے اس اقدام سے یہ بات واضح ہے کہ آپ چاہتے تھے کہ طلباء میں یہ فکر عام ہو اور فقہاء متحد ہوکر اس کا اجراء کریں۔کیونکہ آپ کا کہنا یہ تھا کہ ولایت فقیہ ماننے کی چیز نہیں بلکہ اجرائی شئی ہے۔ جو بلا عمل نا قابل قبول ہے۔ چنانچہ جب ایران میں حکومت اسلامی قائم ہوئی تو آپ نے ولایت فقیہ کا اجراء کیا۔ آپ نے سیرت انبیاء علیہم السلام پر عمل کرتے ہوئے سابق سوویت یونین کے صدر میخائل گورباچوف کے نام ایک خط بتاریخ یکم جنوری ۱۹۸۹ء کو لکھا۔

یہ خط ایک حکومتی وفد کے ذریعہ بھیجا گیا جس کی سرپرستی حوزہ علمیہ قم کے مشہور استاد آیت اللہ جوادی آملی نے کی۔ اس خط سے ساری دنیا میں تہلکہ مچ گیا۔ اگرچہ یہ خط مخفیانہ طور پر بھیجا گیا تھا مگر اس کے باوجود ساری دنیا میں اس کی شہرت ہوئی۔ روسی مسلمانوں میں ایک طرح کی خوشی اور جوش

وولولہ پیدا ہوا وہاں کے باشندوں میں بیداری کی لہر دوڑی اور اسلام کے سلسلے میں جستجو کا جذبہ پیدا ہوا۔ روس کے نوجوان مسلمانوں نے خفیہ طور پر اس خط کی لاکھوں کاپیاں تیار کرکے پورے ملک میں تقسیم کیں۔

اس خط کا مطلب روس کے معاملات میں مداخلت نہیں تھا بلکہ احساس ذمہ داری اور فریضہ کی ادائیگی کے پیش نظر آپ نے یہ خط تحریر کیا تھا کہ اسلام کے آفاقی پیغام سے دنیا کو آشنا کیا جاسکے۔ اور یہ واضح کیا جاسکے کہ اسلام آزادی کا قائل ہے اسلام نے ہمیشہ انسانی آزادی کی آواز بلند کی۔ کسی بھی انسان کو کسی کی آزادی کے سلب کرنے کا حق نہیں ہے۔ آپ نے کمیونزم کے اصولوں پر بحث کرتے ہوئے واضح کردیا کہ آزادی انسان کا پیدائشی حق ہے لہٰذا ان اصولوں کو ترک کرکے اسلام کا راستہ اپنایا جائے جو انسان کے لئے باعث فلاح وبہبود ہے۔

زیادہ وقت نہیں گذرا کہ دنیا نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جو ایک فقیہ نے پیشین گوئی کی تھی وہ حق ثابت ہوئی۔ کمیونزم کی شکست ہوئی۔ پورا ملک ٹکڑوں میں تقسیم ہوگیا۔ ہرطرف کمیونزم کی مخالفت شروع ہوئی۔ جگہ جگہ اظہار بیزاری کیا گیا اور اسلام سے ہمدردی کا جذبہ فروغ پانے لگا یہاں تک کہ جو حکومتیں قائم ہوئیں وہاں کے عوام میں اسلامی رنگ اور مذہبی بیداری کے نقوش ظاہر ہونے لگے۔ قرآن کی تعلیمات سے انس پیدا ہوا اور ہر طرف اسلامی ماحول عالم وجود میں آیا۔

امام خمینیؒ کا تاریخ ساز فتویٰ:

اسلام دشمن طاقتوں نے اسلام کے خلاف ایک نیا مورچہ اس طرح کھولا کہ سلمان رشدی سے ''شیطانی آیات'' نامی کتاب لکھوائی جو صرف تخیلات پر مبنی تھی اس میں تمام تر توانائی اس امر پر صرف کی کہ حضرت محمد مصطفیؐ اور آپ کے اصحاب اور قرابتداروں کی توہین ہوسکے۔ اور ایسے لب ولہجہ کا استعمال کیا جسے کوئی شریف انسان استعمال نہیں کرسکتا۔ جب یہ کتاب طبع ہوکر منظر عام پر آئی دشمن سمجھ رہا تھا کہ ہمیں مقصد میں کامیابی مل گئی۔ امام خمینیؒ کو جب اس کی اطلاع ملی اور آپ نے اس کتاب کو ملاحظہ کیا تو دنیا کو اس کا علم بھی نہیں تھا کہ اس مرد مجاہد کے قلم کی لکھی ہوئی چند سطریں دشمن کے منصوبہ پر بم کا کام کرینگی جیسے ہی رشدی کے خلاف آپ کا فتویٰ منظر عام پر آیا۔ استکباری طاقتوں اور استعماری سازشوں کے خواب بکھر گئے استعماری طاقتوں نے سوچا نہیں تھا کہ دنیا میں کوئی ایسا بھی

انسان پایا جاتا ہے جو ہمیں چیلنج کر سکے۔ ساری دنیا میں ''آزادی خیال'' کا نعرہ بلند کرکے فتوے کے اثرات کم کرنے کی ناکام کوشش کی گئی مگر امام خمینیؒ نے واضح کر دیا کہ نعرہ لگانے والے سمجھ لیں کہ اس نے ایک ارب مسلمانوں کے جذبات ، احساسات کو مجروح کیا ہے اس کی حمایت کرنا بھی سنگین جرم ہے۔

امام خمینیؒ نے یہ جرأت مندانہ اقدام کرکے دنیا کو ولی فقیہ کی ہمت وجرأت کا احساس کرایا اور واضح کیا کہ فقیہ کی نگاہ چہار دیواری میں محصور نہیں رہتی بلکہ ساری دنیا کے حالات سے آگاہ رہنا اور اسلام دشمن طاقتوں کے حرکات وسکنات پر دقیق نظر رکھنا اس کے فرائض میں شامل ہے۔ آپ نے فرمایا ولایت فقیہ ہی استبداد کو ختم کرتی ہے اگر ولایت فقیہ نہ ہوتو استبداد ہی استبداد ہوگا۔ لہٰذا ہر دور میں ولی فقیہ کا ہونا ضروری ہے جو اسلام کو دشمنوں سے محفوظ رکھے۔

حوالے:

۱۔امام خمینیؒ ،ولایت فقیہ،ص ۴۰
۲۔نقوش فقیہ درغیبت امام،ص ۲۷۱
۳۔نقوش فقیہ درغیبت امام،ص ۲۷۲

ولایت فقیہ اور حکومت اسلامی

مولانا سید طیب رضا نقوی
لکچرار شعبۂ شیعہ دینیات، اے ایم یو علی گڑھ

اسلام میں حکومت بالاصالۃ خدا سے مخصوص ہے۔ لوگوں کا خالق خدا ہے وہی ان کی ضروریات سے بخوبی واقف ہوسکتا ہے بندوں کیلئے اصول وضوابط مقرر کرنے کا حق اسی کو ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں جانتا نہ ہی کسی کے لئے اس کی حکومت میں مداخلت جائز ہے للّٰہ ملک السّمٰوات والارض ومافیھنّ[۱] زمین وآسمان اور ان کے اندر موجود چیزوں کا اقتدار اللہ کے ہاتھوں میں ہے۔

جس طرح خلق کرنا اس سے مخصوص ہے اسی طرح فرماں روائی بھی اسی سے مخصوص ہے۔ الاله اللّٰه الخلق والامر[۲] آگاہ ہوجاؤ خلق اور امر اسی خدا سے مخصوص ہیں،

خدا کی سنت اس پر قائم ہے کہ جملہ امور اسباب کے پابند ہیں چنانچہ اس نے اپنے خاص بندوں کو حکومت عطا فرمائی ، انسان کی ابتدا و آفرینش اور خلقت کائنات کے آغاز سے خدا نے لوگوں کو انبیاء اور اپنی ہدایت سے محروم نہیں فرمایا بلکہ ان میں اس کی پہلی مخلوق خدا کا نمائندہ اور نبی تھا جس کی عظمت کا اظہار کرتے ہوئے خداوند عالم نے اسے اپنا خلیفہ قرار دے کر مسجود ملائکہ بنادیا گویا حکومت اور اس کے مقررات واصول انبیاء کے پروگرام اور پیغام میں شامل تھے جسے وہ انسانی ضروریات کے اعتبار سے وحی کی شکل میں پیش کیا گیا۔ لہٰذا ابتدائی امر میں ولایت حکومت کا منشاء امر الٰہی اور اس کی وحی ہے اگر چہ ظالموں اوراستکباری طاقتوں کے سبب اس میں دشواریاں اور رکاوٹیں پیداہوتی رہیں جیسا کہ آنحضرتؐ کی حدیث میں ہے" کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلّما ھلک نبیّ خلفه نبی وانّه لانبیّ بعدی وستکون خلفاء،فتکثر[۳] یعنی انبیاء بنی اسرائیل کے امور کی تدبیر اور انتظام فرماتے،جب بھی کوئی نبی انتقال کرتا دوسرا نبی اس کے بعد آجاتا البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور خلفا کثرت سے ہوں گے۔

انسان کے لئے اجتماعی نظام اور عادل حکومت کی موجودگی نہایت ضروری ہے تاکہ انسانی معاشرہ کا تحفظ ہوسکے انسان طبیعی اعتبار سے مدنی ہے وہ اپنے ضروریات وخواہشات معاشرہ کے زیر

سایہ رہ کر ہی پوری کرسکتا ہے۔ اسے بکثرت ایسے امور پیش آتے ہیں جن میں اجتماعی مصالح مضمر ہوتے ہیں جن میں قرار واقعی اور ایک رائے کا خواہاں ہوتا ہے جو قاطعیت اور تنقید کی قابلیت کا جامع ہو۔ یہ جملہ امور کسی مستحکم حکومت کے سایہ کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ انسانی زندگی کے تمام مراحل وادوار یہاں تک کہ جب وہ صحرا اور جنگلوں میں زندگی بسر کررہا تھا کسی حکومت سے خالی نہیں تھے دوسری چیز کہ انسان اپنی خلقت اور طبیعت کے اعتبار سے مختلف خواہشات ومیلانات کا حامل ہے جس میں اس کی حب ذات، حب جاہ ومال اور جس چیز کا وہ خواہاں ہوتا ہے اس میں حریت مطلقہ چاہتا ہے جس کے نتیجہ میں افکار وخواہشات کے درمیان ٹکراؤ کا ہونا ضروری چیز ہے جو جنگ وجدال اور فتنہ وفساد کا باعث ہوتے ہیں چنانچہ قوانین و دفعات کی ضرورت پیش آتی ہے جس میں اس کے نفاذ واجراء کی قوت وصلاحیت ہو جو ظلم وتعدی سے مانع ہو۔ یہ کام ایک حکومت ہی انجام دے سکتی ہے بلکہ حیوانات بھی اس نظام سے خالی نہیں ہیں جیسا کہ ہم چیونٹی اور شہد کی مکھیوں میں نظام کی کارفرمائی ملاحظہ کرتے ہیں،۔ لہٰذا ایسے نظام کی ضرورت ہے جو ان کے مفاد ومصالح عامہ کا جامع ہو، ان کی غذا، امور صحت ،تعلیم و تربیت راستوں اور شوراع عام جیسے رفاہی امور کی ضروریات فراہم کرسکے۔

حکومت کا قیام اور اس کی تشکیل

بنیادی مرحلہ میں دنیا میں تشکیل شدہ مختلف حکومتوں کی کیفیت کا جائزہ لیتے ہوئے اسلامی حکومت کے امتیازات کی وضاحت زیادہ بہتر ہوگی۔

حکومت کے وجود میں آنے کے بارے میں مختلف نظریات ہیں جنہیں ذیل میں بیان کیا جارہا ہے۔

۱۔حکومت اس اجتماعی نظام کا نام ہے جسے صاحب قوت وقدرت انسان ضعیفوں ،کمزوروں اور متوسط طبقہ کے لوگوں پر انکا استثمار کرنے کی خاطر عمل میں لاتا ہے۔

۲۔ خانوادہ کی تشکیل ایسا امر ہے جس کا انسانی طبیعت تقاضا کرتی ہے۔ یہ کسی بھی معاشرہ اور حکومت کی تشکیل کا ابتدائی مرحلہ ہے جب متعدد خاندان یکجا اور اپنی ضروریات وحاجات میں باہم متصل ہوتے ہیں تو ایک بڑے خانوادہ کی شکل اختیار کرلیتے ہیں پھر ایک بڑا قبیلہ، پھر ایک سیاسی شہر اور معاشرہ کی شکل اختیار کرلیتے ہیں جو ایک حکم کے زیر سایہ ہوتے ہیں پھر رفتہ رفتہ دیگر شہروں سے

وابستہ ہوجاتے ہیں جس پر ایک حکم اور ایک نظام حکومت کرتا ہے اسی طرح وہ ایک ملک اور بڑی حکومت ہوجاتی ہے اس طرح حکومت تاریخی حرکت وسفر کا نتیجہ ہے۔

۳۔ انسان ابتدائی مرحلہ میں خواہشات کی زندگی بسر کرتا اور مکمل آزادی سے استفادہ کرتا تھا پھر مصلحتوں اور آزادی کے درمیان ٹکراؤ ہوا۔ طاقتیں باہم ٹکرانے لگیں اور کمزوروں کے حقوق ضائع ہونے لگے جماعت کے معاملات میں فساد واقع ہوگیا چنانچہ صاحبان عقل وخرد نے اتفاق کیا اور آزادی کو محدود ومعین کرنے کے لئے قوانین وضع کئے تاکہ قوانین کا نفاذ کرکے لوگوں کے حقوق کی حفاظت کرسکیں اس طرح حکومت درحقیقت حاکم اور رعایا کے درمیان باہمی معاہدہ ہے جو طرفین کے اختیار سے حاصل ہوتی ہے۔

دنیا میں استبدادی حکومتوں کے اقسام

ا۔استبدادی مطلق العنان حکومت قہر وغلبہ اور لشکری طاقت وقوت اور اسلحہ وغیرہ کے ذریعہ شہروں اور لوگوں پر مسلط ہو جانا حکومت کے مخالفین اور مقابلہ کرنے والوں پر طرح طرح کے شدائد ومظالم کرنا۔ اس طرح کی حکومت کسی قانون وضابطہ اور اصول کی پابند نہیں ہوتی اس کا حاکم مال خدا کو ذاتی مال اور بندگان خدا کو غلام بنالیتا ہے۔ حاکم اپنی خواہشات کے مطابق جو چاہتا ہے انجام دیتا ہے اقتدار کو اپنے لئے مخصوص اور اپنے بعد اپنی نسل کا حق سمجھتا ہے۔ کبھی یہ حاکم زمینی حدود سے تجاوز کرتے ہوئے خود کو زمین پر خدا کا سایہ اور اس کی قدرت کا مظہر سمجھنے لگتا ہے اور کبھی اس قدر ظلم وبربریت کا مظاہرہ کرتا ہے کہ خود ہی اپنی ربوبیت کا ببانگ دہل اس طرح اعلان کرتا ہوا نظر آتا ہے "انا ربّکم الاعلیٰ "

یا اس طرح کی حکومت کی ترجمان خداوند عالم سورہ نمل میں ملک سبا کی شہزادی بلقیس کی زبانی فرماتا ہے۔ قَالَت إِنَّ المُلُوکَ إِذَا دَخَلُوا قَریَةً أَفسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهلِهَا أَذِلَّةً وَکَذَلِکَ یَفعَلُونَ[۴] بلقیس نے کہا بادشاہ جب کسی علاقہ میں داخل ہوتے ہیں تو بستی کو ویران کردیتے ہیں اور صاحبان عزت کو ذلیل کردیتے ہیں اور ان کا یہی طریقہ کار رہتا ہے۔

دوم۔ مشروطی حکومت: شہنشاہیت کو ثابت حق سمجھا تا ہے لیکن بادشاہ محدود اور مقید ہوتا ہے اور امور کی تدبیر تین طاقتوں ا۔تشریعیہ ۲۔ تنفیذیہ۔ ۳۔ قضائیہ کے ذمہ ہوتا ہے۔ حاکم یا بادشاہ کو اس میں کسی کو مداخلت کا حق نہیں ہوتا نہ ہی کسی اداری مسؤلیت کا ذمہ دار ہوتا ہے جیسا کہ انگلینڈ میں ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ طرز حکومت بھی پہلی قسم کی طرح باطل اور عقل وفطرت کے مخالف ہے۔

سوم۔ اشرافی حکومت: اس حکومت کو آج کی اصطلاح میں ''اسرسٹوقراطیہ'' حکومت کہتے ہیں یعنی معاشرہ کا کوئی ایک شخص فقط نسبی اور مالی امتیاز کے باعث دوسروں پر مسلط اور قابض ہوجاتا ہے جیسا کہ قبائل اور بالخصوص بددؤوں میں یہ چیز رائج تھی۔

ظاہر ہے کہ فقط نسبت اور ثروت مندی جب تک اصلاحات نفسانی وقوت تدبیر اور امت کی جانب سے انتخاب کی حامل نہ ہو اس وقت تک عقل وفطرت کے نزدیک حکومت وولایت اور وجوب اطاعت کے لئے ملاک ومعیار قرار نہیں پا سکتے۔

۴۔ انتخابی حکومت: اس حکومت میں انتخاب کا حق کسی خاص اور معین طبقہ میں منحصر ہوتا ہے جیسا کہ موجودہ زمانہ میں روم کے کنیسہ میں مشہور ومتعارف ہے جس میں پوپ کے لئے کچھ مخصوص حضرات اور ارباب اہل حل وعقد سے رائے حاصل کی جاتی ہے عام لوگوں سے رائے نہیں لی جاتی۔

۵۔عوامی منتخب حکومت: یہ حکومت خاص فکر وآئیڈیا لوجی کی اساس پر ہوتی ہے اس میں حاکم خاص فکر کے حامل گروہ کی جانب سے ہوتا ہے اور معاشرہ کا مکلّف اسی اساس پر ہوتا ہے۔ سوفسطائی حکومت اپنے تمام تر لوازمات کے ساتھ اسی طرح ہے جس کا انتخاب مارکسی نہج کی بنیاد پر ہوتا ہے بالخصوص اقتصاد میں۔

عوامی ڈیموکریٹی منتخب حکومت: اس حکومت کو عوام پر عوام کی حکومت سے تعبیر کیا جاتا ہے درحقیقت حکومت کے نفاذ کا سرچشمہ عوام ہوتے ہیں اور منتخب حاکم عوامی ضروریات کو انجام دیتا ہے۔

ولایت الٰہی

خداوند عالم کے لئے تکوینی اور تشریعی دونوں ولایتیں ثابت ہیں۔عقل اس کی اطاعت کے وجوب اور مخالفت کی حرمت کا حکم کرتی ہے۔ اس کی ولایت میں مخلوقات میں کوئی شریک نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہ خود ہی ولایت تشریعیہ کا کسی کو ذمہ دار بنادے جیسا کہ اس نے یہ مرتبہ اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ آلہ وسلم اور دیگر انبیاء اور آئمہ علیہم السلام کو عطا فرمایا۔ اس سبب سے ان حضرات کی جانب سے صادر ہونے والے احکام واوامر کی اطاعت واجب ہے۔ ان حضرات کی اطاعت بھی اطاعت خدا ہے اس ضمن میں ہم بعض قرآنی آیات کا ذکر کررہے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے وَإِذِ ابتَلَى إِبرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا

قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي قَالَ لاَيَنَالُ عَهدِي الظَّالِمِينَ ۵

یعنی اور اس وقت کو یاد کرو جب خدا نے چند کلمات کے ذریعہ ابراہیمؑ کا امتحان لیا اور انہوں نے پورا کردیا تو اس نے کہا کہ ہم تم لوگوں کا امام وقائد بنارہے ہیں۔ انہوں نے عرض کی کہ میری ذریت؟ ارشاد ہوا یہ عہدۂ امامت ظالمین تک نہیں جائے گا۔

اصول کافی میں امام صادقؑ سے اس طرح روایت ہے انّ اللّٰہ تبارک وتعالیٰ اتّخذ ابراھیم عبداً قبل ان یّتخذہ نبیّاً وانّ اللّٰہ اتّخذ نبیا قبل ان یخذہ رسولاً وانّ اللّٰہ اتّخذہ رسولاً قبل ان یتّخذہ خلیلاً وانّ اللّٰہ ایتخذہ خلیلا ۔قبل ان یجعل امام فلما جمع لہ الاشیا فال انی جاعلک للنّاس اماماً قال فمن عظمھا فی عین ابراھیم قال ومن ذریتی ۶

یعنی امام صادقؑ نے ارشاد فرمایا خدا نے ابراہیمؑ کو بندہ قرار دیا قبل اس کے کہ انہیں نبیؐ قرار دے۔ اللہ نے انہیں نبیؐ قرار دیا قبل اس کے کہ انہیں رسولؐ قرار دے۔ اللہ نے انہیں رسولؐ قرار دیا قبل اس کے کہ انہیں خلیل قرار دے، اللہ نے انہیں خلیل قرار دیا۔قبل اس کے انہیں امامؑ قرار دے۔ جب ان کے لئے یہ تمام چیزیں جمع ہوگیں تو خدا نے ارشاد فرمایا میں تمہیں لوگوں کا امامؑ بنارہاھوں راوی نے عرض کیا ان تمام چیزوں میں ابراہیمؑ کی نظر میں کون سی چیز عظیم ترین ہے فرمایا ومن ذرّیتی یعنی جب ابراہیمؑ نے امام کا سوال اپنی اولاد کے بارے میں کیا۔

مذکورہ دونوں آیت وروایت میں خدا وند عالم کا امامت کو اپنے عہد سے تعبیر اور اس کی (انّی جاعلک) اضافت سے ظاہر ہوتاہے کہ امامت خدا اورمنتخب شدہ کے درمیان عہد ہے جوعقل ووجدان کے اعتبار سے امام کا مفترض الطاعۃ ہونا قرار دیتاہے جس کی مخالفت اورحکم سے انحراف خدا کی مخالفت کا سبب ہے۔

آیت دوم۔قال اللّٰہ تعالیٰ وتبارک وتعالیٰ (يَادَاوُودُ إِنَّا جَعَلنَاکَ خَلِيفَةً فِي الأَرضِ فَاحکُم بَينَ النَّاسِ بِالحَقِّ) ۷

یعنی اے داؤدؑ! ہم تمہیں زمین پرخلیفہ بناتے ہیں لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ حکم کرنا۔

آیت کریمہ سے مستفاد ہوتاہے کہ جب خدا نے آپ اپنا خلیفہ بنایاتو آپ اس کے ولی قرار پائے۔ اورلوگوں پرآپ کی ولایت وحکومت ثابت ہوگئی اگرچہ آپ کی نبوت اللہ کی جانب سے لائی ہوئی چیزوں پر ایمان اور وجوب اطاعت، کا تقاضا کرتی ہے لیکن اس مقام پرحضرت داؤدؑ کی

اطاعت، اطاعت خدا کے علاوہ نہیں ہے۔

آیہ نمبر ۳۔ النَّبِيُّ اوْلَى بِالْمُؤمِنِينَ مِن انفُسِهِم وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُم وَأُولُو الأَرحَامِ بَعضُهُم أَولَى بِبَعضٍ فِي كِتَابِ اللّٰهِ مِن المُؤمِنِينَ وَالمُهَاجِرِينَ ۔۸؎

یعنی بیشک نبی تمام مومنین سے ان کے نفس کی بنسبت زیادہ اولیٰ ہے اور ان کی بیویاں ان سب کی مائیں ہیں اور مومنین ومہاجرین میں سے قربتدار ایک دوسرے زیادہ اولویت اور قربت رکھتے ہیں۔

کتاب وسنت اور فقہ مذاہب اسلامی (شیعہ وسنی) کی جانب رجوع کرنے سے بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ دین اسلام جسے پیغمبر ختمی مرتبت لے کر آئے وہ فقط انفرادی عبادات اور مراسم آداب پر منحصر نہیں ہے بلکہ وہ ہر اس چیز پر محیط ہے جس کی انسان اپنی انفرادی، عائلی ،معارف واخلاق وعبادات ، معاملات سیاسی، اقتصادی، داخلی اور خارجی زندگی میں ضرورت محسوس کرتا ہے۔

اسلامی فقہ میں فریقین کے اخبار وفتاویٰ کا تتّبع وتلاش کرنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ولایت وحکومت اور قوانین کا نفاذ اسلام میں داخل ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے ہجرت مدینہ کے فوراً بعد اسلامی عادل حکومت کی تاسیس فرمائی لوگوں سے بیعت لیکر اس کے مقدمات کی آمادگی فرمائی۔ مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات قائم کی اور مدینہ کے یہودیوں سے معاہدہ کیا۔ مسجد کا قیام فرمایا۔ اسے لوگوں کے لئے نماز ، اجتماعی اور سیاسی امور کا مرکز قرار دیا۔

آنحضرتؐ نے فقط نماز وتبلیغ وارشاد کے احکام بیان کرنے پر اکتفا نہیں کی بلکہ اسلامی احکام وحدود کا قیام فرمایا آپ گورنروں اور والیوں کو ٹیکس وجزیہ کی وصولیابی کے لئے روانہ فرماتے اور کفار سے جہاد کرنے کے لئے لشکر آمادہ فرماتے۔ اسی طرح آپ نے حکومت کے دیگر امور انجام دئے۔ آپ کی تمام زندگی میں یہی روش اور طریقہ کار رہا جس حکومت وولایت کا آپ نے اپنے زمانہ رسالت میں قیام فرمایا وہ اپنی مختصر حریت وآزادی ایثار ومساوات کے اعتبار سے بے مثال ہے جس کا اعتراف غیر مسلم مورخین نے بھی کیا ہے۔

آنحضرتؐ کی وفات کے بعد بھی کسی مسلمان کو اسلامی ولایت وحکومت کی احتیاج میں ذرّہ برابر شک نہیں ہے بلکہ حکومت کے وجوب اور ضرورت پر تمام مسلمانوں کا اتفاق واجماع ہے۔ فریقین کے درمیان اختلاف فقط اس امر میں ہے کہ آیا آنحضرتؐ نے امیرالمومنینؑ کو اپنا ولی اور

جانشین قرار دیا تھا یا امر خلافت کا اختیار مسلمانوں کے سپرد کردیا تھا۔ شیعہ امامیہ اس بات کے قائل ہیں کہ آنحضرتؐ نے دعوت ذوالعشیرہ ،مختلف دیگر مناسبات اور غدیر میں امیر المومنینؑ کو اپنا جانشین مقرر فرمادیا تھا البتہ اہلسنت اس امر کے قائل ہیں کہ حضور کے بعد خلافت اہل حل وعقد کے شوریٰ اور انتخاب کے ذریعہ طے پائے گی بہرحال امامیہ کے نزدیک آنحضرتؐ بہ نصّ قرآن مومنین کے نفوس سے اولیٰ ہیں۔ اسی طرح ائمہ معصومین علیہم السلام کو بھی حق ولایت حاصل ہے۔

اہلبیت علیہم السلام سے تمسک

پیغمبرؐ نے اپنے بعد کے لئے امت مسلمہ کی رہبری اور ہدایت کا انتظام اپنے اہلبیتؑ کے ذریعہ فرمایا چنانچہ اہلبیتؑ کا مذہب اختیار کرنے کی نسبت آنحضرتؐ کے ارشادات کثرت سے موجود ہیں جن کے راس ورئیس امیر المومنینؑ ہیں جو آپ کے شہر علم کے در ہیں۔ جنہیں پیغمبرؐ نے قرآن کا ہم پلّہ قرار دیا ہے ایسی احادیث متواتر ہیں جن کی صحابہ کی ایک بڑی جماعت نے روایت کی ہے۔

ترمذی نے اپنی سند سے زید بن ارقم سے روایت کی ہے ۔انہوں نے کہا آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا

”انّی تارک فیکم ما ان تمسکتم به لن تضلّوا بعدی احدهما اعظم من الاخر کتاب اللّٰہ حبل ممدود من السماء الی الارض وعترتی اهلبیتی ولن یفترتا حتّی بردا علیّ الحوض کیف تخلّفونی فیها“ (۹)

یعنی میں تمہارے درمیان (دو چیزیں) چھوڑے جارہا ہوں جب تک تم ان سے وابستہ رہوگے میرے بعد ہرگز گمراہ نہیں ہوگے جن میں سے ایک دوسری سے بزرگ ترین ہے۔ کتاب خدا ہے جس کی وسعت زمین سے آسمان تک ہے اور (دوسرے) میری عترت واہلبیتؑ۔ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس وارد ہوں گے تم ان دونوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو۔

واضح ہے کہ کتاب خدا سے تمسک اس میں نازل شدہ امور کا اختیار کرنا ہے اور عترت پیغمبرؐ سے تمسک آپ کے اقوال اور سنت کو اختیار کرنا ہے۔ آپ حضرات کے اقوال وسنت حجت شرعیہ ہیں۔

ولایت کا ہدف ومقصد: سب سے پہلے ہم نہج البلاغہ سے ولایت کا مقصد وہدف بیان کرنے لئے امیرالمومنین علیہ السلام کے خطوط کی روشنی میں ولایت پر روشنی ڈالیں گے پھر ولایت کی اہمیت بیان کریں گے۔

جب ہم نہج البلاغہ کی جانب رجوع کرتے ہیں تو آپ کے خطوط وخطبات اور کلمات قصار کے ذریعہ اس حقیقت سے آشنا ہوتے ہیں کہ آپ کی ذات گرامی میں حاکم اعلیٰ کے جملہ صفات موجود ہیں آپ سیاست وکشورداری کے رموز سے لوگوں کی نسبت بخوبی واقف تھے امیر المومنینؑ کی نظر میں ولایت کا مقصد حق کا احیاء اور باطل کا خاتمہ کرنا ہے یعنی حق عدل کا ضمیمہ ہے اور عدل حق کا۔ چنانچہ ہم حضرت کے مکتوب نمبر ۶۶ میں جسے آپ نے ابن عباس کو تحریر فرمایا اس طرح پڑھتے ہیں ''فلا یکن افضل مانلت فی نفسک من دنیا ک بلوغ لذۃ اوشفا غیظ ولکن اطفاباطل واحیاحق''۔[۱۵]

یعنی خبردار تمہارے لئے دنیا کی سب سے بڑی نعمت کسی لذت کا حصول یا جذبہ انتقام ہی نہ بن جائے بلکہ بہترین نعمت باطل کے مٹانے اور حق کے زندہ کرنے کو سمجھو یعنی لذت کا حصول اور جذبہ انتقام حیوانی ہدف ہے جو درندوں کی طبیعت سے مناسبت رکھتا ہے اور خدا اپنے کاموں میں حق کو ثابت کرتا ہے اور باطل کو محو کرتا ہے ''لیحقّ الحق ویبطل الباطل ''[۱۱]

امیر المومنینؑ کے علم امامت اور مافوق بشری معلومات اور آنحضرتؐ کی تعلیمات سے قطع نظر کرتے ہوئے آپ کا نبوغ سرعت عمل اور فعالیت بچپنے سے پیری کے زمانے تک سیاسی حوادث ملکی نظام الغرض ولایت کے جملہ امور میں نظر آتا ہے۔ آپ کی ذات گرامی ان خصوصیات وشرائط کے ساتھ امور مملکت کے رموز وفنون پر محیط تھی۔

امامت وولایت کی ضرورت : امیر المومنینؑ کے زمانہ میں خوارج، کے ذہن میں ولایت کے خلاف فکر رواج پارہی تھی چنانچہ انہوں نے مسئلہ تحکیم کے موقع پر لاحکم الاّ للّٰہ کا نعرہ بلند کرتے ہوئے اس سے سوئے استفادہ کرنا چاہا۔ اس طرح خوارج اصل حکومت اور اس کا بطلان ظاہر کرنا چاہ رہے تھے اس وقت حضرت نے ان کے سفسطہ اور مغالطہ کے جواب میں یہ کلمات ارشادفرمائے۔

> ''کلمۃ حقٍّ یراد بھا الباطل نعم انّہ لاحکم الّاللّٰہ ولکن ھولاء یقولون لاامرۃ الاّ للّٰہ وانّہ لابد للنّاس من امیر برٍّ اوفاجر یعمل فی امراتہ المومن ویستمع فیھا الکافر ویبلغ اللّٰہ فیھا الاجل ویجمع بہ الفئ ویقاتل بہ العدو وتامن بہ السبل ویوخذ للضعیف من القوی حتّی یستریح بروویستراح من فاجر''۔[۱۲]

یعنی یہ ایک کلمہ حق ہے جس سے باطل معنی مراد لئے گئے ہیں بیشک حکم صرف اللہ کے لئے ہے حالانکہ کھلی ہوئی بات ہے کہ نظام انسانیت کے لئے ایک حاکم کا ہونا ضروری ہے چاہے نیک کردار ہو یا فاسق، کہ حکومت کے زیر سایہ ہی مومن کو کام کرنے کا موقع مل سکتا ہے اور کافر بھی مزے اُڑا سکتا ہے اور اللہ ہر چیز کو اس کی آخری حد تک پہونچا دیتا ہے اور مال غنیمت وخراج جمع کیا جاتا ہے اور دشمنوں سے جنگ کی جاتی ہے اور راستوں کا تحفظ کیا جاتا ہے طاقتور سے کمزور کا حق لیا جاتا ہے تا کہ نیک کردار انسان کو راحت ملے اور بدکردار انسان سے راحت ملے۔

اسلام حکومت کو اللہ کا حق سمجھتا ہے اس نے لوگوں کو بطور امانت عطا فرمایا ہے پھر بھی حکم خدا ہی کا ہے اموال اس راہ میں خدا کے اموال اور لوگ خدا کے بندے ہیں۔

امیر المومنین علیہ السلام نے اس امانتداری پر شدت سے تاکید فرمائی ہے جیسا کہ ہم آپ کے ان خطوط میں ملاحظہ کرتے ہیں جنہیں حضرت نے اپنے گورنروں اور والیوں کوتحریر فرمایا مثلاً آپ کے خطوط میں خط نمبر ۵ ۔۲۶۔ ۴۰ ۔ ۴۲۔ ۹ اور خط نمبر ۷۱ قابل ذکر ہیں چنانچہ آپ اشعث بن قیس کو اس طرح تحریر فرماتے ہیں ”وان عملک لیس لک بطعمة ولکنّه فی عنقک امانة “[۱۳] اے قیس کے فرزند آذر بائیجان کی حکومت تمہارے لئے لقمہ نہیں ہے بلکہ تمہاری گردن پر امانت ہے۔ اسی طرح حضرت علیؑ مکتوب نمبر ۲۶ میں زکوٰۃ کے تحصیلدار کے ولایت کی صحیح ادائیگی انجام نہ دینے اور اس میں خیانت کرنے کو بدترین خیانت قرار دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں (انّ اعظم الخیانة خیانة الامّة وانّ افضل الفش غش الآئمّة) [۱۴] یقیناً بزرگ ترین خیانت امت کے ساتھ خیانت کرنا ہے اور بدترین فریب رہبروں کا فریب ہے جہاں امیر المومنینؑ نے خیانت کار لوگوں کی مذمت فرمائی ہے وہیں حضرت نے اچھے اور امین لوگوں کی تعریف فرماتے ہوئے نظر آتے ہیں لہٰذا آپ بحرین میں اپنے والی عمر بن ابی سلمہ کے متعلق اس طرح تحریر فرماتے ہیں افلقد احسنت الولایة وادیت الامانة[۱۵] یقیناً تم نے ولایت (گونرری کے فرائض) کو بخوبی انجام دیا اور ادائے امانت کیا۔

ولی کے لغوی معنیٰ: الولی اسماء الٰہی میں سے ہے جو ناصر اور مددگار کے معنی میں ہے۔ عالم اور مخلوقات کے امور کی نگرانی کرنے والے کو بھی کہتے ہیں۔ الوالی بھی اسمائے الٰہی میں ہے جو تمام اشیاء کا مالک اور ان میں متصرف ہے۔

مولا کا ذکر حدیث میں کثرت سے کیا گیا ہے مثلاً رب۔ مالک، سید، معتق۔ ناصر۔ محبّ۔ تابع۔ ہمسایہ۔ابن العم۔ حلیف۔صہر (یعنی داماد)وغیرہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے اس کے علاوہ کسی کے امور کی نگرانی کرنے والا۔ حدیث ''من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ) میں یہی معنی مراد ہیں۔

کسی ہوش مند انسان پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ جب وہ کسی کام کو کسی دوسرے شخص کے سپرد کرتا ہے تو فطری اعتبار سے اس میں چند امور کی موجودگی کا لحاظ رکھتا ہے۔

۱۔عقل کامل ۲۔جوکام اس کے سپرد کیا گیا ہے اس سے متعلق علم۔ ۳۔عمل پر طاقت وقدرت ۔ ۴۔امانت داری ۔معاملات میں سہل انگاری سے کام نہ لے نہ ہی خیانت کرے اسی چیز کو عدالت سے تعبیر کیا جاتا ہے یہاں تک کہ اگرکوئی شخص مکان کی تعمیر کی غرض سے کسی کو اجرت یا کرایہ پر لے اس میں مذکورہ تمام چیزوں کو لازمی طور پر دیکھنا چاہیئے۔

امت کا معاملہ نہایت اہم اور نازک ہے لہٰذا جب والی حکومت کا انتخاب عوام کے اختیار میں ہو اور عوام النّاس آزاد اور صاحب اختیار بھی ہوں تو ان پر عقل وفطرت کے حکم کے مطابق واجب ہے کہ وہ ولی فقیہ میں اس بات کا لحاظ رکھیں کہ وہ صاحب عقل وہوش، فنون سیاست کا ماہر ہو امور کے نفاذ میں قدرت وطاقت بھی رکھتا ہو۔ امین ہوخائن نہ ہو۔ ولی (فقیہ) اور حاکم میں ان شرائط کی موجودگی کا حکم عقلا اپنی فطرت کے اعتبار سے کرتے ہیں۔ اسکی مخالفت کرنے والا انسان عقلاء کے نزدیک مذمت وسرزنش کا مستحق ہوتا ہے۔[۱۶]

گذشتہ بیان سے بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ ولایت فقیہ کی ضرورت کسی خاص زمانہ ظروف اور حالات سے مخصوص نہیں ہے اور یہ کہ صاحبان عقل اپنی فطری عقل کے اعتبار سے حاکم میں اس کا صاحب عقل وتدبیر اور رموز سیاست میں ماہر ہونا ضروری جانتے ہیں یہ کہ وہ امور کے نفاذ پر قادر ہو لہٰذا اس بنیاد پر امت مسلمہ اسلام اور اس کے عادلانہ جامع قوانین کے اعتقاد کے مطابق رموز سیاست سے واقف ، اس کے نفاذ واجراء پر قادر اسلام کا پابند، اس کے ضوابط ومقررات کا عالم بلکہ اپنے غیر سے اعلم ہونا چاہیئے۔ یہی عنوان پیغمبرؐ کے اہلبیتؑ پر صادق آتا ہے اور عصر غیبت میں کتاب وسنت اور امت کے احکام سے واقف انسان پر صادق آتا ہے ولایت فقیہ سے مقصود یہی ہے۔

امام حسن عسکریؑ فرماتے ہیں:

من کان من الفقھاء صائناً لنفسہ حافظاً لدینہ مخالفاً علی ھواہ مطیعاً لامر ہ مولاہ

فللعوام ان یقلّدوہ ۔

یعنی فقہاء سے جو بھی اپنے نفس کی نگہداشت کرنے والا، دین کا محافظ، خواہشات نفسانی کا مخالف اور اپنے مولا (خدا۔ رسولؐ ۔ائمہؑ) کا فرمانبردار ہو ایسے فقیہ کی لوگوں کو تقلید کرنی چاہئے۔

اس حدیث سے بھی جہاں تقلید واجب ہوتی ہے وہیں ولی فقیہ کی ضرورت پر روشنی بھی پڑتی ہے۔

آخر کلام میں ہم ولایت فقیہ کے متعلق بعض علمائے کرام کے اقوال نقل کررہے ہیں جنہیں کتاب ''ولایۃ الفقیہ وفقہ الدّولۃ الاسلامیۃ'' میں ذکر کیا گیا ہے۔

۱۔'' الجواہر'' میں محقق کرکی سے ان کے رسالہ جسے انہوں نے صلاۃ الجمعہ کے بارے میں تحریر کیا ہے اس طرح موجود ہے۔

ہمارے علماء نے اتفاق کیا ہے کہ فقیہ عادل امین جو فتویٰ کے شرائط کا جامع ہو جسے احکام شرعیہ میں مجتہد سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کی جانب سے نائب ہے۔ زمانہ غیبت میں ہر وہ چیز جو نیابت میں شامل ہے اس میں اس مداخلت کا حق حاصل ہے اور علماء نے قتل اور حدود کو مستثنیٰ کیا ہے۔ ۱۷

۲۔ علامہ حلی نے الفین کے اوائل میں اس طرح تحریر فرمایا ہے حق اور صحیح ہمارے نزدیک یہ ہے کہ ہر زمانہ میں امام کا نصب کرنا واجب ہے۔ ۱۸ ظاہر یہ ہے کہ علامہ کا مقصود امام معصوم ہے۔

۳۔محقق نراقی طاب ثراہ نے'' عوائد'' میں اس طرح لکھا ہے کلیہ یہ ہے کہ جو کچھ فقیہ عادل کو حق ہے اس میں اسے ولایت حاصل ہے اس میں دو امر ہیں۔

اول ۔ جو کچھ پیغمبرؐ اور امام (جو کہ مخلوقات کے شہنشاہ اور اسلام کے قلعے ہیں) کو ولایت وحکومت حاصل ہے فقیہ کو بھی وہی (اختیارات) حاصل ہیں مگر جس چیز کو اجماع یا نص یا ان دونوں کے علاوہ کسی دلیل سے خارج کردے ۱۹

۴۔ مرحوم آیت اللہ العظمیٰ بروجردی فرماتے ہیں کہ (یہ بات آیت اللہ شیخ منتظری نے استاد مذکور کی تقریرات سے نقل کی) جس سے عامہ اور خاصہ نے اتفاق کیا ہے کہ محیط اسلام میں سائس وزعیم (قائد ورہبر) کا وجود لازمی ہے جو مسلمانوں کے امور کی تدبیر ونگرانی کرے بلکہ یہ چیز ضروریات اسلام سے ہے اگر چہ اس کے شرائط وخصوصیات میں اختلاف ہے۔کہ اس کا تعین رسولؐ اللہ کی جانب سے ہے یا عمومی انتخاب کے ذریعہ ہوگا۔ ۲۰

حوالے:

۱۔سورۂ المائدہ ،آیت ۱۲

۲۔سورۂ اعراف،آیت ۵۴

۳۔صحیح مسلم ۳/ ۱۴۷۱ الحدیث ۱۸۴۲ کتاب الامارہ الباب ۱۰ باب وجوب الوفاء سبیعۃ الخلفا منقول از ولایۃ الفقیہ وفقیہ الدولۃ الاسلامیہ جزء اول آیت اللہ منتظری ،ص ۴

۴۔سورۂ نمل، آیت ۳۴

۵۔سورۂ البقرہ ،آیت ۱۲۴

۶۔الکافی ۱/ ۱۷۵ کتاب الحجہ باب طبقات الانبیاء، والرسول ولائمہ

۷۔سورہ ص، آیت ۲۶

۸۔سورہ احزاب، آیت ۶

۹۔سنن الترمذی ۵/ ۳۲۸وباب مناقب اہلبیت النبیؐ من ابواب المناقب الحدیث ۳۸۷۶۔منقول از ولایہ

۱۰۔ نہج البلاغہ،مکتوب نمبر ۶۲

۱۱۔سورۂ انفال، آیت ۔۵

۱۲۔نہج البلاغہ ۔ ۴۰

۱۳۔نہج البلاغہ،مکتوب نمبر ۱۷

۱۴۔نہج البلاغہ،مکتوب نمبر۲۶

۱۵۔نہج البلاغہ،مکتوب نمبر ۴۲

۱۶۔ولایۃ الفقیہ وفقہ الدولۃ الاسلامیہ۔الجزء الاول آیت اللہ شیخ منتظری ،ص۱۱

۱۷۔الجواہر ۲۱/ ۳۹۶ ولایۃ الفقیہ الدولہ الاسلامیہ

۱۸۔الفین / ۱۸۔ولایۃ الفقیہ وفقہ الدولۃ الاسلایہ

۱۹۔العوائد/ ۱۸۷۔۱۸۸۔ولایۃ الفقیہ وفقۃ الدولۃ الاسلامیہ

۲۰۔البدر الزاہر ۵۲۳۔ولایہ الفقیہ وفقہ الدولۃ الاسلامیہ

☆

مفہوم ولایت فقیہ

ڈاکٹر سید علی سلمان رضوی

ولایت فقیہ کا مفہوم وحدت اسلامی کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔جب تک ہر ملک وقوم سے تعلق رکھنے والا مسلمان نسل انسانی و جغرافیائی تفریق کی پرواہ کیے بغیر ایک ہی پلیٹ فارم پر ایک ہی پرچم تلے جمع نہ ہوں گے اسلام اور مسلمانوں خاص طور پر مسلمان ملکوں سے استعماری سایہ مفقود نہ ہوسکے گا ،استعماری مقاصد کی تکمیل کے لیے خود اسلامی ملکوں اور معاشروں میں استعماری ایجنٹ گھسے ہوئے ہیں اور ہمیں ان سے ہوشیار رہنا چاہیے اورحتی الامکان ان کو اپنے معاشرے سے نکال باہر کر دینا چاہیے۔خصوصاً استعماری سیاستدان اور استعماری مولوی نما طبقے سے عوام کو روشناس کرانا بے حد ضروری ہے۔ یہ دونوں گروہ ولایت فقیہ کے مخالف ہیں۔ خاص طور سے دوسرا گروہ اسلام اور مسلمانوں کے لیے زیادہ خطرناک ہے۔ استعماری مولوی مسجد، منبر اور مدرسہ نیز قضاوت غرض تمام عوامی ٹھکانوں پر قبضہ کرکے ان کی فکروں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے چلے آ رہے ہیں۔

یہ انھیں کی سازش اور پروپگنڈہ کا اثر تھا کہ مدرسوں ،کالجوں اور یونیورسٹیوں میں یہ تعلیم عام تھی کہ اسلام کے پاس اپنا کوئی حکومتی نظام نہیں ہے۔ مسجد اور امامباڑوں کے منبروں سے آواز سنائی دیتی تھی کہ اسلام اصول و احکام محض انفرادی شخصیت سازی کے لیے ہے، اجتماعی امور میں دخل اندازی کی کیا ضرورت ہے۔ خاموشی سے ظلم وستم برداشت کیے جانے کا نام صبر وتحمل اور غربت و افلاک کی زندگی بسر کرنے کا نام زہد و پارسائی ہو گیا تھا۔ دنیا کی پریشانی آخرت کے آرام کا پیش خیمہ بتا کر مسلمانوں کی فعالیت اور قوت تحریک کو زندہ درگور کر دیا گیا تھا۔لیکن آج ایران کی اسلامی حکومت نے اپنے اہم کارنامے کے ذریعے دنیا پر یہ واضح کر دیا کہ اسلام کے پاس نہ صرف ایک جائز حکومت موجود ہے بلکہ انسانی زندگی اور موت سے متعلق تمام فردی و اجتماعی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ایک بہترین اور کامل ترین نظام ہے جو کسی بھی ترقی یافتہ نظام کے مقابلے میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

ہمارا عملی فریضہ ہے کہ ہم سب مل کر اسلامی نظام حیات کی ترویج وحمایت کریں اور اگر عملی

طور پر کوئی اقدام نہیں کر سکتے ہیں تو فقط زبان ہی سے ولی امر مسلمین جہان کی حمایت کریں۔

ولایت کا مفہوم اتنا عام و سادہ ہے اور اس کے معنی میں اس قدر وسعت ہے کہ اس کا انکار ناممکن ہے۔ جس طرح وقف کے متولی کی ولایت کسی مخصوص وقف پر، متولی وقف کی ولایت اموال موقوفہ پر، باپ دادا کی ولایت نابالغ بچہ یا دیوانہ پر ہوتی ہے اسی طرح وسیع پیمانے پر ولی امر مسلمین کی ولایت اسلامی معاشرہ اور مسلمانوں پر ہوتی ہے۔ولایت جو معاشرہ میں ہوتی ہے اس کو حکومت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جو اس کا حاکم ہوتا ہے اس کو ولی امر مسلمین کہتے ہیں۔

ولایت فقیہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر بہت کم لوگوں نے لکھا ہے جس کے باعث ہماری قوم وملت کے افراد اس کی اہمیت وضرورت سے بے خبر ہیں۔ اگر اس موضوع کی آشنائی کے لیے کچھ تحریر کیا جاتا ہے تو نافہموں کی طرف سے یہ صدائیں اٹھتی ہیں کہ یہ تو ایک نیا دین پیش کر رہے ہیں ۔ یہ نافہم عوام کا عجیب احمقانہ رویّہ ہے۔گولر کے کیڑے اور کنویں کے مینڈھک کے مانند زندگی بسر کرنے والے ایسے کم فہم افراد کی آشنائی کے لیے مفہوم ولایت فقیہ کو واضح کرنے کی حتی المقدور کوشش کی ہے تاکہ وہ اس دائرے سے باہر ہوں اور یہ معلوم ہو جائے کہ ولایت فقیہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔

اسلام میں مفہوم ولایت کے بہت سے موارد ہیں۔قرآن اور احادیث میں ولایت کا لفظ کثرت سے استعمال کیا گیا ہے ۔ولایت کے مشتقات ولی، اولیاء،والی، موالی، تولّی وغیرہ ہیں جو حاکمیت اور سرپرستی کے معنی میں ہیں البتہ اس کے دوسرے معنی دوستی اور نصرت کے بھی ہیں۔ [۱]

ولایت میں تین چیزوں کا ہونا نہایت اہم ہے۔

۱) ولی حاکم

۲) المُتولّیٰ علیہ (جس پر حکم لگایا جائے)

۳) امر (حکم)ان تینوں معنوں میں سب سے اہم معنی امر کا ہے جس پر ولایت کی بنیاد ہے جتنا امر کا دامن وسیع ہوگا اتنا ہی ولایت کا مفہوم واضح اور روشن ہوگا۔

علماء نے ولایت کو مختلف قسموں میں تقسیم کیا ہے

۱) ولایت تکوینی: کسی کام کے انجام دینے کی قدرت کو ولایت تکوینی کہتے ہیں۔

۲) والیت تشریعی : کسی کام کے انجام دینے کے حکم کو ولایت تشریعی کہتے ہیں۔

۳) ولایت اصلی: اس سے مراد خدا کی ولایت ہے یعنی اصلی ولی خدا ہے۔
۴) ولایت فرعی: ان لوگوں کی ولایت جنھیں خدا کی طرف سے یہ عہدہ عطا ہوتا ہے جیسے انبیاء اور ائمہ معصومینؑ اور ولی فقیہ کی ولایت۔اس کا یہ قاعدہ ہے کہ ولایت فرعی ولایت اصلی کی تابع ہوتی ہے یعنی خداوند کی اجازت کے بغیر ولایت فرعی کا کوئی مفہوم باقی ہی نہیں رہتا ہے۔
۵) ولایت عام: یہ ولایت فقط خدائے متعال کی ذات سے مخصوص ہے جسے ولایت حقیقی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ولایت غیر از خدا کسی اور کو حاصل نہیں ہوسکتی اور اس کی نفی متعدد مقامات پر ہوئی ہے۔قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ ”الم تعلم انّ اللّٰہ له ملک السمٰوٰت والارض وما لکم من دون اللّٰہ من وّلی ولا نصیر“ ۲؎ یعنی کیا تم نہیں جانتے کہ زمین و آسمان کی سلطنت بیشک خدا کے لیے ہے اور خدا کے علاوہ تمہارا نہ کوئی ولی ہے اور نہ کوئی مددگار۔

اسی طرح اس آیت کو بھی پیش نظر رکھیں کہ ” لو شاء اللّٰہ لجعلهم اُمّة وّاحدة ولکن یدخل من یشاء فی رحمته والظّالمون ما لهم من وّلی وّ لا نصیر “ ۳؎ یعنی اگر خدا چاہتا توان سب کو ایک ہی گروہ بنا دیتا مگر وہ تو جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اور ظالموں کا نہ کوئی ولی ہے اور نہ کوئی مددگار ہے۔
٦) ولایت خاص: یہ ولایت بہ اذن خدا خاص بندوں کو حاصل ہوتی ہے ۔اس کی دوقسمیں ہیں۔
۱۔مثبت، ۲۔منفی
ولایت مثبت کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔جس کا ذکر یہاں کیا جا رہا ہے۔
۱)ولاء محبت یا قرابت: اس کے لیے قرآن مجید میں ارشاد ہوا ’قل لا اسئلکم علیه اجراً الّا المودّة فی القربیٰ “ ۴؎
۲) ولایت پیشوائی اور امامت : اس سلسلے میں خداوند نے فرمایا کہ ”ما اٰتکم الرّسول فخذوہ وما نھٰکم عنه فانتھوا“ ۵؎ یعنی جوتمہیں رسولؐ دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اسے چھوڑ دیا کرو۔
۳) ولایت و قیادت: ارشاد خداوندی ہے کہ ” اطیعو االلّٰہ و اطیعوالرّسول و اولی الامر منکم“ ٦؎ یعنی خدا کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی، اور جو تم میں صاحبان امر ہوں ان کی اطاعت کرو۔اسی طرح اس آیت پر نظر کریں کہ ” فلا و ربّک لا یومنون حتّیٰ یحکّموک فیما شجر بینهم ثمّ لا یجدوا فی انفسهم حرجاً ممّا قضیت و یسلّموا تسلیما “ ۷؎

۴) ولایت اخوت: خداوند عالم نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ " انّما المومنون اِخوة" ۸؎ یعنی مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

اسی طرح یہ بھی ارشاد ہوا کہ " والمومنون والمومنات بعضهم اولیاء بعض یامرون بالمعروف وینهون عن المنکر" ۹؎۔ ایماندار مرد اور عورتیں ان میں بعض کے بعض رفیق ہیں۔ لوگوں کو اچھے کام کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں۔

ولایت منفی: ایسی ولایت و حاکمیت جسے قبول کرنے کے لیے منع کیا گیا ہے۔

۱) دشمنان خدا کی ولایت: اس سلسلے میں ارشاد خداوندی ہے کہ "یا ایّها الّذین آمنوا لا تتّخذوا عدوّی و عدوّکم اولیاء" ۱۰؎۔ اے ایماندارو اگر میری راہ میں تم جہاد کرتے اور میری خوشنودی کی تمنّا میں نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔

۲) شیطان کی ولایت:" ومن یتّخذ الشیطن ولیّاً من دون اللّه فقد خسر خسراناً مبیناً" ۱۱؎۔ یعنی جس نے خدا کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا سرپرست بنایا تو اس نے کھلّم کھلاّ سخت گھاٹا اٹھایا۔

۳) نصاریٰ اور یہود کی ولایت:"یا ایّها الّذین آمنوا لا تتّخذوا الیهود والنّصاریٰ اولیاء" ۱۲؎۔ اے ایماندارو! یہودیوں اور نصرانیوں کو اپنا سرپرست نہ بناؤ۔

۴) طاغوت کی ولایت: "والّذین کفروا اولیائهم الطّاغوت" ۱۳؎۔ یعنی جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کے سرپرست طاغوت و سرکش ہیں۔

مذکورہ آیات سے یہ واضح ہوا کہ ایک ولی ہونا چاہیے جو حکومت و سلطنت کے نظام کو صحیح طریقے سے چلائے۔ اس لیے ہمارا عملی فریضہ ہے کہ ہم اس کی شناخت کریں کہ ہم شیطان کی ولایت سے منہمک ہیں یا ان کی ولایت سے، جو خدا کے خاص بندے ہیں۔

اس کے علاوہ اور بہت سی آیتیں ہیں جو انسان کو اس بات سے باخبر کرتی ہے کہ اس کا طریق زندگی حق کے تابع ہونا چاہیے، ہویٰ وہوس کے تابع نہیں ہونا چاہیے۔ اسے عقل سلیم کا حکم ماننا چاہیے نہ کہ نفسانی خواہشات کا۔"فما ذا بعد الحقّ الّا الضّلال" ۱۴؎

ولایت کا مسئلہ ایک خاص مسئلہ ہے جس سے کوئی بھی معاشرہ کسی بھی حالت میں بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ یقیناً ہر معاشرے کو ایک حکومت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک عام آدمی بھی اپنی معمولی سمجھ بوجھ کے ساتھ معاشرہ کی اس ضرورت کو اچھی طرح درک کرتا اور سمجھتا ہے۔ انسان کی اجتماعی

زندگی کو ہمیشہ ایک سرپرست اور منتظم طاقت کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے ولایت کا مسئلہ مسلّمہ فطری مسائل میں سے ایک ہے۔

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اپنی زندگی میں اسلامی معاشرے کے خود سرپرست و سربراہ تھے اور مسلمانوں کی زندگی کے تمام شعبوں کے لیے آپ منتظم اور سرپرست رہے تھے۔دوسرے شعبوں میں آپ گورنروں کو مقرر فرماتے۔مقدمات کے تصفیے کے لیے قاضیوں کو متعین فرماتے۔ بیت المال کے لیے رقوم جمع کرنے کا کام منتخب عمّال کے سپرد فرماتے۔ جنگ کے امور انجام دینے کے لیے امراء کا انتخاب فرماتے۔حتیٰ کہ جب رسولؐ کسی جنگ میں شرکت کے لیے مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے جاتے تو اپنی جگہ ولایت و سرپرستی کے لیے کسی دوسرے کو جانشین بنا جاتے۔یہ وہ باتیں ہیں جو تاریخی حیثیت سے پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کے اس طرز عمل کے بعد کس طرح ولایت کے مسئلے کا انکار کیا جا سکتا ہے ؟ نص قرآنی کے مطابق اور خود رسول اکرم ﷺ کے ارشادات و معتقدات کے مطابق اسلام عالمگیر دین اور مکمل نظام حیات ہے۔اور یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔مسئلہ ولایت ایک شرعی مسئلہ ہے اور یہ دوسرے سارے شرعی اور دینی مسائل کی طرح اسلامی معاشرہ میں ہمیشہ زندہ رہے گا ۔ رسول اکرم ﷺ نے امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو ولایت کے لیے منتخب فرمایا تھا اور حضرت علیؑ کے بعد آپ کی اولاد کرام میں سے گیارہ امامؑ معصوم، ایک کے بعد دوسرے اس مقام پر فائز ہوتے رہے۔

معنائے فقہ وفقیہ: فقہ کے مختلف معنی ہیں۔

۱)فقط سمجھنا۔

۲)اسلامی احکامات کی معلومات۔

۳)ظاہری علم کے ذریعہ باطنی علم تک پہنچنا۔

فقیہ: اس شخص کو کہتے ہیں جو احکام شریعہ کو اسلامی مدارک سے اخذ کر چکا ہو ۔یعنی فقہ کے تمام احکامات پر مکمل دسترس ہو ۔ولی فقیہ کو عبادات و معاملات یعنی عبادی ،سیاسی ، معاشرتی ، اقتصادی، انفرادی اور اجتماعی تمام مسائل میں مجتہد ہونا چاہیے۔فقیہ کا لفظ اتنا اہم ہے کہ ہرکس و ناکس کو اس لفظ سے یادنہیں کیا جا سکتا بلکہ جو مجتہد ہو اسی کو فقیہ کہا جاتا ہے۔

افسوس تو اسی بات کا ہے کہ برّ صغیر کے اکثر لوگ عقیدت کی بناپر ہر سر پر عمامہ رکھنے والے کو مجتہد اور آیت اللہ کے لفظ سے یاد کرتے ہیں ۔اگر اس عہد حاضر میں برّ صغیر کے گوشے گوشے میں جا کر معلومات حاصل کی جائے تو برّ صغیر میں کوئی بھی صاحب عمامہ عالم دین اصطلاحی اعتبار سے مجتہد و آیت اللہ نہیں ملے گا جس کی تقلید کی جا سکے۔

فقیہ وہ شخص ہوتا ہے جو زمانہ غیبت میں امام عصرعج کی نیابت کرتا ہے ۔ خدا اور مخلوق خدا کے نزدیک اس کا زہد و تقویٰ روشن ہوتا ہے۔ وہ ادلّہ اربعہ کے ذریعہ اسلامی احکام کو استنباط کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے ۔ ایسے فقیہ کو معاشرے کی قیادت کرنے کا حق حاصل ہے۔ ان تمام جہتوں میں سب سے بہتر فقیہ کو ہم'' ولی فقیہ'' کہتے ہیں ۔ولی فقیہ اسلامی حکومت کا رہبر اور ہادی ہوتا ہے اس لیے کہ ولی کا لوگوں سے رابطہ غیبت امام علیہ السلام میں ایک باپ اور بیٹے جیسا ہے۔جس طرح باپ بیٹے کی ترقی چاہتا ہے اور سعادت اور نیک بختی کے علاوہ اس کا دوسرا کوئی مقصد نہیں ہوتا اسی طرح ولی فقیہ بھی مسلمانوں کی سعادت و خوش بختی کا ضامن ہوتا ہے۔وہ اسلامی معاشرہ کی سرپرستی کرتا ہے اور معاشرے کی اصلاح کے لیے اورلوگوں کو بلند و بالا مقصد تک پہنچانے کے ہر ممکن کوشش کرنے کے علاوہ کوئی دوسرا مقصد نہیں ہوتا۔

یقیناً اسلامی نظام حکومت کا دارومدار فقیہ پر ہے اس سلسلے میں امام خمینیؒ فرماتے ہیں :

> '' آپ لوگ ان افراد کی باتوں پر جو اسلام کے کے مخالف راستے پر چل رہے ہیں اور خود کو روشن خیال سمجھتے ہیں اور ولایت فقیہ کو قبول کرنا نہیں چاہتے ، تو جہ نہ دیجیے ۔ اگر فقیہ نہ ہو ؛ولایت فقیہ نہ ہو تو طاغوت ہے ، اگر حکم خدا سے نہ ہو۔اگر صدر کو فقیہ منصوب نہ کرے تو وہ جائز نہیں ہے اور جب جائز نہیں ہے تو طاغوت ہے۔ اس کی اطاعت طاغوت کی اطاعت ہے، اس کے دائرہ میں داخل ہونے کا مطلب طاغوتی دائرہ میں داخل ہونا ہے۔ طاغوت کا اس وقت خاتمہ ہوتا ہے جب حکم خدا سے کسی کو نصب کیا جائے،آپ ان چار لوگوں سے مت ڈریئے جونہیں سمجھتے کہ اسلام کیا ہے ،فقیہ کیا ہے، ولایت فقیہ کیا ہے ۔وہ سمجھتے ہیں کہ یہ معاشرہ کے لیے ایک عظیم مصیبت ہے۔ یہ اسلام کو ایک عظیم مصیبت سمجھتے ہیں، نہ کہ ولایت فقیہ کو۔ولایت فقیہ مصیبت نہیں ہے بلکہ وہ اسلام کے تابع ہے۔'' [۱۵]

آج کی دنیا میں مختلف سماجی نظریات کی حکومت ہے۔ اگر اس ماحول میں ہم لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دیتے ہیں تو ہمیں چاہیے کہ دوسروں کی طرح ہم بھی اسلام کے سماجی نظریات کا تفصیلی تعارف دنیا والوں کے سامنے پیش کر دیں۔آج صرف اتنا ہی کافی نہیں ہے کہ ہم لوگوں کو بہم انداز میں اسلام، قرآن احکام الٰہی ،قانون اسلامی ،اسلامی نظام حکومت اور اسلامی سماجی نظام کی دعوت دیتے رہیں۔لوگوں کو ان اسلامی مسائل کی طرف دعوت دینا اس وقت تک قطعی مفید اور کارآمد ثابت نہ ہوگا جب تک کہ لوگوں کے سامنے ان تعلیمات کی مکمل اور مدلّل تفصیل نہ پیش کر دی جائے۔اس حقیقت سے انکارنہیں کیا جا سکتا کہ عالم بشریت کے پاس اس وقت جتنے نظریات موجود ہیں ،اسلامی نظریات ان سب سے زیادہ بہتر اور افضل ہیں۔

منابع و مآخذ:

۱)لسان العرب ،ج/۱۵: ابن منظور الافریقی المصری،ص۴۰۶، دار صادر بیروت
۲)سورۂ بقرہ، آیت ۱۰۷
۳)سورۂ شوریٰ،آیت ۸
۴)سورۂ شوریٰ، آیت ۲۳
۵)سورۂ حشرات، آیت ۷
۶)سورۂ نساء، آیت ۵۹
۷)سورہ نساء ،آیت ۶۵
۸)سورۂ حجرات، آیت ۱۰
۹)سورۂ توبہ، آیت ۷۱
۱۰)سورۂ ممتحنہ، آیت ۱
۱۱)سورۂ نساء، آیت ۱۱۹
۱۲)سورۂ مائدہ، آیت ۵۱
۱۳)سورۂ بقرہ،آیت ۲۵۷
۱۴) سورۂ یونس، آیت ۳۲
۱۵) صحیفہ امام ،ج/۱۰،ص ۳۲۳۔مشمولہ ’’ اسلامی حکومت اور ولایت فقیہ امام خمینی کی روشنی میں‘‘ ۔مترجم سلیم علوی

☆

ولایت فقیہ، بزرگ فقہاء کی نظر میں

سید غلام حسین رضوی ہلوری

مقدمہ: لفظ ولایت کے جہاں متعدد معانی علمائے لغت نے ذکر کئے ہیں وہیں ایک معنیٰ ''سرپرستی اور حکومت'' کے بھی ہیں۔یعنی ولی کا مطلب ، حاکم اور سرپرست ہے جیسا کہ خود پیغمبرؐ نے خطبۂ غدیر میں اسی معنیٰ کے پیش نظر لفظ اولیٰ کا استعمال کیا، آپ نے فرمایا:'' الست اولیٰ بکم من انفسکم قالوا بلیٰ '' یا خود قرآن میں خدا نے اپنے لئے لفظ مولیٰ کا استعمال اسی معنیٰ میں کیا'' نعم المولیٰ '' یا لفظ ولی جیسے'' فاللّٰہ ھو الولی ''[۱]

فقیہ کا مطلب ہے کچھ اصول وضوابط کے ذریعہ شریعت کو قرآن واحادیث سے حاصل کرنے کی صلاحیت رکھنے والا، ان مفردات کو جب ترکیب دے کر دیکھا جائے تو اس لفظ'' ولایت فقیہ'' کا مطلب فقہی اور شرعی حکومت وسرپرستی ہے۔یعنی ولی فقیہ اس انسان کو کہتے ہیں جو لوگوں پر فقہی اور شرعی حکومت وسرپرستی رکھتا ہو۔ اور ایسے انسان کی ضرورت پر کسی بھی مذہبی انسان کو شک وشبہ نہیں ہوسکتا ہے۔ کیونکہ قانون کا بنانا ایک مسئلہ ہے اور اس کو نافذ کرنا ، معاشرہ میں اس پر پابندی کروانا ایک دوسرا مسئلہ ہے۔ اسی لئے خداوند عالم نے قوانین بنا کر ہر زمانہ میں اہم ہستیوں کو اس کی تشریح اور نفاذ کے لئے بھیجا ، الحمد للہ یہ سلسلہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام تک جاری وساری رہا لیکن آج جبکہ غیبت امام عصر علیہ السلام کا زمانہ ہے تو ایسے انسان کی ضرورت ہے جو اس ہدف کو باقی اور قائم رکھ سکے کیونکہ اگر ایسا قبول نہ کیاجائے تو ہرج ومرج اور معاشرہ میں انحطاط کا بول بالا ہوجائے گا لوگوں کے حقوق آسانی سے ضائع وبرباد کردئے جائیں گے،ظلم وستم، حاکم ہوجائے گا،عزت وآبرو پامال ہوجائے گی، ناموس کا تحفظ مشکل ہوجائے گا ، ہرکوئی کسی کے حریم میں داخل ہونے کی جرأت کرے گا۔ ہوسکتا ہے کوئی انسان یہ کہے کہ اس مشکل کا حل تو نظام حکومت کے ذریعہ نکالا گیا ہے تو پھر ولی فقیہ کی کیا ضرورت ؟ جواب واضح ہے کہ نظام حکومت اپنے مفاد کے اطراف طواف کرتا رہتا ہے، غریب محکوم اور امیر حاکم ہوتاہے، صاحب اقتدار ہر قیدو بند سے آزاد ہوتاہے اور رعایا مسلسل مظالم کا شکار رہتی ہے، دبنگ اپنی خواہشات تک پہنچ جاتاہے اور کمزور وناتواں حسرتیں لئے مچلتا رہتا ہے۔

لیکن اگر نظام حکومت کسی ایسے کے ہاتھ میں ہو جو عادل ہو، صحیح اور غلط کے درمیان کے فرق کو اچھی طرح سمجھتا ہو، فطری اور الٰہی قوانین سے آگاہ ہو، ملک کے مفاد اور ضرورتوں سے واقف ہو، خواہشات نفس کا اسیر نہ ہو، خدا اور رسولؐ وائمہ علیہم السلام کا مطیع ہو تو پھر ایسے انسان کے ذریعہ، صحیح امید کی توقع رکھی جاسکتی ہے، حقوق کے وفا ہونے کی امید بڑھ جاتی ہے، ظلم کا راستہ بند اور انصاف کی راہیں ہموار ہوجاتی ہیں۔ لیکن ان تمام امور کو عملی جامہ پہنانے کے لئے حکومت کا ہونا ضروری ہے اسی لئے خداوند عالم نے معصومین علیہم السلام کو اس دنیا میں ولی وسرپرست بنایا۔ انہیں اس زمین پر اپنا خلیفہ بنایا تاکہ وہ حکومت کے سہارے معاشرہ کی اصلاح کرسکیں، ظلم کا خاتمہ اور انصاف کو رائج اور عام کرسکیں، جبھی تو رسولؐ نے مدینہ میں قدم رکھتے ہی حکومت کی بنیاد رکھی، ائمہ علیہم السلام کو جب موقع ملا انہوں نے بھی حکومت کے ذریعہ الٰہی وشرعی اغراض ومقاصد کو فروغ دیا۔ ان تمام باتوں سے یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ معاشرہ میں امن وامان کے قیام، حقوق کی ادائیگی، ظلم وستم سے نجات پانے کے لئے ایک ایسے حاکم وسرپرست کی ضرورت ہے جو عادل ہو، خواہشات نفس کا غلام نہ ہو وغیرہ اور اس حاکم کا کام نظارت کرنا ہے اور ضرورت پڑنے پر شریعت کے صحیح قانون اور فیصلہ کو لوگوں تک پہنچانا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام ہر ایک سے ممکن نہیں ہے۔

ولی فقیہ کے لئے چونکہ حکومت کی بھی ضرورت پڑتی ہے تاکہ وہ آسانی سے الٰہی وشرعی قوانین کو نافذ کرسکے اسی لئے اس موضوع پر زیادہ تر فقہاء نے نظری اور علمی بحثیں کی ہیں، اور اس حقیقت کا سب نے اعتراف کیا ہے کہ ایسے شخص کی ضرورت ہے لیکن حکومت نہ ہونے کی وجہ سے یہ عملی نہیں ہوسکا لہٰذا بزرگوں نے اس پر زیادہ گفتگو نہیں کی ہاں اس پر ضرور بحث رہی ہے کہ ولی فقیہ کے اختیارات کتنے ہیں۔ تو جس طرح شریعت کی حفاظت کرنا ائمہ معصومین علیہم السلام کا کام تھا اور وہ دین کو ہر طرح کی غلط فکروں اور خرافات سے بچاتے تھے وہی فلسفہ ولی فقیہ کے ذریعہ تکمیل تک پہنچتا ہے۔ ورنہ ہم دو حال سے خارج نہیں ہوں گے یا یہ کہہ دیں کہ رسولؐ کے بعد شریعت کے احکام ختم ہوگئے یا پھر یہ کہیں کہ قیامت تک کے لئے احکام باقی ہیں۔ پہلا تصور باطل ہے اور دوسرا تصور صرف خیال بن کر رہ جائے گا اگر اس کے نفاذ اور بقاء کے لئے ایک ایسے حاکم وسرپرست کا وجود ضروری نہ سمجھا جائے جو اس کا اہل بھی ہو۔ عصر غیبت میں ایران کا انقلاب، وہ پہلا موقع ہے جہاں الٰہی وشرعی معیار پر حکومت قائم ہوئی، اسی لئے ولایت فقیہ کا موضوع اپنی عملی واجرائی حیثیت کے پیش نظر علمی

محافل میں بحث وگفتگو کا محور بنا۔ امام خمینیؒ اور ان کے بعد دوسرے فقہاء نے اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی۔

ولایت ونیابت میں فرق

کوئی یہ تصور نہ کرے کہ ولایت اور نیابت دونوں ایک جیسی ہیں لہٰذا جو حقیقت نائب کی ہوتی ہے وہی ولی کی، کیونکہ نیابت میں منوب عنہ، اصل اور نائب فرع ہوتا ہے درحالیکہ ولایت میں ولی اصل اور مولیٰ علیہ فرع کی حیثیت رکھتا ہے۔

مراتب ولایت

کسی کا کسی پر ولایت رکھنا یہ کوئی نیا اور جدید کام نہیں ہے بلکہ مصالح ولایت کے مدنظر، یہ شریعت کے مسلمات اصول میں سے ایک ہے۔ عقلائے عالم نے بھی اس کی افادیت کے پیش نظر کسی حدتک اس اصل کی تائید بھی کی ہے اور اس پر عمل بھی کررہے ہیں لیکن چونکہ ان کی عقلیں محدود اوران کے مصالح ومفادات کے فہم کی طاقت مضیّق ہے لہٰذا وہ کچھ مرحلہ کے بعد اس کے بارے میں گفتگو کرنے سے عاجز ہیں لیکن الٰہی نظام کے عالمی اور وسیع ہونے کا یہ ثبوت ہے جو اس نے اس موضوع پر ایک جامع گفتگو کی اور اس کی ضرورت کو عام تصور سے کہیں بالاتر بتایا۔

الف: محدود اور جزئی ولایت

۱۔ باپ کی ولایت اپنے نابالغ فرزند پر۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے تمام کام کا ذمہ دار باپ ہوتا ہے۔

۲۔ باپ کی ولایت مجنون فرزند پر۔

۳۔ شوہر کی ولایت زوجہ پر۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے اپنے امور کو زوجہ، شوہر کی رضایت کے بغیر انجام نہیں دے سکتی۔

ب: وسیع اور کلی ولایت

۱۔ حضرت رسول خداؐ کی ولایت امّت پر۔

۲۔ ائمہ معصومین علیہم السلام کی ولایت امت رسولؐ پر۔

۳۔ فقہاء کی ولایت، امّت محمدؐ پر۔

یہ تمام ولایتیں بھی طول میں ہیں لیکن اس حیثیت سے کہ ان کا تعلق پوری امت اور معاشرہ سے ہے لہٰذا انکا دائرہ اختیار، وسیع اور کلی ہوتا ہے۔ اور چونکہ اعمال ونفاذ ولایت کے لئے حکومت کا ہونا ضروری ہے لہٰذا ان حضرات کی عملی ولایت ،حکومت کے پس منظر میں ہے۔

ایک وہم اور اسکا جواب

ہوسکتا ہے کوئی کہے: ولایت کا مطلب ہے تسلط اور حاکمیت ،جبکہ بہت سی شرعی دلیلوں میں صراحت سے کہا گیا ہے کہ خدا کے سوا کوئی بھی کسی پر تسلط نہیں رکھتا۔

یہ ایک مغالطہ ہے کیونکہ تسلط کا مطلب ہے دوسروں کوحکم دینا، دوسروں پر اپنا حکم چلانا اور خود اس پر عمل نہ کرنا جبکہ ولی فقیہ اور اس کے تابعین کے درمیان،عمل کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے۔ولی فقیہ کا جوفرمان ہے وہ خودبھی اس پرعمل پیرا ہوتا ہے۔

ولی فقیہ کے بارے میں بزرگ فقہاء کے نظریات

مذکورہ بیانات سے یہ مطلب واضح ہوگیا کہ ولی فقیہ کی ہر زمانہ میں ضرورت ہے اوراجرائے ولایت کے لئے حکومت ضروری ہے تاکہ آسانی سے اور پورے اختیار کے ساتھ شریعت کے احکام کو نافذ کیا جاسکے اور ان کی نگرانی کی جاسکے۔ اس اہمیت کا ادراک کرتے ہوئے بزرگ فقہاء نے اپنے نظریات کا اس طرح اظہار کیا:

شیخ انصاری مرحوم

شیخ انصاریؒ نے اپنی معروف کتاب مکاسب کے مسئلہ" التّصرف فی مال الصغیر" میں پہلے فقیہ کے تین منصب بیان کئے ہیں(۱۔منصب فتویٰ، ۲۔منصب مرجعیت (اختلاف وغیرہ کی صورت میں) ۳۔منصب ولایت یعنی اموال اورنفسوں پرتصرف) پھر ولی فقیہ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

ولی فقیہ کو دوطریقہ سےتصور کیا جاسکتا ہے:

۱۔تصرف میں استقلال (یعنی صاحب مال کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا)

۲۔دوسرے کے تصرف کا ولی فقیہ کی اجازت پر موقوف ہونا۔

پہلی صورت ، قاعدہ اولیہ (کہ کسی کو کسی پر تسلط حاصل نہیں ہے اور ہر ایک اپنا خود ذمہ دار ہے) کی بنیاد پر صحیح نہیں ہے ۔ اور دلیلوں سے یہ ثابت کرنا نہایت مشکل ہے کہ ولی فقیہ کی اطاعت

اس صورت میں امام معصوم علیہ السلام کی اطاعت کے مانند ہے۔لیکن دوسری صورت کو شیخ انصاریؒ نے ولی فقیہ کے لئے قبول کیا ہے اور اس سلسلہ میں انہوں نے کچھ ضابطے بھی ذکر کئے ہیں۔ ملاحظہ ہو: (''المکاسب'' التصرف فی مال الصغیر)

خلاصہ یہ کہ شیخ انصاریؒ ،مخاصمات (اختلافات)اوراموال صغیر کی دیکھ بھال، ولی (باپ) نہ ہونے کی صورتیں، اسی طرح غائب کے اموال وغیرہ جیسے موارد میں ولایت فقیہ کی بحث کو ذکر کرتے ہوئے اس پر مقبولہ عمر بن حنظلہ ،توقیع شریف وغیرہ سے استدلال کرتے ہیں۔

وہم

بعض لوگوں نے بہت صراحت سے لکھا ہے کہ شیخ انصاریؒ کسی بھی حال میں اختیارولایت فقیہ کے قائل نہیں ہوئے یا لااقل مشکوک ہے۔تو جب بعض موارد میں ولایت فقیہ کے قائل نہیں ہوئے تو پھر ولایت مطلقہ فقیہ کے کہاں قائل ہوں گے۔ [۲]

جواب

یہ بات صرف، دقت نہ کرنے کی وجہ سے کہی گئی ہے ورنہ شیخؒ نے ہزاروں امور کو ولی فقیہ کے اختیار میں جانا ہے اور اپنی بات کو توقیع حضرتؑ سے مستدل کرتے ہوئے اس طرح اظہار خیال کیا ہے:

" والحاصل انّ لفظ الحوادث لیس مختصّابما اشتبه حکمه ولابالمنازعات'' [۳]

لفظ حوادث، صرف ان ہی چیزوں سے مخصوص نہیں ہے جن کا حکم مشتبہ ہے۔ اسی طرح صرف اختلافات کو دور کرنے سے محدود نہیں ہے۔

پھر شیخ انصاری فرماتے ہیں:

'' وعلی ای تقدیر فقد ظهر مما ذکر نا انّ مادلّ علیه هذه الادلّة هو ثبوت الولایه للفقیه فی الاموالتی یکون مشروعیة ایجادهافی الخارج مفروغاً عنها بحیث لوفرض عدم الفقیه کان علی النّاس القیام به کفایه'' [۴]

مذکورہ تمام باتوں سے یہ بات روشن ہوگئی ہے کہ وہ چیز جس پر یہ دلیلیں دلالت کرتی ہیں وہ فقیہ کی ولایت کا ان امور میں ثابت ہونا ہے جنہیں خارج میں انجام دئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے اس طرح سے کہ فقیہ کے موجود نہ ہونے کی صورت میں واجب کفائی کے عنوان سے ان امور کی

سرپرستی لوگوں کی ذمہ داری ہے۔

شیخ انصاری مرحوم یہاں تک اظہار نظر کرتے ہیں کہ اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پامال ہورہے ہوں تو حاکم جائر کی جانب سے ولایت کا قبول کرنا جائز یا واجب ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی دلیلیں مطلق ہیں۔ لہٰذا جب شیخ انصاریؒ، بطور مطلق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی مشروعیت کے قائل ہیں تو پھر تمام واجبات اور محرمات میں فقیہ کی ولایت بہر حال ثابت ہے۔

انصاف تو یہ ہے کہ شیخ پہلی صورت میں بھی ولایت فقیہ کے قائل ہیں۔ تفصیلی معلومات کے لئے شیخ انصاری کی ''مکاسب'' کتاب طہارت سے ملحق کتاب خمس اور کتاب زکات کی جانب رجوع کیا جاسکتا ہے۔ ہم یہاں پر نمونہ کے طور پر صرف ان کی عبارت نقل کررہے ہیں:

"المتولی لاخراج الزّکاة الی مصارفها اثنان: المالک وفی حکمه نائبه ولیّاً اووکیلاً اووصیّاً وینوب عنه الساعی۔ اما لمالک ونوابه فلاخلاف فی جواز تولیهم فی الجملة خلافاً للمفید والحلبی فاوجبا الدفع الی الامام مع حضوره والی الفقیه مع الغیبة... ولوطلبها الفقیه فمقتضی ادلة النیابة وجوب الدّفع لانّ منعه ردّعلیه والرادّ علیه راد علی اللّٰه کمافی مقبولة عمر بن حنظلة ولقوله(ع) فی التوقیع الشریف الواردة فی وجوب الرّجوع:۔[۵]

''زکات کو دولوگ صرف کرسکتے ہیں: مالک اور اسکا نائب، چاہے وہ ولی کی حیثیت سے ہو یا وکیل کی حیثیت سے یا وصی کی حیثیت سے اور کام کرنے والا (عامل) بھی اس کی طرف سے نیابت رکھتا ہے۔ لیکن مالک اور اس کے نائب حضرات کی ولایت کے سلسلے میں صرف مفیدؒ اور حلبیؒ مخالف ہوئے ہیں کیونکہ ان دونوں حضرات کا ماننا ہے کہ امامؑ کی موجودگی میں یہ زکات خود امام علیہ السلام کو ہی دی جائے گی اور غیبت امامؑ کے زمانہ میں فقیہ کو... اور اگر فقیہ، زکات کا مطالبہ کرے تو نیابت کی دلیلوں کی بنیاد پر اس کو دینا واجب ہے کیونکہ اسے نہ دنیا اور مخالفت کرنا امام علیہ السلام کی مخالفت کرنا ہے۔ اور امام علیہ السلام کی مخالفت، خدا کی مخالفت ہے جیسا کہ مقبولہ عمر بن حنظلہ اور امام زمانہ علیہ السلام کے وجوب رجوع کے سلسلے میں ماثور توقیع میں ذکر

ہوا ہے۔

اور کتاب الخمس میں شیخ انصاریؒ فرماتے ہیں:

''...لکن الانصاف ان ظاهر تلک الادلّة تثبت ولاية الفقيه عن الاما م على الامور العامّه لامثل خصوص امواله واولاده ، نعم يمكن الحكم بالوجوب نظراً الى احتمال مد خلية خصوص الدفع فى رضاء الامام حيث انّ الفقيه ابصر بمواقعها بالنّوع وان فرضنا فى شخص الواقع تساوى بصيرتهمااو أبصرية المقلد''۶ے

.... لیکن انصاف یہ ہے کہ ان دلیلوں کے ذریعے امام علیہ السلام کی جانب سے فقیہ کی ولایت ، تمام امور پر ثابت ہوتی ہے نہ صرف اموال اور اولاد میں، بلکہ اس ولایت کے واجب ہونے کا بھی حکم لگایا جاسکتا ہے اگر اس کا احتمال دیا جائے کہ چیزوں کو وہیں دیا جاسکتا ہے جہاں امام علیہ السلام راضی ہوں'' کیونکہ فقیہ عموماً ائمہ کی رضایت اور مصلحت کے موارد اور مواقع سے زیادہ آگاہ ہوتے ہیں چاہے ہم اس بات کا احتمال بھی دیں کہ ایک ایسا شخص بھی موجود ہے جو آگاہی کے حوالہ سے اس کے مساوی ہے یا اس کا مقلد زیادہ آگاہ ہے۔

نظریۂ صاحب جواہر

صاحب جواہر نے ولایت فقیہ کے سلسلہ میں صراحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ:

''مذہب کی عظیم شخصیتیں ولایت فقیہ کی قائل ہیں'' نیز فرماتے ہیں : جو شخص ولایت فقیہ کے بارے میں وسوسہ کرے اس نے ذائقہ فقہ کو نہیں چکھا اور ائمہ معصومین علیہم السلام کے کلمات کے رمز کو نہیں سمجھا ہے۔'' ۷ے

یہی وجہ ہے کہ ان کے عظیم شاگرد جیسے آیت اللہ شیرازیؒ ، آخوند خراسانیؒ ،حاج میرزا حسینؒ، حاج میرزا خلیلؒ، آیت اللہ یزدی بھی ولایت فقیہ کے سرسخت حامیوں میں سے ہیں اور انہوں نے ذرہ برابر بھی اس سلسلہ میں شک وتردید کا اظہار نہیں کیا ہے۔ بلکہ اس کے اثبات پر بہت زور بھی دیا ہے۔۸ے

نظریۂ آقای آخوند خراسانیؒ

محقق عصر، شیخ آخوند خراسانیؒ بھی تقریباً اپنے استاد شیخ انصاریؒ کی طرح ولایت فقیہ کے بارے میں نظر رکھتے ہیں اور کہیں بھی انہوں نے اصل ولایت فقیہ پر شبہ یا اعتراض نہیں کیا ہے۔ آخوند خراسانیؒ کے نظریہ کو ان کے رسالہ عملیہ میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔۹

قارئین بخوبی متوجہ ہیں کہ رسالہ عملیہ، مقلدین کے لئے لکھی جانے والی کتاب ہے۔ اور اس کا تعلق براہ راست عمل سے ہوتا ہے۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ شیخ آخوندؒ، ولایت فقیہ کے مخالف ہوں، لیکن میدان عمل میں، عملی کتابوں میں اس کی موافقت اور حمایت کا فتویٰ دیں!

نظریۂ آقای نائینی مرحوم:

میرزا محمد حسین نائینی مرحوم، حاشیہ ''مکاسب'' میں اس عبارت ''من جملةاولیاء التصرف فی مال من لایستقل بالتصرف فی ماله الحاکم'' کے ذیل میں لکھتے ہیں:

ولایت کے تین مراحل ہیں:

۱۔ سب سے بالا مرتبہ، انبیاء اور اوصیاء علیہم السلام سے مخصوص ہے جو کسی دوسرے کو نہیں دیا جاسکتا ہے۔

۲۔ دوسرا مرتبہ، ایک ایسا مرتبہ ہے جو کسی دوسرے کو عطا کیا جاسکتا ہے اور اس کا تعلق سیاست، امور کے نظم، سرحدوں کے استحکام، دشمنوں سے جہاد کرنے اور دفاع وغیرہ سے ہے جو کہ والیوں اور حکمرانوں سے مربوط ہوتا ہے۔

۳۔ تیسرا مرتبہ، قضاوت وعدالت اور فتویٰ دینے سے متعلق ہے۔

آخر کے دونوں مرحلے اور مرتبے رسولؐ خدا اور حضرت علی علیہ السلام بلکہ خلفاء کے زمانہ میں بھی پائے گئے ہیں۔ کچھ لوگ فتویٰ دینے اور قضاوت کے لئے منصوب ہوتے تھے اور کچھ لوگ ملک میں نظم اور مسلمانوں کی مصلحتوں پر نظارت رکھنے کے لئے منصوب ہوا کرتے تھے اور کبھی کبھی لیاقت اور اہلیت کی بنیاد پر دونوں منصب اور مرتبہ ایک ہی شخص کے پاس ہوا کرتا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ قاضی اور والی دو الگ الگ شخص ہوا کرتے تھے۔۱۰

انصاف کی بات تو یہ ہے کہ شیعہ فقہاء میں کوئی ولایت فقیہ کا منکر نہیں ہے۔ اور اگر کہیں ان کے بیانات میں اس طرح کی تعبیر ملتی بھی ہے تو وہ درحقیقت ولایت فقیہ کے منصب کو منصب رسالت وامامت کے برابر قرار دینے سے متعلق ہے، نہ کہ وہ اصل ولایت فقیہ کے منکر ہوئے ہیں، کیونکہ اس اصل کے وجود پر جہاں قرآن واحادیث سے تائیدات ملتی ہیں وہیں عقل بھی اس کے وجود کو حفظ نظام اور مصلحت عامۂ مسلمین کے لئے ضروری سمجھتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آیت اللہ نائینی مرحوم نے کتاب ''تنبیہ الامّة وتنزیہ الملّة'' ص ۴۱ میں اصل ولایت فقیہ کے اثبات میں اپنی پوری علمی توانائی کو بروئے کار لاتے ہوئے لکھا:

> '' اب جبکہ معصومؑ اور معصوم کے عام نائب ، عادل فقہاء کی حکومت نہیں ہے اور اس طرح کے حالات اور مواقع فراہم نہیں ہوپارہے ہیں اور دوسری طرف، دنیا پرست وظالم لوگ فقہائے اسلام کی حکومت کے اسباب فراہم نہیں ہونے دے رہے ہیں، ایسی حالت میں عقل حکم کرتی ہے کہ ''صالح حضرات کی حکومت کو قائم کیا جائے تاکہ ظالموں کو مہار کیا جاسکے اور ان کے ظلم کو کسی حد تک روکا یا کم کیا جاسکے''۔سلطنت وحکومت کا ہڑپ لینا جہاں عظیم ظلم ہے وہیں ظلم و استبداد کو تحمل کرنا بھی ایک ظلم ہے۔ لہٰذا اگر لوگ ظالم حکمرانوں سے تخت وتاج چھین کر حکومت کو فقہاء کے حوالے نہ کرسکیں تو کم از کم ظلم واستبداد کو تو ختم کرسکتے ہیں، تاکہ کسی حد تک اسلامی معاشرہ کے واقعی مصالح سے قریب ہوسکیں''۔

پھر موصوف اپنی گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے قاعدۂ معروف ''المیسور لایسقط بالمعسور'' سے جو کہ عقلی اور غیر قابل تخصیص قاعدہ ہے، اپنی بات کو مستحکم اور مستند قرار دیتے ہیں۔ اور اس کی تائید میں حضرت علی علیہ السلام کا مشہور جملہ نقل کرتے ہیں: ''لابدّللنّاس من امیر برّأو فاجر'' بہر حال لوگوں کے لئے امیر وولی کا ہونا ضروری ہے، چاہے وہ نیک ہو یا برا، یہ صرف اس لئے ہے کہ حضرت کی نگاہ میں معاشرہ اور نظام میں ہرج مرج سے کہیں زیادہ اہم، امیر وولی کا وجود ہے جو ایک نظام کے تحت حالات پر قابو اور نظارت رکھتا ہے۔

وہم

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آقای نائینی مرحوم ولایت فقیہ کو، ایک طرح کا دینی استبداد

مانتے ہیں اس لئے معصوم کے سوا کسی کو ولایت کا حق نہیں ہے۔

جواب: اگر موصوف کی تعبیرات پر غور کیا جائے تو بات کچھ اور ہی ہے وہ غیر معصوم کی ولایت (جس معنیٰ میں ولایت کی اب تک وضاحت ہوئی ہے) کے قطعاً منکر نہیں ہیں بلکہ انہوں نے ولایت کے متعلق تاریخ اسلام میں غلط استعمال کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کچھ افراد کی حکومت کو دینی استبداد سے تعبیر کیا ہے جیسے معاویہ کیونکہ ان جیسے لوگوں نے ولایت کا بہانہ بنا کر اپنے مفاد کو حاصل کیا، من مانی کی، لیکن ولی فقیہ لوگوں کی منفعت اور مصلحت کے سوا کچھ اور نہیں چاہتا۔ لہٰذا اس کا دینی استبداد سے تعبیر کرنا غلط ہے۔

یہ تاریخ فقاہت کی بعض عظیم ہستیاں تھیں جن کے بیانات کو نمونہ کے طور پر ''ولایت فقیہ'' کے سلسلہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ لہٰذا اطالۂ کلام سے بچتے ہوئے ولی فقیہ کے کچھ اہم اختیارات کی جانب اشارہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہیں فقہاء نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔

ولی فقیہ کے بعض اہم اختیارات

۱۔اختلافات کو ختم کرنا منتہیٰ اجتماعی نہ کہ مصداق اور فرد فرد کے لئے۔

۲۔تعزیرات اوران کے جیسے قوانین واحکام کو ضرورت کے مطابق تشخیص دینا۔

۳۔جدید اور نئے موضوعات ومسائل سے متعلق قوانین پر نظر دینا۔

۴۔اراضی اموات (بنجر زمین) کی تقسیم بندی، زکات وصدقات کو فقراء اور محرومین میں صرف کرنا، دیت کا ادا کرنا، غیر مالک مال کا قبضہ میں لینا، جہاد اور دفاع کا حکم دینا۔

۵۔تزاحم کی صورت میں اہم اورمہم کی تشخیص دینا جیسے نماز، روزہ، حج وغیرہ فروع دین میں تزاحم کی حالت پیش آنے پر وقت کا تقاضا اورفعلی ضرورت کیا ہے؟ اس کی تشخیص دینا۔

خلاصہ وہ امور جن کی صراحت اور وضاحت قرآن وروایات میں نہیں ہوئی ہے اور اگر ان مسائل میں نظرنہ دی جائے اور مصلحت کو مدنظر نہ رکھا جائے تو دین کے تعطیل ہونے کا سبب بنے گا، ایسے مقام پر ولی فقیہ کی نظر بنیادی حیثیت رکھتی ہے، اور پھر ان کا نفاذ اور ان پر نظارت، ولی فقیہ کی حکومت کے بغیر ناگزیر ہے۔ اسی لئے اسلام میں اس موضوع کے بارے میں کافی تاکید ملتی ہے۔ چونکہ اسلام ایک نظام حیات کانام ہے اوراس نظام کی بقاء ودوام اور اس کا صحیح نفاذ، ایک ولی فقیہ جیسے شخص کی حکومت وولایت کے بغیر مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس اصل کی ضرورت پر تمام فقہاء متفق ہیں۔

حوالے:

۱۔سورۂ شوریٰ ،آیت ۹

۲۔تفصیل وتحلیل ولایت مطلقہ فقیہ،نہضت آزادی،ص ۶۳۔۶۲

۳۔مکاسب شیخ انصاری ،ص ۱۵۴

۴۔ایضاً،ص ۱۵۴

۵۔کتاب الزکات،ص ۶۷۴،اسی طرح کتاب الخمس ،ص ۵۱۶

۶۔کتاب الخمس ،ص ۵۱۶

۷۔ماخوذ از ولایت فقیہ از دیدگاہ فقہای اسلام،ص ۸۲

۸۔ایضاً

۹۔ماخوذ از ولایت فقیہ از دیدگاہ فقہای اسلام،ص ۹۵

۱۰۔منیۃ الطالب، ج ۱،ص ۳۲۵

ولایت فقیہ قرآن اور حدیث کی نظر میں

پروفیسر سید فرمان حسین
شعبہ شیعہ دینیات اے ایم یو، علی گڑھ

لفظ ولایت کا مادہ ولی (ول ی) ہے اسی مادہ سے ولا، وِلایت، وَلایت ولائت ، والی ، مولیٰ، مولوی، اولیٰ، متولی وغیرہ نکلے ہیں۔

یہ لفظ اپنے مشتقات کے ساتھ قرآن مجید میں ۲۳۶ مقامات پر وارد ہوا ہے ان الفاظ پر ایک نظر ڈال لینا کچھ نہ کچھ مفید ہی ہے۔

ولی= لغت کی مشہور کتاب 'صحاح' میں ولی کے مندرجہ ذیل معانی بتائے گئے ہیں (۱)قریب، (۲) کسی کی کفالت کرنے والا (۳) موسم بہار کی دوسری بارش (۴)کسی کام کی ذمہ داری سنبھالنے والا (۵) پڑوس، چنانچہ کہا جاتا ہے دارہ ولی داری (اسکا گھر میرے گھر کے پاس ہی ہے)(٦)کسی کام کا انتظام کرنے والا۔(۷) حافظ اور مددگار(۸)مطیع اور فرمانبردار، جیسے کہا جاتا ہے المومن ولی اللّٰہ (مومن اللہ کا فرماں بردار ہوتا ہے)

(۹)تخت وتاج کے وارث کو ولی العہد کہا جاتا ہے(۱۰) کسی یتیم کے سرپرست کو ولی الیتیم کہا جاتا ہے۔ ولی اور مولا کے معنیٰ اکثر ایک ہی ہوتے ہیں۔ اللہ، رسولؐ، حضرت علیؑ اور عام مومنوں کو بھی قرآن مجید میں ولی کہا گیا ہے۔ اس کی جمع اولیاء ہے۔محل استعمال پر نظر ڈالنے سے جو معنیٰ سامنے آتے ہیں وہ یہ ہیں۔

محبت کرنے والا، دوست، مددگار، پڑوسی ، حلیف ،تابع، داماد وغیرہ ''لسان العرب'' میں اس کے ایک معنیٰ کسی عورت کے عقد نکاح میں سرپرستی کرنے والے کے ہیں۔[۱]

''اقرب الموارد'' میں اس کے ایک معنیٰ کسی امر کی ملکیت کے بھی بتائے گئے ہیں۔[۲]

ولا۔اس کے معنی نزدیکی کے ہیں خواہ یہ قرب جسمانی ہو یا روحانی ، اس کے محل استعمال پر نظر ڈال لینے سے جو معنیٰ سمجھ میں آتے ہیں وہ یہ ہیں۔

دوستی، حمیت، حمایت، سرپرستی، تسلط ، وراثت۔ بہر حال ان سب معانی میں نقطۂ اشتراک

قرب اور قرابت ہی ہیں۔ اس میراث کو بھی ولا کہتے ہیں جو آزاد کردہ غلام سے یا عقد موالات کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔

ولایت: اس کے معنی ہیں کسی چیز کا دوسری چیز کے برابر اس طرح موجود ہونا کہ ان میں کوئی فاصلہ نہ رہے۔

مفردات راغب اصفہانی کے مطابق ولایت کے معنی مدد کرنے کے ہیں ۔ ان شہروں اور علاقوں کو بھی ولایت کہا جاتا ہے جن پر ایک ہی حاکم کا قبضہ ہو۔ اسی لئے انگریزوں کے مقبوضہ مما لک اور علاقوں کو الگ الگ سرحدیں ہوتے ہوئے بھی ولایت کہتے تھے کیونکہ ان سب کا حاکم انگریز تھا۔ ولایت کے ہم معنی دوسرے الفاظ یہ ہیں ۔ امارت۔حکومت، سلطنت، وِلایت وَلایت، اور ولائت کے معنی رشتہ داری کے بھی ہیں۔ وِلایت ووَلایت کے معنی نصرت کے بھی ہیں لیکن اگر وِلایت زیر کے ساتھ ہوتو اس کو سلطنت کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔

سیبویہ کے بقول وَلایت (زبر کے ساتھ ہوتو) مصدر ہے اور زیر کے ساتھ ہوتو اسم مصدر ہے ۔

هنالک الولایة الحق ۳؎　　یہاں حق کی ہی ولایت ہے۔

ایک انگریزی کتاب ''The Just Ruler'' میں ولایت کے معنی یہ بتائے گئے ہیں۔

Authority to act as a guardian or authority to administer or supervise a delegated task (The Just Ruler p 174)

ترجمہ: سرپرستی، انتظام یا نگرانی کے لئے تفویض کئے ہوئے اختیارات

اسی کتاب میں تحریر ہے کہ فاضل مقداد نے کتاب'' کنز العرفان'' میں ولایت کی چار قسمیں تحریر کی ہیں۔

(۱) ولایۃ القرابۃ (۲) ولایۃ الحاکم (۳) ولایۃ الملک (۴) ولایۃ العصوبۃ

۱۔ولایۃ القرابہ کی بنیاد رشتہ ہے اور اس کا تعلق باپ یا دادا سے ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ یہ کسی اور رشتہ دار کے لئے نہیں ہے۔ نابالغ بچہ یا دیوانہ کے معاملات کا اختیار باپ یا دادا کو ہوتا ہے۔ دیوانہ اگر بالغ بھی ہوجائے تب بھی یہ ولایت برقرار رہتی ہے البتہ بالغ باکرہ لڑکی کی ولایت کے سلسلہ میں علماء کے درمیان اختلاف ہے کہ نکاح کے سلسلہ میں اس کے لئے ہر حال میں ولی کی اجازت ضروری ہے یا نہیں۔ زیادہ تر علماء کا نظریہ ہے کہ ولی کی اجازت لازمی ہے اور یہ اجباری ہے

اس بارے میں متولی علیہ کو کوئی اختیار نہیں ہے۔

۲۔ ولایت حاکم۔ جس شخص کا کوئی ولی نہ ہو اور اس میں اچھے برے کو سمجھنے کی صلاحیت نہ ہو تو ایسے شخص کا ولی حاکم عادل ہوتا ہے۔

۳۔ ولایۃ الملک: یہ ولایت مالک کو اپنے مملوک جیسے غلام اور کنیز پر حاصل ہوتی ہے خواہ مملوک بالغ ہو یا نابالغ ۔دیوانہ اور مجنون ہو یا باشعور اور ہوش مند۔

۴۔ولایۃ العصوبہ، یہ ولایت صرف باپ کے رشتہ داروں کو حاصل ہوتی ہے ۔ماں کے رشتہ داروں یا دیگر افراد سے تعلق رکھنے والوں کو نہیں ہوتی ۔

ولایت کا یہ تصور اہل سنت میں ہے شیعوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔☆

والی: حاکم شہر کو والی کہتے ہیں اس کی جمع ولاّ ۃ ہے

مولیٰ: اس کے معنیٰ مندرجہ ذیل ہیں۔

مالک، سردار، غلام ، آزاد کرنے والا ، آزاد شدہ، انعام دینے والا، وہ شخص جسے انعام دیا جائے، محبت کرنے والا۔ ساتھی۔ حلیف پڑوسی ،مہمان، شریک ، بیٹا چچا، چچا کا بیٹا، بھانجہ داماد، رشتہ دار، تابع

مولیٰ کی جمع موالی ہے۔

مولوی: مولیٰ کی طرف منسوب شخص کو کہتے ہیں ۔ المولویہ ایک قسم کی ٹوپی کو کہتے ہیں ۔

جسے فرقۂ مولویہ کے لوگ استعمال کرتے ہیں جس شخص میں سرداروں کی سی مشابہت ہوتی ہے اس کے لئے کہا جاتا ہے فیہ مولیہ اس میں مولویت پائی جاتی ہے۔

اولیٰ: اس کے معنی احق یعنی سب سے زیادہ حق دار اور اقرب یعنی سب سے زیادہ قریب کے ہیں۔قرآن مجید میں ہے۔

اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاِبرَاھِیمَ لَلَّذِینَ اتَّبَعُوہُ وَھَذَا النَّبِیُّ وَالَّذِینَ آمَنُوا وَاللّٰہُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ ۔[۴]

ابراہیم سے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ تھے۔جنہوں نے ان کی پیروی کی اور یہ نبی ہیں اور وہ لوگ ہیں جو اس پر ایمان لائے ہیں اور مسلمانوں کا ولی تو اللہ ہے۔

متولّی: کسی چیز کے امور کو منظّم کرنے اور اس کا انتظام چلانے والے کو کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مجموعی طور پر ولی تین معانی میں استعمال ہوا ہے ۔

۱۔ سرپرست۔ جیسے (الف)انّما ولیّکم اللّٰہ ورسولہ والّذین آمنوا الّذین یقیمون الصّلوٰۃ ویوتون الزّکوٰۃ وھم راکعون۔۵؎

تمہارا ولی تو بس اللہ، اس کا رسولؐ اور وہ ایمان والے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔

(ب) اللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُمْ مِنْ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاؤُهُمْ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُمْ مِنْ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ ۔۶؎

اللہ مددرگار ہے ایمان والوں کا جو انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے اور کافروں کے رفیق شیطان ہیں جو انہیں روشنی سے ہٹا کر اندھیروں میں لے جاتا ہے۔

(ج) واللّٰہ ولیّ المومنین۷؎

اللہ مومنوں کا ولی ہے۔

۲۔دوست

الف۔یاایّھا الّذین آمنوا لاتتّخذوا عدوّی وعدوّکم اولیاء۔

ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ ۸؎

(ب) والمؤمنون والمؤمنات بعضھم اولیاء بعض۔ ۹؎

(ج) قل یاایّھا الّذین ھادوا ان زعمتم انّکم اولیاء للّٰہ من دون النّاس فتمنّوا الموت ان کنتم صادقین۔ ۱۰؎

کہہ دیجئے کہ اے وہ لوگو! جنہوں نے یہودیت کو اپنالیا ہے۔ اگر تمہیں یہ دعویٰ ہے کہ تم اللہ کے دوست ہو، سب لوگوں کے سوائے، تم لوگ موت کی تمنا کرو اگر سچے ہو۔

(د)الاانّ اولیآء اللّٰہ ولاخوف علیھم ولاھم یحزنون ۱۱؎

اللہ کے دوستوں کو نہ خوف ہوتا ہے اور نہ رنج ہوتا ہے۔

۳۔وارث:

الف: ومن قتل مظلوماً فقد جعلنا لولیّہ سلطاناً ۔۱۲؎

(ب) فھب لی من لدنک ولیّا یرثنی ویرث من آل یعقوب... ۱۳؎

مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا کر جو میرا اور آل یعقوب کا بھی وارث ہو۔

فقیہ : فقہ جاننے والے کو کہتے ہیں اور فقہ کے لغوی معنیٰ فہم کے ہیں جبکہ اس کے اصطلاحی معنیٰ یہ ہیں۔

الفقه هو العلم بالاحکام الشریعة الفرعیة عن ادلّتها التّفصیلیة۔

شریعت کے فروعی احکام کو تفصیلی دلیلوں کے ساتھ جاننا (دلیلیں چار ہیں ،قرآن ،حدیث، اجماع اور عقل) ۱۴

اہمیت لفظ فقہ اپنے متعدد مشتقات کے ساتھ قرآن مجید میں بیس مقامات پر وارد ہوا ہے۔ ایک جگہ ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو فکر وتدبر سے کام نہیں لیتے۔

لهم قلوب لّایفقهون بها

ان کے پاس (سوچنے سمجھنے کی قوت) ہے مگر وہ ان سے کام نہیں لیتے۔ ایک جگہ آیات الٰہی کو غور وفکر کرنے والوں کے لیے بھی مخصوص قرار دیا گیا ہے۔

قدفصّلنا الآیات لقوم یفقهون

ہم نے اپنی نشانیوں کو غور وفکر کرنے والوں کے لئے واضح کردیا ہے۔ ۱۵

ایک جگہ کہا گیا ہے۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ۔

سب ایمان والوں کے لئے تو یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ سب کے سب کوچ کریں، ہر فرقہ میں سے کچھ لوگ کیوں نہیں نکلتے تاکہ دین کو سمجھیں اور جب لوٹ کر آئیں تو اپنی قوم کو سمجھائیں تاکہ وہ بری باتوں سے بچیں۔

فقہ کی اہمیت حدیث میں: آنحضرت کا ارشاد ہے۔

فقیه واحد اشد علی الشّیطان من الف عابد کتاب الفقیه و التّفقّه ۱۶

شیطان کے نزدیک ایک ہزار عبادت گزاروں کے مقابلے میں ایک فقیہ زیادہ بھاری ہے۔

امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے۔

تفقّهوا فی الدّین فانّه من لم یتفقّه فی الدّین فهو اعرابی ۱۷

دین مبین میں غور وفکر کرو، جو شخص تم میں سے دین میں تدبّر نہیں کرتا وہ بدّو ہے۔

آپ ہی کا یہ بھی ارشاد ہے لودّدت انّ صحابی ضربت رؤوسھم باسباط حتی یتفقّھوا۔ ۱۸؎ یعنی مجھے یہ پسند ہوگا کہ میرے ساتھیوں پر کوڑے مارے جائیں، یہاں تک کہ وہ دین میں غور وفکر کرنے لگیں۔

تفقہ کس لئے: قرآن مجید میں خالق کائنات کا ارشاد ہے۔

افحسبتم انّما خلقناکم عبثاً وّانّکم الینا لاترجعون ۱۹؎

کیاتم یہ سوچتے ہو کہ ہم نے تمہیں بے کار پیدا کردیا ہے اور کیاتم ہمارے پاس لوٹ کرنہیں آؤ گے۔

ایک اورجگہ یوں ارشاد ہے۔

انّا خلقناالانسان من نطفةٍ امشاج نبتلیه فجعلناه سَمیعاً بصیراً ۲۰؎

ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے پیدا کیا ہم اسے آزمائیں گے۔ ہم نے اسے سننے اور دیکھنے کی قوت عطا کی ہے۔۲۱؎

مذکورہ آیات کاواضح اشارہ ہے کہ کائنات کی تخلیق بے شعور فطرت کے کسی دھماکے کے نتیجہ میں شکست وریخت کا عمل نہیں ہے بلکہ کسی باشعور ذات نے انتہائی حکمت عملی اور مکمل منصوبہ بندی کے ساتھ نہ صرف اسے پیدا کیا ہے بلکہ انتہائی حسین سلیقہ کے ساتھ اسے متعدد صلاحیتوں سے سنوارا بھی ہے ۔موجودات کو باہمی ارتباط کے مضبوط بندھنوں سے باندھا ہے اور یہ متفقہ اور طے شدہ امر ہے کہ اس وسیع کائنات میں کوئی بھی وجود بے کار اور بے معنی نہیں ہے تو صلاحیت وتوانائی کے لحاظ سے سب پر فوقیت رکھنے والا انسان بیکار کیوں پیدا کیا گیا ہوگا۔

اسے تو رب العالمین نے شرف اور کرامت سے نوازا ہے اور حسن تخلیق کا شاہکارقرار دیا ہے۔زمین پر اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا ہے اور اس کے لئے کہا ہے۔

”وَلَقَد کَرَّمنَا بَنِی آدَمَ وَحَمَلنَاھُم فِی البَرِّ وَالبَحرِ وَرَزَقنَاھُم مِن الطَّیِّبَاتِ وَفَضَّلنَاھُم عَلَی کَثِیرٍ مِمَّن خَلَقنَا تَفضِیلًا“ ۲۲؎

ہم نے اولاد آدم کومکرم بنایااوراسے خشکی وتری میں چلنے کی صلاحیت عطا کی اور اسے پاکیزہ رزق عطا کیا اوراپنی اکثر مخلوق پر اسے فضیلت دی ہے۔

دوسری جگہ ہے۔

انّا خلقناالانسان فی احسن تقویم ۲۳؎

ہم نے انسان کو بہترین مخلوق قرار دیا۔

علماء اخلاق کی توجیہات ، فلاسفۂ عالم کی موشگافیاں یا اہل مذہب کے عقائد سبھی کا متفقہ رجحان ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ انسانی حیات کا عنوان اس کے شعور ، ادراک اور حرکات کا انضباط ہے۔ اسے مفید، حیات بخش اور پر امن وامان اعمال کو بجالانا ہے اور تخریبی حرکات سے اجتناب کرنا ہے۔ اسے وجود، قوت نمو، حرکت اور شعور وجذبات سے اس لیے مرصع اور مزین کیا گیا ہے کہ یہ مشت خاک مگر خلاصۂ کائنات وجود اپنے مقصد تخلیق کو پورا کرے اور جب اپنے خالق کی بارگاہ میں پلٹ کر جائے تو اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کے استعمال کا حساب دے کر اپنے پالن ہار کی سرکار میں سرخرو ٹھہرے۔وہ وقت دور نہیں کہ جب ہمارے اعضاء وجوارح گواہی دیں گے۔الیوم نختم علی افواھھم وتکلّمنا ایدیھم وتشھد ارجلھم بما کانوا یکسبون ۔ ۲۴؎

یعنی آج کے دن ہم ان کے منہ پر مہر لگادیں گے اور ان کے ہاتھ سے بات کریں گے اور ان کے پیران کے کاموں کی گواہی دیں گے۔

چونکہ انسان کو اپنے حرکات وسکنات کا پائی پائی حساب دینا ہے اس لیے اس کے لیے یہ جاننا انتہائی لازمی ہے کہ اس کے وظائف وفرائض کیا کیا ہیں اور انہیں کس طرح انجام دینا ہے۔ اسی کو سمجھنے اور پرکھنے کا نام فقہ ہے جس کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے کہ کیا کرنا ہے کیا نہیں کرنا ہے۔کس کام کا کرنا لازم ہے کس میں نہ کرنے کی گنجائش اور کس کام میں کرنے یا نہ کرنے کی چھوٹ ہے۔

چونکہ انسان کے افعال کا تعلق کبھی اسکی ذات سے ہوتا ہے تو کبھی خاندان سے ،کبھی ہمسایوں سے تو کبھی ملت کے افراد سے،کبھی اہالیان وطن سے تو کبھی دیگر مذاہب کے عقیدت مندوں سے۔ اس لیے فقہ اسلامی انسان کے تمام اعمال کے جہات وابعاد پر گہری نگاہ رکھتی ہے اور رہنمائی بھی کرتی ہے۔ فقہ اسلامی ان قواعد، حقوق اور اصول کا مجموعہ ہے جو منصفانہ بنیادوں پر معاملات کا تعین کرتی ہے اور عدالت شعار معاشرہ کی تشکیل اور اس کے قیام وبقاء کے اہتمام پر اس طرح روشنی ڈالتی ہے۔

(الف)لقد ارسلنا رسلنا بالبیّنات وانزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم النّاس بالقسط۔ ۲۵؎

ہم نے اپنے رسولوں کو واضح ہدایات کے ساتھ بھیجا اور اس کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تا کہ لوگ عدل وانصاف کے ساتھ قائم رہیں۔

(ب) سب لوگ برابر ہیں۔

یا ایّھاالنّاس انّا خلقناکم من ذکروّانثیٰ وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا انّ اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم۔۲۶

لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک ہی عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں ذاتوں اور قبیلوں میں اس لئے قرار دیا ہے کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بے شک اللہ کے یہاں تو اس کے لئے بڑائی ہے جو سب سے زیادہ پاکیزہ کردار ہے۔

(ج) فتنہ کا خاتمہ ہو:

وقاتلوھم حتّی لاتکون فتنہ۔۲۷

ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے۔

(د) انسانی زندگی کا احترام ہو:

انسانی زندگی کو جو رتبہ اور کرامت اسلام نے عطا کی ہے وہ فقید المثال ہے قرآن کے الفاظ میں :

من قتل نفساً بغیر نفسٍ او فسادٍ فی الارض فکانّما قتل النّاس جمیعاً ومن احیاھا فکانّما احیاالنّاس جمیعاً۔ ۲۸

جو کسی نفس کو بغیر کسی قصاص کے یا زمین میں فساد پھیلانے کے لئے قتل کرے تو گویا اس نے تمام انسانوں کو مار ڈالا اور جس نے ایک انسان کو بچا لیا گویا اس نے تمام انسانوں کو بچا لیا۔

(ہ) مستضعفین، خواتین اور اطفال کے حقوق کی حفاظت کرنا:

ومالکم الاّتقاتلون فی سبیل اللّٰہ والمستضعفین من الرجال والولدان ۔۲۹

تمہیں کیا ہوا جو تم راہ خدا میں کمزور لوگوں (مرد ہوں یا عورتیں اور بچے) کے دفاع میں جنگ نہیں کرتے۔

(و) عدل وانصاف کی بالادستی ہو:

واذاحکمتم بین النّاس ان تحکموا بالعدل

جب لوگوں میں فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو

(ز) دشمن کے ساتھ بھی ناانصافی نہ ہو!

لایجرمنّکم شنأن قوم علیٰ ان تعدلوا اعدلوا هو اقرب للتّقویٰ ۔

کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات کا مجرم نہ بنادے کہ تم اس کے ساتھ انصاف نہ کرسکو، انصاف کر، یہی تقویٰ کے سب سے زیادہ قریب ہے ۔ ۳۰؎

(ح) خدا کے دشمنوں اور اس کے نظام کی مخالفت کرنے والے سازشی لوگوں کے خلاف قوت فراہم کرنا۔

واعدّولهم ماستطعتُم من قوّة ومن رباط الخیل ترهبون به عدوّاللّٰه ۳۱؎

جس قدر قوت حاصل کرسکتے ہو کرلو۔اور سواریاں بھی فراہم کرلو اس سے تم اللہ کے دشمنوں میں خوف پیدا کرسکو گے۔

امام خمینیؒ فرماتے ہیں۔

فالاسلام هودین المجاهدین الّذین یریدون الحقّ والعدل دین الّذین یطالبون بالحرّیه والاستقلال والّذین لایریدون ان یجعلوا للکافرین علی المؤمنین سبیلاً ۔ ۳۲؎

اسلام ان مجاہدوں کا دین ہے جو حق وانصاف چاہتے ہیں اور ان کا دین ہے جو آزادی اور استقلال کے طلبگار ہیں اور ان کا دین ہے جو یہ نہیں چاہتے کہ کافر مسلمانوں پر مسلط ہوجائیں۔

امت مسلمہ کا دائرۂ عمل صرف گوشہ ہائے عبادت نہیں ہے بلکہ ان کی ذمہ داری تو یہ ہے ۔

کنتم خیر امّة اخرجت للنّاس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنکر۔ ۳۳؎

تم وہ بہترین امت ہو جسے لوگوں کی بھلائی کے لئے بھیجا گیا ہے۔تمہارا کام اچھائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ہے۔

سرورِکائنات کا ارشاد ہے۔

من اصبح ولم یهتم بامور المسلمین فلیس منهم ۳۴؎

جو مسلمانوں کے معاملات میں بھلائی اور بہتری کا اہتمام نہ کرے وہ مسلمان ہی نہیں ہے۔

امیرالمومنینؑ کا ارشاد ہے۔

ایّها المؤمنون من رأی عدوانا یعمل به ویدعیٰ الیه فانکره بقلبهٖ فقد سلم وبرئ، ومن انکر بلسانه فقد اُجر ومن انکره بالسّیف لتکون کلمة اللّٰه هی العلیاء وکلمة الظّالمین هی

السّفلی ،فذالک الّذی اصاب سبیل الھدیٰ وقام علی الطریق و نوّر فی قلبه الیقین۔۳۵؎

ایمان والو جس نے سرکشی پر عمل کرتے ہوئے اور برائیوں کی طرف دعوت دیتے ہوئے دیکھا اور دل سے اس کا انکار کیا تو اس نے خود کو برائی سے محفوظ کرلیا اور جس نے زبان سے انکار کیا ، وہ ماجور ہوا اور ایسا شخص پہلے شخص سے بہتر ہے اور جس نے تلوار (ہتھیار) کے ذریعہ برائیوں کو روکا تاکہ اللہ کی بات بلند ہو اور ظالموں کی بات نیچی ہو تو یہی وہ شخص ہے جو ہدایت کے راستہ پر پہنچ گیا اور جادۂ حق پر مستقیم ہوگیا اور اس نے اپنے دل سے شمع یقین روشن کرلی۔

نظم مملکت، سماج کی تہذیب ، معاشرہ کی ترقی کا جو اہتمام اللہ کو منظور ہے اس کے خط وخال کچھ اس طرح ہیں۔

ملک اللہ کا ہے اور وہی اقتدار میں ہے۔تبارک الّذی بیدہ الملک وھو علی کلّ شیٔ قدیر، الّذی خلق الموت والحیاۃ لیبلوکم ایّکم احسن عملاً ۔۳۶؎مومنوں کے نفوس پر نبی کا حق سب سے زیادہ ہے۔

بابرکت ہے وہ ذات جس کے قبضہ میں کائنات ہے جس نے نظام موت وحیات کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ آزمائے کہ تم میں عمل کے لحاظ سے اچھا کون ہے۔

انّ الُحکم الاّ للّٰه ۳۷؎ یعنی حکم تو صرف اللہ کا ہے۔

اسی کی اور اس کے رسولؐ اور اس کی طرف سے مقرر شدہ صاحبان امر کی اطاعت سب پر لازم اور واجب ہے ۔

یا ایّھا الّذین آمنوا اطیعوا اللّٰه واطیعوا الرّسول واولی الامر منکم۔ ۳۸؎

ایمان والو اللہ کا کہا مانو اس کے رسولؐ کی بات مانو اور ان کی اطاعت کرو جو تم میں سے صاحبان امر ہیں۔

رسولؐ کی حیثیت یہ ہے کہ

النّبی اولی بالمؤمنین من انفسھم ۳۹؎

رسولؐ کی بات ماننا اور اس کے کیے ہوئے فیصلہ کو دل سے قبول کرنے کا حکم اس طرح ہے۔

”فلا وربّک لایؤمنون حتیٰ یحکموک فیما شجر بینھم ثمّ لایجدوا فی انفسھم حرجاً ممّا قضیت ویسلّموا تسلیماً“ ۴۰؎

تمہارے رب کی قسم یہ اس وقت تک مومن نہیں کہے جاسکتے جب تک یہ اپنے معاملات میں تمہیں حاکم نہ بنائیں اور جو فیصلہ آپ ان میں کردیں اس کے بارے میں اپنے دل میں تنگی نہ محسوس کریں اور آپ کے سامنے ایسی سپردگی کریں جیسا کہ حق ہے ۔ رسولؐ جو کچھ تمہیں دیں اسے لے لو اور جس چیز سے روکیں اس سے دور رہو۔

اللہ اور رسولؐ کی فرماں برداری کے ساتھ ساتھ ان کی طرف سے مقرر کیے ہوئے حاکم کی اطاعت بھی لازمی ہے۔قرآن شاہد ہے کہ خدا اور رسولؐ نے حسب ضرورت غیر نبی کو بھی امت کا حاکم مقرر کیا ہے چنانچہ بنی اسرائیل کو جب حاکم کے تقرر کی ضرورت کا شدت سے احساس ہوا تو انہوں نے اپنا حاکم خود چن لینے کے بجائے اس وقت کے نبی حضرت شمویل سے رجوع کیا اور درخواست کی کہ وہ کسی کو ان کا حاکم مقرر کردیں۔ نبیؑ نے خود حاکم کو مقرر کرنے کے بجائے بارگاہ احدیت میں دعا کی اور اللہ نے طالوت کو ان کا حاکم مقرر کردیا اور اس طرح اعلان کیا۔

اللّٰہ قدبعث لکم طالوت ملکاً اللہ نے تمہارے لیے طالوت کو حاکم مقرر کیا ہے اور انکے انتخاب کی بنیادوں کو یوں اجاگر کیا۔

وزادہ بسطۃً فی العلم والجسم ۴۱ اللہ نے انہیں شجاعت اورعلم کی دولت سے مالا مال کیا ہے۔

اس کے ذریعہ یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ ملت کا سربراہ کسی مکارسیاست داں اور اوباش جاہ طلب کونہیں بلکہ بہادر اور جرأت مند صاحب علم کو ہونا چاہئے۔ رسولؐ کے بعد اسلامی ریاست کے نظم ونسق کے ذمہ دار وہ لوگ ہیں جن کی طرف یہ آیت اشارہ کررہی ہے۔

ونرید ان نمنّ علی الّذین استضعفوا فی الارض ونجعلھم ائمّۃ ونجعلھم الوارثین۔۴۲

ہم ان لوگوں پر احسان کرنا چاہتے ہیں جنہیں زمین میں کمزور کردیا گیا ہے ہم انہیں امام اور وارث قرار دے رہے ہیں۔

اسی سمت کی طرف قرآن مجید کی یہ آیت بھی اشارہ کررہی ہے۔

وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ ۴۳

ہم نے ایسے لوگوں کو امام بنایا جو ہمارے امر کے ساتھ ہدایت کرتے ہیں ۔ ہم نے انہیں اچھے کام کرنے ،نماز قائم کرنے اور زکوۃ دینے کی وحی کی۔ یہ لوگ ہمارے عبادت گزار بندے ہیں۔

قرآن مجید کی آیات سے واضح ہوجاتا ہے کہ اسلامی ریاست میں جاہ طلب مفسد، خون آشام سیاستداں ہوا وہوس کے خادم ،نفسانی تمناؤں کے سایہ میں جینے والے، جائز کو ناجائز بنادینے والے، حلال کوحرام اورحرام کو حلال کردینے والے،حق کو ناحق بتانے والے اور جھوٹ کو سچ کے مقام پر رکھ دینے والے شاطروں اورعیاروں کا کوئی مقام نہیں ہے۔

تشویش ناک پہلو یہ ہے کہ روئے زمین کے بڑے حصہ پراورمسلم ممالک کے اکثر علاقوں پر ایسے ہی لوگوں کا تسلط ہے اور اس کے بھیانک نتائج بھی سب کے سامنے ہیں۔ ایسا کونسا نامناسب کام ہے جو انجام نہیں دیا جارہا ہے۔ اس بربادی کو روکنے کے لئے یاتو الٰہی سفیروں کی ضرورت ہے یا ان کے نمائندوں کی اور ان کے وارثوں کی۔موجودہ دور میں اس کے سزاواروہ لوگ ہیں جن کے لئے کہا گیا ہے۔

العلماء ورثة الانبیاء ۔ ترجمہ: انبیاء کےعلمی ورثہ دارعلماء ہیں۔

قل هل یستوی الّذین یعلمون والّذین لا یعلمون ۔ ۴۴

ترجمہ: کیونکہ کہہ دیجئے کہ کیا اہل علم اورعلم نہ رکھنے والے برابر ہیں۔

درحقیقت علماء کے دل میں ہی خوف خدا ہوتا ہے۔

انما یخشی اللّٰہ من عبادہ العلماء ۴۵

اللہ سے تو اس کے بندوں میں سے صرف علماء ہی ڈرتے ہیں۔

اسلام کی فلاحی ریاست کے خواب کوحقیقت میں تبدیل وہی لوگ کرسکتے ہیں جن میں دین اوراس کے مقاصد کوسمجھنے کا شعور ہے ان ہی کے لیے رسولؐ نے فرمایا ہے۔

الفقهاء امناء الرّسل مالم ید خلوا فی الدّنیا، قیل یا رسول اللّٰہ وما دخولهم فی الدّنیا، قال اتّباع السّلطان فاذا فعلوا ذالک فاحذروهم علی دینکم ۴۶

فقہاء ورسولوں کے امانت دار ہوتے ہیں مگراسی وقت تک جب تک وہ دنیا میں داخل نہ ہوجائیں۔کسی نے پوچھا کہ یارسول اللہ ان کے دنیا میں داخل ہونے کا کیا مطلب ہے تو انہوں نے کہا کہ باطل قوتوں کے سامنے جھک جانا۔ جب ایسا ہوجائے تو پھراپنے دین کی خاطر ان سے بچو۔

دنیا کے سرکشی فرعونوں ستم رواںمرودوں اورفریب ومکر کے پتلے سازشی طاغوتوں کا سامنا صرف اورصرف دین دارفقیہ ہی کرسکتا ہے کسی اور کے بس کی یہ بات نہیں ہے۔تاریخ شاہد ہے کہ ایسا ہوا

بھی ہے ایسے ہی افراد کے لئے معصوم نے فرمایا بھی ہے۔

واَمّامن کان من الفقھاء صائناً لنفسه حافظاً لدینهٔ مطیعاً لامرمولاہ مخالفاً لھواہ فللعوام ان یقلّدوہ ۔

فقہاء میں سے جو لوگ اپنے نفس کو بچانے والے دین کے محافظ، اپنے مولا کے فرماں بردار اور اپنی خواہشات کی مخالف سمت میں چلنے والے ہوتو عوام کو چاہئے کہ ان کی پیروی کریں۔

علم فقہ ہی فرائض سے آگاہ اور حقوق کی حد بندی کرتا ہے اور کسی بھی شخص کو خواہ وہ کتنا بھی دبنگ ہو، حدود سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اسی لیے ظالم اور خائن مستکبرین کی شدید ترین اور اولین تمنا فقہ اسلامی کے نظام کو سبوتاژ کرنے کی ہوتی ہے اور پوری تاریخ اسی ظالمانہ روش کی داستان مسلسل ہے۔ وہ پہلے تو فقیہوں کو خریدنے کی کوششیں کرتے ہیں جنہیں خرید نہیں پاتے۔ایسی صورت میں ان کو دھمکیاں دیتے ہیں اور جو ان کی دھمکیوں سے نہیں ڈرتے ان کے خلاف اعلانیہ اور خفیہ دونوں طرح کی سازشیں کا تانابانا بننے میں مصروف ہوجاتے ہیں۔مگر اہل بیت کے آستانہ سے وابستہ فقہاء نے کبھی استعماریت کے سامنے سر نہیں جھکایا بلکہ ان کی طاغوتی قوتوں کو ہمیشہ للکارا ہے۔ اگرچہ انہیں کبھی کبھی بڑی بھیانک اور ہولناک قیمت چکانی پڑتی ہے۔مگروہ اسلامی تعلیمات پر کبھی بھی سمجھوتہ نہیں کرتے۔ حضورؐ اکرم کا زمانہ، ائمہ معصومینؑ کی سوانح عمریاں، علماء حق کی داستانیں اس حقیقت کی مضبوط گواہ ہیں۔

امت کی رہنمائی ملت کی سرپرستی اور اجتماعی وانفرادی رہبری کا حق بہ نص قرآن پیغمبروں اور ان کے بعد برحق اماموں کا حق اور غیبت امامؑ کے باوجود چونکہ انسان سے تکلیف شرعی ساقط نہیں ہوتی۔ ایسی حالت میں تین ہی صورتیں ممکن ہیں اجتہاد، احتیاط اور تقلید، ہر شخص مجتہد نہیں ہوسکتا اور نہ ہی احتیاط پر عمل کرنا آسان ہے۔ اس لیے عوام الناس کے لئے صرف تقلید کا ہی راستہ بچتا ہے اور فقیہ عادل ہی غیبت امامؑ میں ولایت وقیادت کا حق دار اور حکومت واجراء حدود کا ذمہ دار ہے۔ اس لیے معصوم کا ارشاد ہے۔

فارضوابه حاکما فانّی قد جعلته علیکم حاکما فاذاحکم بحکمنا فلم یقبل منه فانّما حکم اللّٰہ استخف وردّ علینا ورادّ علینا رادّ علی اللّٰہ وھو علی حد الشّرک علی اللّٰہ۔[۴۷]

ان کی حکومت سے راضی رہو کیونکہ ہم نے ہی انہیں تم پر حاکم مقرر کیا ہے جب وہ ہمارے

حکم کے مطابق حکم دیں اور اسے قبول نہ کیا جائے تو یہ حکم خدا کی توہین اور ہمارے حکم کی تردید ہوگی۔ اور جس نے ہمارے حکم کو رد کیا اس نے حکم خدا کو رد کیا اور یہ شرک ہے۔

حوالے:

☆ The Just Ruler In shiite Islam by A.A.Sachidina page No. 174

۱۔لسان العرب، جلد ۱۵،ص ۴۰۷

۲۔اقرب الموارد، جلد ۲،ص۴۸۶

۳۔سورۂ کہف،آیت ۴۴

۴۔سورۂ آل عمران آیت ۶۸

۵۔سورۂ مائدہ ،آیت ۵۵

۶۔سورۂ بقرہ،آیت ۲۵۷

۷۔سورہ آل عمران ،آیت۶۸

۸۔سورہ ممتحنہ ،آیت ۱

۹۔سورۂ توبہ، آیت ۷۱

۱۰۔سورۂ جمعہ ،آیت۶

۱۱۔سورۂ یونس،آیت ۶۲

۱۲۔سورۂ اسراء،آیت ۲۳

۱۳۔سورۂ مریم،آیت۵،۶

۱۴۔معالم الاصول،ص ۱۴

۱۵۔سورۂ الانعام ،آیت ۹۸

۱۶۔خطیب بغدادی، ج۱،ص ۱۶

۱۷۔اصول کافی ، ج۱،ص۲۶

۱۸۔اصول کافی ،ج/۱، ۲۴

۱۹۔سورۂ المومنون ،آیت ۱۱۵

۲۰۔سورۂ الانسان، آیت ۲

۲۱۔سورۂ الانسان ، آیت ۲

۲۲۔سورۂ اسراء، آیت ۷۰
۲۳۔سورۂ التین ،آیت ۴
۲۴۔سورۂ یٰسین ،آیت ۶۵
۲۵۔سورۂ حدید،آیت ۲۵
۲۶۔سورۂ حج ،آیت ۱۳
۲۷۔سورۂ انفال ،آیت ۳۹
۲۸۔سورۂ مائدہ،آیت ۳۲
۲۹۔سورۂ نساء،آیت ۷۵
۳۰۔سورۂ مائدہ،آیت ۸۵
۳۱۔سورۂ انفال،آیت ۶۰
۳۲۔اسلامیہ،ص ۸
۳۳۔سورۂ آل عمران،آیت ۱۱۵
۳۴۔وسائل الشریعہ
۳۵۔نہج البلاغہ
۳۶۔سورۂ ملک،آیت ۱
۳۷۔سورۂ انعام،آیت ۵۷
۳۸۔سورۂ نساء،آیت ۵۹
۳۹۔سورۂ الاحزاب ،آیت ۶
۴۰۔سورۂ نساء،آیت ۱۵
۴۱۔سورۂ بقرہ،آیت ۲۴۷
۴۲۔سورۂ قصص،آیت ۵
۴۳۔سورہ انبیاء،آیت ۷۳
۴۴۔سورۂ الزمر،آیت ۹
۴۵۔سورۂ فاطر،آیت ۲۸
۴۶۔الکافی، کتاب فصل العلم ،باب ۱۳
۴۷۔شرح لمعہ ،ج ۱،ص ۲۷۸

ولی فقیہ کی ضرورت

مولانا کوثر مجتبیٰ ،مدرس دار العلوم سید المدارس،امروہہ

خداوند عالم نے تکمیل بشری کے لئے محکم اصول پر مرتب جس کتاب حکیم کو نازل کیا اس میں ولایت کا بھی ذکر اس کی ضرورت کے ساتھ کیا ہے۔ کیونکہ مقصد پروردگار یہ ہے یہ انسان کلمہ لا الہ الاّ اللہ پڑھ کر ایک صف میں کھڑے ہوجائیں اور کثرت سے وحدت میں آجائیں اور جب یہ مسلمان یکجہتی کا مظاہرہ کریں تو ان کو راستہ دکھانے اور ان کو آپس میں متحد رہنے کے لئے کوئی رہبر ضرور ہو جسے ولی فقیہ کہا جائے۔

آج کا عالمی معاشرہ خود اس بات کا شدت سے احساس کررہا ہے کہ کوئی رہبر ہو جو سب کی قیادت کرے تو پھر دینی معاشرہ کو کس قدر ضرورت ہوگی کہ کوئی ولی فقیہ ہو جو اسلامی احکام واصول کے تحت قیادت کی ذمہ داری کو بحسن وخوبی انجام دے۔

قرآن کریم میں جہاں متعدد آیات ولایت کے متعلق نازل ہوتی ہیں ان میں یہ آیت خداورسولؐ کے ساتھ مومنین کی ولایت کا بھی اعلان کررہی ہے۔" انّما ولیّکم اللّٰہ ورسولہ والّذین آمنوا الّذین یقیمون الصّلوٰۃ ویؤتون الزّکوٰۃ وھم راکعون "[۱]

بیشک خدا تمہارا ولی ہے اور اس کا رسولؐ تمہارا ولی ہے اور وہ مومنین تمہارے ولی ہیں کہ جو نماز کو قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔

یعنی خداوند کریم نے انسانوں کی ہدایت کے لئے جہاں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء بھیجے وہیں اپنی ولایت وحاکمیت کو بھی بیان کردیا اور اپنے ساتھ رسولؐ ومومنین کی ولایت کا بھی ذکر ضروری سمجھا اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس ولایت کو قبول کرنے والوں کی کامیابی کا بھی اعلان کردیا۔

"ومن یتولّ اللّٰہ ورسولہ والّذین آمنوا فانّ حزب اللّٰہ ھم الغالبون "[۲]

جو لوگ خدا اس کے رسولؐ اور مومنین کی ولایت قبول کریں گے پس یہی لوگ دوسرے گروہوں پر غالب رہیں گے۔

اس آیت نے ولایت کی اہمیت وضرورت کو پوری طرح واضح کردیا کہ جو لوگ ولایت قبول

کرنے والے ہوں گے وہ غالب ہوں گے اس کے برعکس یعنی جو قبول نہیں کریں گے وہ مغلوب ہوں گے۔

لہٰذا ولی فقیہ کی ضرورت بہر طور وبہر حال ہے چونکہ ہر شخص کسی نہ کسی کو اپنا ولی تسلیم کئے ہوئے ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن نے صحیح ولی کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور غلط اور گمراہ ولی کو قبول کرنے کے لئے منع کیا ہے گمراہ ولی کی اتباع کو منع کرنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ ہر شخص کہیں نہ کہیں اتباع ولی کا محتاج ہے لیکن وہ خدا رسولؐ یا اولیاء اللہ کے دھوکے میں کسی غیر اللہ وغیر ولی اللہ کی اتباع کرنے لگتا ہے جو سراسر گمراہی ہے۔

چونکہ ہر مسلمان اور ہر اس شخص کے لئے کہ جو خدا کی بندگی کا دعویدار ہے ضروری ہے کہ اپنا ولی اور فرمانروا اور اپنی پوری زندگی کی تمام سرگرمیوں کا قائد ومختارکل خدا کی طرف سے متعین شخص کو قرار دے، اپنے آپ کو خداوند عالم کے مامور اور مقرر کردہ ولی کے سپرد کرے، خدا کے ولی کے ہاتھ پر اطاعت کی بیعت کرے۔مختصر یہ کہ اپنی زندگی کی تمام سرگرمیوں کے لئے فقط خداوند عالم کو اور ہراس شخص کو جسے خدا نے اپنی خلافت ونمائندگی کے لئے منتخب کیا ہے اپنا حاکم اور فرمانروا سمجھے۔ ورنہ خدایا خدا سے متعلقین کی ولایت کے سوا قرآن کریم ہر ولایت کو طاغوت کی ولایت قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ جو بھی خدا کی ولایت کے تحت نہ ہو وہ طاغوت کی ولایت کے تحت ہے۔

ولایت کا عنصر حیات بشریت کے لئے اک فطری، طبیعی اور ان کی سرشت کے عین مطابق ہے جیسے آب رواں، جس کو بہر حال کوئی نہ کوئی جگہ بنانی ہے۔ اگر صحیح راستہ معین کیا جائے تو فبہا ،والاّ اسے اپنے بہاؤ کے لئے کوئی نہ کوئی راستہ تلاش کرنا ہی ہے بعینہ انسان جس کی اگر ولی فقیہ تک رسائی نہ ہوئی تو وہ طاغوت ہی کو اپنا ولی قرار دے دیتا ہے جس کی مذمت قرآن کریم نے مختلف ومتعدد مقامات پر کی ہے چونکہ ولایت حقیقی انسان کو اس کی معراج تک پہونچانے میں معین ہوگی اور ولایت طاغوت اسے گمراہ اور بے بہرہ کردے گی۔

''اسلام اس معاشرہ کا خواہاں ہے جو اصول اسلامی کے تحت جسد واحد کے مانند ہوجس کے تمام اعضاء ایک دوسرے سے اس طرح متصل ہوں جیسے بیرونی عناصر کے مقابل ایک مٹھی اور ایک جسد کی مانند عمل کریں۔ اور یہ وحدت اور یکسوئی انہیں منظّم کرنے کے لئے بغیر ولی فقیہ کے ممکن نہیں۔ لہٰذا اگر اسلامی معاشرے کے مختلف گوشوں میں ، ہرگوشے پر علیحدہ علیحدہ خودمختار قوتوں کی

حکومت ہوتو اس جسم واحد کے اعضاء ایک دوسرے سے جدا ہوجائیں گے جس کے نتیجہ میں ایک راستے پر گامزن نہیں ہوسکیں گے۔ یہ بالکل ایسا ہوجائے گا جیسے انسان کے اعصاب سے کام لینے والے نظام کو دو مختلف مراکز سے کنٹرول کیا جائے ایک کا تعلق دائیں طرف سے ہو دوسرے کا تعلق بائیں طرف سے۔ اس صورت میں ایک عمل انجام دینے کے لئے دایاں اور بایاں حصہ ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہوکر کام نہیں کریں گے۔ مثلاً ایک وزن اٹھانے کے لئے دایاں ہاتھ تو تیار ہوگا لیکن بایاں ہاتھ کسی صورت پر بوجھ اٹھانے پر تیار نہ ہوگا اور مٹھی بند کرلے گا لہٰذا اگر انسان کا اعصابی نظام کنٹرول کے دو مختلف مراکز سے حکم حاصل کرے گا تو بدن میں خلل واقع ہوجائے گا اور عمل کی انجام دہی یا دشمن سے بچاؤ کے موقع پر مضحکہ خیز صورت اختیار کرلے گا اور دشمن کے شر سے محفوظ رہنے کے قابل نہیں رہے گا۔

اسلامی معاشرہ بھی اگر بروقت اپنے دشمن سے بچنا چاہے، تو اس کے اندر کنٹرول کا مرکز محفوظ ہونا چاہئے ، اوراگر ایک اسلامی معاشرہ اپنے دشمن سے جنگ کرنا چاہتا ہے تو لازم ہے کہ اس معاشرے کے تمام گروہ یکجا ہوکر دشمن کے مقابل آئیں اور اس کا سامنا کریں، اور آپس میں ہم آہنگ ہوکر اس پر ایک کاری ضرب لگائیں۔ ایسا نہ ہو کہ معاشرے کا ہر گروہ اپنی مرضی سے عمل کرنے لگے۔ کیونکہ اس صورت میں انگور کے باغ میں جانے والے ان تین افراد کا سا قصہ پیش آجائے گا جسے ملّا نے نقل کیا ہے اور دشمن ایک سازش کے ذریعہ ان سب کا کام تمام کردے گا اسی طرح جیسے تاریخ اسلام میں بارہا ایسا ہوا ہے۔

پس اگر اسلامی معاشرہ بروقت اپنے مفادات کا حصول چاہتا ہے اور اپنے آپ کو ضرر اورنقصان سے محفوظ رکھنے کا متمنی ہے تو اندرونی طور پر اس کے اعضاء کو ایک دوسرے کے لئے ملائم اور باہم متحد ہونا چاہئے اور دشمن کے مقابل ایک بند مٹھی اور دست واحد بن جانا چاہئے۔

مختصر یہ کہ اگر وہ ولایت کے ان دو مظاہر اور دو پہلوؤں کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو لازم ہے کہ ان کے اندر کنٹرول کا ایک مقتدر مرکز موجود ہوتا کہ معاشرے کے تمام فعال اور سرگرم عناصر اپنا فکری عملی دشمن کوب اور دوست نواز لائحہ عمل اسی مرکز سے حاصل کریں۔ یہ مرکز اسلامی معاشرے میں موجود تمام گروہوں کو منظّم کرے اور ہر ایک کو اسکے لائق کام سپرد کرے۔ ان کے درمیان ٹکراؤ اور تصادم کا راستہ روکے اور تمام قوتوں کی ایک سمت میں رہنمائی کرے۔

ایسا مرکز اور ایسی ہستی خدا کی جانب سے ہونی چاہیئے اسے عالم، آگاہ اور معصوم ہونا چاہیئے۔ اسے اسلام کے تمام تعمیری عناصر کا عکاس ہونا چاہیئے۔ اسے قرآن کا مظہر ہونا چاہیئے۔ ایسی ہستی کو ہماری اسلامی تعلیمات میں ولی کہاجاتا ہے۔ پس مذکورہ بالا دو پہلوؤں سے اسلامی معاشرے کی ولایت تقاضہ کرتی ہے کہ اسلامی معاشرے میں ایک ولی فقیہ کا وجود ضروری ہے یہ بھی ولایت کے پہلوؤں میں سے ایک پہلو ہے۔۳؎

اسلامی معاشرے کو ولی فقیہ کی اس لئے بھی ضرورت ہے کہ'' دین اسلام سب سے آخری آسمانی دین ہے اور قیامت تک باقی رہنے والا ہے، اس دین میں حکومت اور سماج کو چلانے کے لئے قانون موجود ہیں اسی وجہ سے اسلامی سماج کے ہر طبقہ کے لئے ولی امر، حاکم شرع اور قائد کا ہونا ضروری ہے، تا کہ وہ امت اسلامیہ کو اسلام و مسلمین کے دشمنوں کے شر سے بچا سکے۔ ان کے نظام کی حفاظت کرے اور ان کے درمیان عدل قائم کرے، طاقت والوں کو کمزوروں پر ستم کرنے سے روکے اور سیاسی، سماجی اور ثقافتی ترقی کے وسائل کے راستے ہموار کرے۔ ولایت فقیہ ایک تعبدی شرعی حکم ہے، کہ عقل بھی جس کی تائید کرتی ہے جمہوری اسلامی ایران کے دستور میں نہایت عقلی طریقہ ہے جو ولی فقیہ کے مصداق کو معین کرنے کے لئے مددگار ہے۔''۴؎

ولایت فقیہ سے مراد، عادل اور دین شناس فقیہ کی حکومت ہے۔ اور اس کا مطلب انسانی معاشرے کی قیادت کرنا اور اجتماعی مسائل کو حل کرنا جو امت اسلامیہ کو ہر دور میں درپیش ہوں اور یہ اثنا عشری حقیقی مذہب کے ارکان میں سے ہے بلکہ اس کی بنیادیں امامت کی جڑوں میں ہیں۔

اجتہاد یا تقلید کی رو سے، فقیہ کی ولایت مطلقہ پر غیبت امامؑ کے زمانے میں اعتقاد نہ رکھنا، مرتد ہونے کا یا اسلام سے خارج ہونے کا سبب نہیں بنتا، اب اگر کوئی دلیل اور برہان کے ذریعہ اس پر اعتقاد نہ رکھے تو وہ معذور ہے لیکن اس کے لئے مسلمانوں کے درمیان تفرقہ اور اختلاف پھیلانا جائز نہیں ہے۔۵؎

ولی فقیہ کی ضرورت جس قدر بھی بیان کی جائے وہ کم ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ ولایت خداورسولؐ یا آل رسولؐ کے مثل ہے چونکہ وہ ولایت تکوینی ہے ولی فقیہ کو ولایت تکوینیہ

حاصل نہیں ہے یہ تو صرف آئمہ معصومینؑ ہی سے مخصوص ہے۔[6]

ولی فقیہ کی اشد ضرورت کا احساس ہر صاحب خرد کو ہے اور آج دین اسلام کو جو فروغ ہو رہا ہے وہ اسی ولی فقیہ کی ضرورت کے پورا ہونے کی وجہ سے ہے۔ اگر ہر مسلمان اس ضرورت کا احساس کرتے ہوئے اس عظیم عنصر کو قبول کر لے تو اسلام دشمن طاقتیں خود بخود سرنگوں ہو جائیں گی۔

آج مراجع و مجتہدین کی مخالفت خود اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام دشمن طاقتیں ولی فقیہ کی عظمت کو سمجھتی ہیں۔اسی وجہ سے وہ لوگ بیچین و پریشان ہیں اور وہ اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ ولی فقیہ نے اگر کوئی حکم دے دیا تو پھر ساری طاقتیں ایک طرف اور ان کا حکم ایک طرف۔ دنیا نے دیکھا کہ جب امام خمینیؒ نے ولی فقیہ ہونے کی حیثیت سے حکم دیا تو ساری طاقتوں کے تحفظ کے بعد بھی ان کا حکم اپنی جگہ محکم و مستحکم رہا اور سلمان رشدی واجب القتل تھا، ہے اور رہے گا۔ حکومتیں لرزہ براندام ہیں کہ آخر یہ ولی فقیہ کس قدر قدرت کا حامل ہے۔

اسلام کا نظام اسی بات کا عکاس ہے تاکہ اسلامی معاشرہ ولی فقیہ کے احکام پر عمل پیرا ہو کر دنیا میں شرعی اصولوں پر زندگی گذار سکے اور وہ آئین جو خدا کے مقررہ کردہ ہیں ان کے مطابق عمل پیرا ہو سکے۔

ولی فقیہ احکام خدا نافذ کرتا ہے۔

ولی فقیہ کی ضرورت اس لئے بھی ہے کہ وہ احکام خداوندی کو نافذ کرنے ولا ہوتا ہے۔ اور یہ اس کی اہم ذمہ داریوں میں سے ایک خاص اور اعلیٰ ذمہ داری ہے ۔ یہاں دوسرے نظریات اور تصورات پر اسلامی نظرئے کے امتیاز کی وجہ اور ان سے اس کے محل اختلاف کا پتہ چلتا ہے۔ اسلامی نظریہ یہ نہیں ہے کہ ایک دن ایسا آئے گا جب حکومت کی ضرورت نہیں رہے گی اور یہ کسی ایسے دن کی پیش گوئی نہیں کرتا جس دن معاشرے میں حکومت نہیں ہوگی جبکہ بعض دوسرے مکاتب ایک ایسے دن کی پیش گوئی کرتے ہیں۔ جب معاشرہ ایک آئیڈیل معاشرہ بن جائے گا اور اس آئیڈیل معاشرے کی ایک خصوصیت یہ ہوگی کہ اس میں کوئی حکومت نہیں ہوگی لیکن اسلام ایسی پیش گوئی نہیں کرتا اس کا نظریہ ان مکاتب فکر سے جدا ہے۔

تاریخ کا جائزہ لینے والے افراد بخوبی جانتے ہیں کہ خوارج نے حکومت الٰہی کا نعرہ لگا کر کہا

کہ علی ابن ابی طالبؑ کو (حکمراں) نہیں ہونا چاہئے۔ وہ کہتے تھے۔ لاحکم الاّ للّٰہ، یعنی حکومت صرف خدا کا حق ہے جبکہ ان کے جواب میں امیر المومنین کا کہنا یہ تھا کہ: کلمۃ حقّ یراد بھا الباطل، یعنی بات صحیح ہے لیکن اس کا مقصد باطل ہے۔ ۷

ان کی بات درست ہے کیونکہ حقیقی حاکم تو خدا ہی ہے۔ وہ ہستی جو احکام وفرامین وضع کرتی ہے اور جس کے ہاتھ میں زندگی کے تمام امور کی باگ ڈور ہے وہ خدا ہی ہے۔لیکن کیا تمہارا کہنا یہ ہے کہ: لا حکم الاّ للّٰہ ، یا یہ کہہ رہے ہو کہ لا امرۃ الاّ للّٰہ؟ قانون اورحکومت خدا کی ہے لیکن ان احکام وفرامین کو نافذ کون کرے گا؟ کیا تمہاری مراد یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی اور کو قانون کا اجرا نہیں کرنا چاہئے ؟ لہٰذا آپ نے ان کے جواب میں فرمایا لابدّ للنّاس من امیر، بہر حال انسانی معاشرے کے لئے ایک امیر ضروری ہے، ایک حاکم او فرمانروا ضروری ہے جسے ولی فقیہ کہاجاتاہے یہ انسانی فطرت ہے کہ اس کی حیات اجتماعی کے لئے ایک مجریٔ قانون ہونا لازم ہے۔صرف قانون کا ہونا کافی نہیں ہوتا بلکہ ایک ایسا فرد بھی ہونا چاہئے جو پوری دنیا میں اس قانون کا اجراء کرے اور اس کے صحیح نفاذ پر نظر رکھے اور یہی اولی الامرمنکم کا بھی مطلب ہے لیکن کیا محض اولی الامر مراد ہے؟ اور جو کوئی بھی فرمانروا بن بیٹھے درست ہے؟ جبکہ کثرت سے دیکھا گیا ہے کہ ایک ہی جگہ دو افراد ایک دوسرے کے برعکس فرمان جاری کرتے ہیں ۔ اس صورت میں کیا دونوں اولی الامر ہوں گے ؟ یا بکثرت دیکھا گیا ہے کہ ایک انسان نے ایسا فرمان جاری کیا ہے جو عقل کے برخلاف ہے اور عقل وخرد اس فرمانروا کی نفی کرتی ہے کیا پھر بھی ایسا فرمانروا اولی الامر ہوگا؟ یہ وہ مقام ہے جہاں ہمارے اور اہل سنت حضرات کے طرز فکر کے درمیان ایک بنیادی اختلاف پیدا ہوجاتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اولی الامر اور ہر فرمانروا ایسے شخص کو ہونا چاہئے جو خدا کے فراہم کردہ احکامات پر پورا اترتا ہو۔ جبکہ وہ لوگ عملاً اس قسم کی شرط کو شرط نہیں سمجھتے نہ اس کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ فان تنازعتم فی شیٔ فردّوہ الی اللّٰہ والرّسول ان کنتم تؤمنون باللّٰہ والیوم الآخر ذلک خیرٌوّاحسنُ تاویلاً یعنی پس اگر کسی چیز میں تنازع واختلاف پیداہوجائے تو اسے خدا ورسولؐ کی طرف پلٹا دو، اگر تم خدا روز قیامت پر ایمان رکھتے ہو یہی تمہارے حق میں بہتر اور انجام کے اعتبار سے بہترین بات ہے)۸

یہ آیت لائق حکمرانوں کی حکمرانی کے اچھے نتائج اورنالائق حکمرانوں کی حکمرانی کے برے نتائج کی جانب لوگوں کو متوجہ کرتی ہے بعد والی آیت میں اس فرمان سے منھ موڑنے والے لوگوں کی

مذمت کی گئی ہے۔ الم تر الی الّذین یزعمون انّھم امنوا بما انزل الیک وماانزل من قبلک یعنی کیا آپ نے ان لوگوں کونہیں دیکھا جن کا خیال یہ ہے کہ وہ آپ اور آپ سے پہلے نازل ہونے والی چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں۔۹

وہ اپنے آپ کومومن سمجھتے ہیں ، جبکہ وہ ایسے اعمال کے مرتکب ہوئے ہیں جو خدا پر ایمان کے منافی ہیں۔

یُریدون ان یّتحاکموا الی الطّاغوت یعنی اس کے باوجود چاہتے ہیں کہ طاغوت سے فیصلہ کرائیں یعنی اپنے معاملات کے حل اور ان کے بارے میں فیصلوں کے لئے طاغوت سے رجوع کریں، طاغوت سے رائے لیں، اس سے حکم حاصل کریں، اور اس کی رائے کے مطابق اپنی زندگی بسرکریں۔ ان لوگوں کا یہ عمل ایمان کے منافی ہے۔ وقد امروا ان یکفروا بہ یعنی جبکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ طاغوت کا انکارکریں ویریدالشّیطان ان یضلّھم ضلالا بعیداً یعنی اور شیطان تو چاہتا ہی یہ ہے کہ انہیں گمراہی میں دور تک کھینچ کرلے جائے۔۱۰

ہمارے خیال میں یہاں شیطان سے مراد کوئی اور چیز نہیں بلکہ خود طاغوت ہے۔ یہ لوگ طاغوت کی پیروی کرنا چاہتے ہیں، اور اس بات سے غافل ہیں کہ یہ شیطان ، جسے قرآن کریم میں طاغوت قرار دیا گیا ہے، انہیں راہ راست سے دور کرتا ہے اور انہیں گمراہی کی وادیوں میں ڈھکیل دیتا ہے۔ شیطان انہیں اس راہ راست سے اس قدر دور کردیتا ہے کہ پھر ان کا اس پر پلٹ کرآنا کوئی آسان کام نہیں رہتا ہے بلکہ راہ راست اور راہ ہدایت پر واپس آنے کے لئے انہیں بہت زیادہ کوشش اور جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا احکام خدا کو نافذ کرنے کے اعتبار سے بھی ولی فقیہ کی بیحد ضرورت ہے۔ اور اسلامی معاشرے کا تقاضہ بھی ہے۔ ۱۱

ماخذ:

۱۔ سورۂ مائدہ ،آیت، ۵۵

۲۔سورہ مائدہ ،آیت ۵۶

۳۔ولایت رہبر معظم،ص ۵۴

۴۔فقہی مسائل کا مجموعہ مطابق فتویٰ رہبر معظم،ص ۴۹ ،مسئلہ ۴۱

۵۔ ایضاً

۶۔ایضاً ،ص ۵۲، مسئلہ ۵۱

۷۔نہج البلاغہ، خطبہ ۴۰

۸۔سورۂ نساء،آیت ۵۹

۹۔سورۂ نساء،آیت ۶۰

۱۰۔ایضاً

۱۱۔ولایت،ص ۸۵

☆

مجتہد جامع الشرائط اور عصر حاضر

مولانا سید محمد جابر جوراسی
مدیر ماہنامہ اصلاح لکھنؤ

تاریخ شاہد ہے کہ دین مبین اسلام کے ظہور سے لیکر آج تک عالمی سامراج اپنے مرموز ہتھکنڈوں کے ذریعہ اسلام دشمنی میں ہمہ تن سرگرم رہا ہے۔کبھی مسلمانوں کے درمیان تفرقہ واختلاف کے ذریعہ اورکبھی عرب وعجم کے سطحی مسائل کی غیر معمولی حوصلہ افزائی کے سہارے اس نے امت اسلامیہ کو ذلت ورسوائی اور شرمندگی ونابودی کے گڑھے میں ڈھکیلنے کی بھرپور کوشش کی، جس کے نتیجے میں امت اسلامیہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹ کر رہ گئی اور قرآن کریم جس کے نزول کا مقصد پوری دنیائے بشریت کی ہدایت ورہنمائی تھا اسے عمدہ ودیدہ زیب غلاف میں لپیٹ کر طاقچوں کی زینت بنادیا گیا، علماء کو ان کے معاشرہ میں بدنام اور ان کے اختیارات کومسجدوں کی چہاردیواری میں محدود کردیا گیا اور مغربی طرز زندگی کی پیروی میں یومیہ نمازوں سے لاپرواہی اور ہفتہ وار عبادت یعنی نماز جمعہ کو بظاہر مقبولیت عطا کرنے کی کوشش کی گئی اور آخر کار دین کو سیاست سے علیحدہ کردیا گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے درباری علماء اور عالم نما افراد کی ایک بڑی تعداد منظر عام پر آگئی۔

ایسے ناگفتہ بہ اور اسلام دشمن ماحول میں امام خمینیؒ نے قرآنی احکام اور سنت نبوی کے سایہ میں اسلامی انقلاب کی عظیم الشان کامیابی کے بعد ایسی مثالی اسلامی حکومت تشکیل دی جو اسلامی تعلیمات کو مسلمانوں کی زندگی کا اٹوٹ حصہ قرار دیتی ہے اور ولی فقیہ ومجتہد العصر کی بالادستی کو عملی جامہ پہنانے میں ہمہ تن سرگرم ہے۔ (ادارہ)

مجتہد وہ ہے جو دینی اسناد و مدارک سے احکام اور ان کے دلائل کے استنباط پر قادر ہو۔اس کی تقلید اس وقت جب کی جائے گی جب وہ مرد ہو، بالغ ہو، عاقل ہو، حلال زادہ ہو، عادل ہو اور زندہ ہو۔

ایک جامع الشرائط مجتہد اپنے علم وتحقیق کی بنیاد پر معاشرہ کو دیندار بناتا ہے اورصحت اعمال کے ذریعہ اس میں اسلامی روح پھونکتا ہے۔ اجتہاد کے معنی سعی وکوشش کے ہیں اور مجتہد اس دور غیبت میں احکام شرع کو معلوم کرنے کے لئے اورمومنین کی رہنمائی کے لئے سعی وکوشش کرتا ہے۔

اس نے شریعت کو مردہ ہونے سے بچالیا ہے۔ اور دین کی رگوں میں خون تازہ دوڑ ایا ہے۔ اس مہم میں مجتہد اپنی جان توڑ کوشش کرتا ہے جیسا کہ اجتہاد کی تعریف ہی سے ظاہر ہے۔

ترجمہ: کسی شرعی حکم کے سلسلہ میں ظنی علم کی جستجو میں فقیہ کا اپنی تمام تر توانائی و کوشش کو اس طرح صرف کر دینا کہ وہ مزید تلاش سے خود کو لاچار پائے۔[۱]

مسلک امامیہ میں اس کی توضیح کچھ اس طرح ہے:

ترجمہ: باعتبار شرع وعقل عملی فرائض یا احکام شرعی کے لئے دلائل حاصل کرنے کا ملکہ اور اس کی مکمل قدرت ۔[۲]

دور غیبت میں شیعہ فقہاء نے جو کارنامے انجام دئے ہیں ان کی اپنی ایک سنہری تاریخ ہے غیبت کبریٰ یعنی چوتھی صدی ہجری سے لے کر موجودہ پندرہویں صدی ہجری تک ہر نازک موڑ پر ہمارے انہیں علماء نے ملت کی رہنمائی کا قابل تحسین فریضہ انجام دیا ہے۔

ماضی قریب میں چودھویں صدی ہجری اور پندرہویں صدی ہجری میں دو ایسے فتوے منظر عام پر آئے جنہوں نے استعمار کی سازش کو ناکام بنایا اور پوری دنیا میں ان فتووں کی دھمک بھی محسوس کی گئی۔

۲۰/مارچ ۱۸۹۰ء پنجشنبہ ۲۸/رجب المرجب ۱۳۰۷ھ کو ایرانی حکمراں شاہ ناصر الدین قاچار نے برطانوی کمپنی 'رژی'' سے پچاس سال کے لئے معاہدہ کرلیا کہ اس کمپنی کے پاس اندرون ملک و بیرون ملک تمباکو فروخت کرنے کا ٹھیکہ رہے گا۔ وہ ایرانی کاشتکار جو تمباکو کی کاشت کرتے تھے ان کے لئے اس کمپنی سے اجازت لینا معاہدہ کی رو سے ضروری تھا۔ اس معاہدہ سے ایرانی معیشت کو خطرہ پیدا ہوگیا اس لئے کہ اس وقت ترکی، افغانستان، ہندوستان، میں لگ بھگ ۴۳۵ ٹن ایرانی تمباکو کی کھپت تھی۔ اقتصادی نقصان سے قطع نظر اس معاہدہ سے اسلامی ثقافت کے لئے شدید خطرہ پیدا ہوگیا تھا۔ مذکورہ کمپنی نے تہران کے اندر اپنا بہت بڑا مرکز خیابان علاء الدین میں قائم کرلیا۔ اور ایرانی نوجوانوں کو بے راہ روکرنے کے لئے مغربی ثقافت کو عام کیا جانے لگا۔ ساتھ میں حیلہ حوالہ سے دولاکھ سے اوپر فوج کو بھی بلوالیا۔ یہ ویسی ہی تیاری تھی جیسے ایسٹ انڈیا کمپنی نے پہلے کلکتہ میں قدم جمائے اور بالآخر پورے ہندوستان پر قبضہ کرلیا۔ پھر کتنی شدید جدوجہد اور قربانیوں کے بعد ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان مہاتما گاندھی کی قیادت میں چلنے والی تحریک کے اثر سے آزاد ہوا۔

کیا کہنا ان فقہائے اہلبیت اطہارؑ میں سے ان علمائے باہوش کا جنہوں نے مستقبل کے خطرہ کو محسوس کیا۔

آیت اللہ العظمیٰ محمد حسن میرزا شیرازیؒ نے پہلے تو شاہ کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن جب شاہی دبدبہ نے ایک مجتہد جامع الشرائط کے سامنے سپر انداختہ ہونے کو نظر انداز کردیا تو آیت اللہ العظمیٰ میرزائے شیرازیؒ نے فتویٰ جاری کردیا:

''الیوم استعمال توتون و تنباکو بای نحو کان درحکم محاربہ با امام زمان صلواۃ اللہ و سلامہ است۔ ۳ ترجمہ: آج سے تمباکو کو چاہے جس طرح استعمال ہو امام زمانہؑ کے خلاف جنگ کرنے کے حکم میں داخل ہے''

ایرانی قوم کی ائمہ اطہار علیہم السلام سے محبت وعقیدت کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں ۔کوئی بھی عاشق اہلبیتؑ محاربہ با امام زمانؑ کا تصور ہی نہیں کرسکتا۔ لہٰذا قوم نے تمباکو سے ہاتھ کھینچ لیا۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں مجتہد کا حکم ایک ایسی چیز سے ٹکرا رہا تھا جو شدید عادت سے تعلق رکھتی ہے۔یعنی'' نشہ'' عام حالات میں نشہ چھوڑنا آسان نہیں لیکن اطاعت حکم شریعت میں کوئی چیز رکاوٹ نہ بن سکی یہاں تک کہ خواتین نے بھی ہمت و جرأت کے ساتھ فتویٰ پر عمل کرکے مثال قائم کردی۔ میرزائے شیرازی کا فتویٰ جاری ہوگیا تھا۔ بادشاہ کو علم نہیں تھا حسب معمول وہ صبح بیدار ہوکر حقہ کا منتظر رہا۔ ملازمین نے حقہ نہیں پیش کیا وہ کمرہ سے باہر آیا تو عجیب منظر دیکھا ٹوٹے ہوئے حقے بکھرے پڑے تھے اور اس کی محبوب بیوی انیس الدولہ کی زیرنگرانی ملازمین حقہ میں لگے جواہرات کو نکال کر ان کو توڑتے جارہے تھے۔ بادشاہ نے برہم ہوکر پوچھا یہ سب کیوں ہورہا ہے؟ بیوی نے جواب دیا حقہ پینا حرام ہوگیا ہے۔ اس نے غصہ میں پوچھا کس نے حرام کیا ہے؟ بیوی نے جواب دیا اس نے جس نے مجھے تمہارے لیے بیوی کے طور پر حلال قرار دیا ہے۔ اس طرح مجتہد کے فتویٰ کے آگے بادشاہ بے بس ہوگیا۔ ۴

اصفہان کے ایک تاجر کے پاس تمباکو کی بارہ ہزار بوریاں تھیں ۔ اسے کمپنی کے ہاتھوں یہ تمباکو فروخت کرنے پر مجبور کیا گیا اس نے ایک رات کی مہلت لی اور جب صبح کو کمپنی کے کارندے تمباکو خریدنے آئے تو دیکھا کہ تاجر نے بوریوں میں آگ لگادی ہے اور وہاں کچھ بھی نہیں بچا ہے۔

پندرہویں صدی کے آغاز میں برطانوی سامراج ہی نے ایک گھٹیا درجہ کے ادیب'' سلمان رشدی''

کو شیطانی آیات'' جیسا ناول لکھنے پر آمادہ کیا اس ناول میں مقدسات اسلامی کی جم کر توہین کی گئی۔ بالخصوص حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس ناول میں مذاق اڑایا گیا ہے۔ بغیر کسی تاخیر کے ۱۴رفروری ۱۹۸۹ء کو آیت اللہ العظمٰی روح اللہ الخمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ تاریخ ساز فتویٰ صادر کردیا کہ

''شاتم رسولؐ سلمان رشدی واجب القتل ہے کسی بھی غیرت دار مسلمان کو جہاں بھی یہ ملے اسے قتل کردے''

فتویٰ جاری ہوئے ۲۳ سال کا عرصہ گزر چکا ہے لیکن آج بھی پوری دنیا میں اس کی گونج موجود ہے۔

مرجعیت ایک ایسا حربہ ہے کہ دشمن کے پاس جس کا توڑ نہیں لہٰذا عصر حاضر میں بالخصوص یہ کوشش ہورہی ہے کہ مرجعیت کے خلاف لوگوں کو تیار کیا جائے گروہ علماء کو بدنام کیا جائے اور کچھ ایسے نام نہاد علماء تیار کئے جائیں جو القاب و آداب اور وضع قطع میں بظاہر عالم یا عالم نما نظر آئیں لیکن ان کے افکارواعمال درست نہ ہوں اس سازش کا بنیادی مقصد ہی یہ ہے کہ ان عالم نما افراد کے ذریعہ عوام الناس کو دھوکا دیا جاسکے۔ لیکن امام جعفر صادق علیہ السلام نے ہرایرے غیرے کو نہیں بلکہ بہترین صفات والے کو مفتی قرار دیا ہے جیسا کہ آپؑ نے اپنے چہیتے اور باوقار صحابی ابان ابن تغلب سے فرمایا تھا: ترجمہ: ابان شہر کی مسجد میں بیٹھو اور فتویٰ دو میں شیعوں میں تمہارے جیسوں کو دیکھنا عزیز رکھتا ہوں۔ ۵؎

یہ بھی ایک بہت بڑا مسئلہ ہے کہ اپنے نفس کے ہاتھوں مجبور ہوکر آج کا معمولی مولوی چاہتا ہے کہ اسے مولانا کہا جائے جو مولانا کہے جاتے ہیں وہ علامہ کہلوانے کے خواہشمند ہیں۔ جاہل فتویٰ دینے پر آمادہ رہتے ہیں اور کم علم'' آیت اللہ'' کا لقب حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اسی لئے ایسے کی تقلید کی امام حسن عسکری علیہ السلام نے نشاندہی فرمائی تھی جس میں سب سے اہم شرط ہے''صائناً لنفسہ'' اپنے نفس کی حفاظت کرنے والا ہو۔ ۶؎

لہٰذا جو واقعاً دیندار ہے اور دین و اسلام سے اسے ہمدردی ہے وہ باطل کے پھیلائے ہوئے جال میں نہ پھنسے اور پوری کوشش کرے کہ علمائے حق کے متوازی کوئی نام نہاد علماء کا محاذ نہ قائم ہونے پائے۔ اگر کوئی اپنے نام کے آگے پرتکلف اور تشریفاتی القاب کے استعمال کا خواہشمند ہے تو

پہلے اپنا جائزہ لے لے کہ کیا واقعاً اس کے علمی کارنامے، فقہی خدمات، قلمی آثار ایسے ہیں کہ اسے بڑے بڑے القاب سے قوم نوازے اگر ایسا نہیں ہے تو یہ جذبہ بھی نفس کی طغیانی کے زمرہ میں آئے گا۔مولائے کائنات امیر المومنینؑ نے صاف صاف تاکید فرمائی تھی۔

”و ضعوا عن تیجان المفاخرۃ“ (ترجمہ) فخر و مباہات کے تاج کو اتار کر پھینک دو۔۷

منابع

۱۔ابن حزم ۱۳۳/۸

۲۔مصباح الاصول صفحہ ۴۳۴

۳۔تحریم تمباکو محمد رضا زنجانی صفحہ ۵۵

۴۔تحریم تمباکو ابراہیم تیموری صفحہ ۱۰۴

۵۔رجال نجاشی صفحہ ۳۷

۶۔وسائل الشیعہ جلد ۱۸/صفحہ ۹۴

۷۔نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۵۔

اجتہاد اور مرجعیت

مترجم: سید مختار حسین جعفری☆

دینی قوانین واحکام کے حصوں کی راہ میں جانے والی تحقیق وتفتیش کو اجتہاد کہتے ہیں فقہ شیعہ کی تاریخ کے ہر دور میں روش اجتہاد علماء وفقہائے دینی کے پاس ایک مشروع ومقبول روش رہی ہے جس کے ذریعہ وہ اجتہاد کے لئے ضروری علوم سے استفادہ کرتے ہوئے احکام شرعی کا استنباط کرتے ہیں۔

ائمہ معصومین علیہم السلام کے دور میں جو لوگ ان کے ممتاز شاگرد ہوتے تھے اور اجتہاد کے لئے لازمی علوم کو حاصل کر لیتے تھے وہ ان کی طرف سے منصب افتاء پر فائز کئے جاتے تھے اور وہ لوگ ائمہ معصومینؑ کی طرف سے بیان شدہ عام قواعد کی روشنی میں موضوع کی شناخت حاصل کر لینے کے بعد عامۃ البلویٰ شرعی مسائل میں حکم صادر کرتے تھے۔

جب غیبت کا دور شروع ہوا تو ایک طرف ائمہ معصومینؑ تک رسائی ممکن نہ رہی اور دوسری طرف لوگوں کے شرعی مسائل کا جواب دینے کے سلسلے میں علمائے دین کی ذمہ داری اس بات کا موجب بنی کہ وہ اجتہاد کے لئے لازمی علوم ومعارف کو کسب کر کے خود کو استنباط واجتہاد کی راہ پر لگائیں اور شریعت کے اصلی منابع سے تازہ حوادث اور عامۃ البلویٰ موضوعات کے بارے میں خدا کے حکم کو معلوم کر کے امت اسلامی کی ذمہ داری کو معین کریں۔

غیبت کے فوراً بعد کے دور میں اجتہاد واستنباط کے اصلی منابع صرف کتاب وسنت تھے جو بعض مسائل میں دوسرے ضروری عناصر کے ساتھ مل کر فتوی دینے میں فقہاء کے لئے مددگار ثابت ہوتے تھے۔ جوں جوں وقت گذرتا گیا اور غیبت کے بعد کافی عرصہ گذر گیا تو استنباط کے لئے دوسرے عناصر کی طرف توجہ ضروری ہوتی گئی۔ شروع میں یہ عناصر صرف اجماع وعقل تھے جبکہ کچھ عرصہ گذرنے کے بعد شہرت فتوائی بھی ان کے ساتھ مل کر منابع اصلی کے ہمراہ استفادہ کا محور بنتی گئی۔

ان تمام عناصر کے ساتھ زمان ومکان کی شناخت ایسے قابل اعتنا مسئلہ میں شمار ہوتی تھی کہ اکثر مجرب وکار آزمودہ فقہاء خاص کر وہ لوگ جو مرجع تقلید اور امام معصومؑ کے نائب کہلاتے تھے سختی کے ساتھ اس شناخت کے پابند رہتے تھے جن میں سے ترتیب وار درج ذیل افراد قابل ذکر ہیں۔

ابن ابی عقیل عمّانی، ابن جنید، سید مرتضیٰ، شیخ طوسی، محقق، علاّمہ حلّی اور شیخ انصاریؒ وغیرہ۔ یہاں تک کہ جب نیا تمدن وجود میں آیا تو علمی مشکلات اور تبیینی احکام کے فقدان نے خاص کر اس آخری صدی میں نسل ائمہ معصومینؑ سے تعلق رکھنے والی اس عظیم شخصیت کو اس چیز پر برانگیختہ کیا کہ استنباط کی راہ میں کام آنے والے مشہور عناصر کے ساتھ دو عقدہ کشا اور اہم عناصر یعنی عنصر زمان وعنصر مکان کی طرف خود بھی توجہ کرے اور دوسرے فقہاء کی توجہ بھی ان کی طرف مبذول کرے۔

اجتہاد کے لئے لازمی عناصر کے ساتھ اس عنصر کے ساتھ اس تکمیل عناصر کے لئے ایک تھیوری اور بنیادی مسئلے کی صورت میں سامنے آجانے کی وجہ سے عمل استنباط کے مختلف ابعاد میں ایک تبدیلی رونما ہوئی اور یہ چیزیں اس بات کا باعث بنی کہ ماضی میں اجتہاد کے لئے جن علوم کی ضرورت تھی ان کے ساتھ ہی اب اجتہاد کے لئے نئے مَلکات کا وجود بھی ضروری قرار پائے۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امام خمینیؒ نے جو اجتہاد کی تعریف کی ہے اور اس کے لئے جو شرائط ولوازم بیان کئے ہیں ان پر ایک نگاہ ڈالتے چلیں۔ امام خمینیؒ نے اس سلسلہ میں فرمایا ہے: حوزات اور علماء کو چاہئے کہ انسانی سماج کی آئندہ ضرورتوں اور ان کے تفکر کی نبض کو ہمیشہ اپنے ہاتھ میں رکھیں اور ہمیشہ حوادث کے ظاہر ہونے سے پہلے ہی اس کے ردعمل کے لئے تیار رہیں۔ چونکہ ممکن ہے کہ مستقبل میں عوام کو ڈیلنگ کرنے کے طریقے بدل جائیں اور جوامع بشری کو اپنے مسائل ومشکالت کے حل کے لئے نئے مسائل کی ضرورت پڑے۔ لہذا بزرگ علمائے اسلام کو ابھی سے اس موضوع کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

الف: اصطلاح اور مروّجہ اجتہاد

امام خمینیؒ نے جہاں اس ضرورت پر زور دیا ہے کہ علماء وفضلائے دین تمام حوزات علمیہ میں اجتہاد پر بہترین انداز میں کاربند رہیں وہیں اس نکتہ کو بھی یاددلایا ہے کہ حوزات علمیہ میں رائج اجتہاد کافی نہیں ہے اور اس دور میں یا دوسرے ادوار میں جوامع بشری کی پیچیدہ ومتنوع ضرورتوں کو پورا نہیں کرسکتا۔ اور یہ مسئلہ حکومت، سماج اور ہر دور کے صحیح حالات کی شناخت سے اور واضح ہوجائیگا۔

اہم چیز حکومت اور سماج کی پہچان ہے کہ جس کی بنیاد پر اسلامی نظام مسلمانوں کے فائدے کے لئے پروگرام بنا سکے اس لئے کہ وحدت رویہ وعمل ضروری ہے اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ حوزات علمیہ میں جو اجتہاد رائج ہے وہ کافی نہیں ہے[۱]

اب یہ دیکھنا ہے کہ رائج الوقت اجتہاد سے مراد کون سا اجتہاد ہے؟ اور کیوں امام خمینیؒ حوزات علمیہ میں رائج اس اجتہاد کو کافی نہیں سمجھتے ؟ جیسا کہ ان سے پہلے بزرگ فقہاء مثلاً استاد الفقہاء شیخ مرتضیٰ انصاری ، آخوند محمد کاظم خراسانی ، شیخ محمد اصفہانی اور دوسرے علماء نے لکھا ہے کہ اجتہاد اور اس کے شرائط یہ ہیں کہ مجتہد دینی مدارس میں بعض علمی مراحل طے کرنے اور استباط کے لئے لازمی توانائیاں حاصل کرنے کے بعد اپنے علمی وعملی سرمائے کے ذریعہ استباط حکم اور اجتہاد کی قدرت اور اس کے ملکہ کو حاصل کرلیتا ہے۔

مذکورہ علمی سرمائے یہ ہیں علوم عربی کو اس مقدار میں حاصل کرنا کہ اجتہاد کی راہ میں ان سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔تفسیر قرآن مجید سے آشنا ہونا، استنباط حکم کے قواعد اور علم اصول پر تسلّط حاصل کرنا،منطق اور قواعد استدلال کی شناخت ہونا،علم رجال ودرایت سے آگاہ ہونا اور احادیث وکلمات معصومینؑ سے بقدر لازم آگاہ ہونااور ان سے استفادہ کرنا۔ اس کے علاوہ مجتہد کے انفرادی شرائط کے سلسلے میں کچھ چیزیں بیان کی جاتی ہیں۔ جو اس طرح ہیں ، عدالت ،زہد،تقویٰ پرہیزگاری،حیات اور دنیا سے بے رغبتی۲

ب: لازمی اور کافی اجتہاد

امام خمینیؒ کے اصولی نظریات کی بنیاد پر ''جوان کی گرانقدر کتاب ''الرّسائل'' میں بیان ہوئے ہیں اجتہاد وفقاہت اور اس کے خاص شرائط کی ایک ایسی تصویر ابھرتی ہے جو مسئلہ زعامت وولایت فقیہ کے سلسلہ میں ان کے وسیع نقطہ نظر سے وجود میں آتی ہے۔ ان شرائط کے مالک فقیہ کا کام صرف فتویٰ دینا اور حکم بیان کرنا نہیں ہے بلکہ ایک جامع شرائط فقیہ کو ایسی حکومت قائم کرنا چاہیئے جو جوامع بشری کے تمام اجتماعی وانفرادی امور کو شامل اور انسانی مشکلات کے حل کے لئے کارساز ہو۔ فقہ وفقاہت کے لئے یہی معنی بیان کئے جائیں۔ اگر فقہ کو عملی جامہ پہنادیا جائے اور اجتہاد واقعیت کا وجود اختیار کرے اور فرد وجامعہ کی زندگی کے تمام ابعاد کو شامل ہو جائے تو اس وقت انسانوں کو راہ پر لگانے کی واقعی اور مکمل تھیوری وجود میں آجائے گی۔ عالمی استکبار اور دشمنان دین صرف اسی مسئلے اور اسی موضوع کے متحقق ہوجانے سے خائف ہیں۔

حقیقی مجتہد کی نظر میں حکومت انسانی زندگی کے تمام ابعاد میں پوری فقہ کا عملی فلسفہ ہے۔

حکومت تمام اجتماعی ، سیاسی،نظامی اور ثقافتی مشکلات میں فقہ کے عملی پہلو کو نمایاں کرتی ہے۔ فقہ فرد واجتماع کو چلانے کی خاطر گہوارہ سے گور تک ایک واقعی اور مکمل تھیوری ہے۔

اصل مقصد یہ ہے کہ ہم فقہ کے محکم اصولوں کو کس طرح فرد وجامعہ کے عمل میں رائج کرسکیں گے اور مشکلات کو حل کرنے میں کامیاب ہوں گے۔ استکبار کو اسی بات کا خوف ہے کہ فقہ واجتہاد عملی اور عینی صورت اختیار نہ کرلیں۔[۳]

اگر فقہ وفقاہت نے یہ معنی اختیار کرلئے اور وہ تھیوری سے نکل کر عینیّت اور عمل کے میدان میں آگئی تو اجتہاد بھی نئے معنی اختیار کرے گا۔صرف تھیوری پر مبنی اور نظری اجتہاد عینی اور عملی اجتہاد میں تبدیل ہوجائے گا۔ مجتہد وفقیہ کی شان بھی بحث ودرس وتحقیق سے بلند ہوکر زعامت ورہبری تک پہونچ جائے گی۔ وہ ایک طرف علمی وعملی سرمائے اور مقدمات فراہم کرکے اور دوسری طرف اپنے دور کے مسائل پر محیط ہوکر اور ثقافتی، اقتصادی ، سیاسی ، نظامی اور اجتماعی حالات سے آگاہ ہونے کے بعد لازمی اجتہاد تک دسترسی حاصل کرکے اس اجتہاد وفقاہت کو عینیت دینے اور عملی جامہ پہنانے میں کامیاب ہوسکے گا۔

مجتہد کو اپنے دور کے مسائل سے آگاہ ہونا چاہئے۔ اس چیز کو آج کے جوان اور حتی عوام بھی قبول نہیں کرتے کہ ان کا مرجع ومجتہد یہ کہے کہ میں سیاسی مسائل میں کوئی رائے نہیں دوں گا۔ ایک مجتہد جامع کی خصوصیات ہی یہ ہیں کہ وہ دنیا پر حاکم نظام کی چالوں اور مکاریوں کا توڑ جانتا ہو۔ اور دنیا پر مسلط اقتصادی نظام ونظریات سے آگاہی رکھتے ہوئے ان سے نمٹنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ سیاست اور سیاستمداروں کو پہچانتا ہو اور ان دونظاموں یعنی سرمایہ داری اور کمیونزم جو حقیقت میں ساری دنیا پرحکومت کی ایک اسٹریٹجی ہے'' کے بتائے ہوئے فارمولوں سے آگاہ ہو اور ان کے نقاط قوت وضعف کے درک کی صلاحیت رکھتا ہو۔[۴]

یہی وہ لازمی وکافی اجتہاد ہے جو انسانی زندگی کے تمام انفرادی اور اجتماعی پہلوؤں کو شامل ہے اور جوامع بشری کی تمام دینی ودنیاوی مشکلات ومعضلات کا حل پیش کرتاہے ایسا ہی اجتہاد حکومت وزعامت پر منتج ہوکر ہر دور اور ہر جگہ کے تمام مسائل پر محیط ہوسکتا ہے۔

اگر ہم نے اسلام وفقاہت کو ایسا پایا ہے کہ ان کے اندر جوامع بشری کو ادارہ کرنے کی توانائی موجود ہے اور وہ کسی زمان یا مکان سے مخصوص نہیں ہوئے اور ہر عصر ومصر میں چاہے وہ کیسے

ہی حالات سے روبرو ہوں جامعۂ انسانی کی رہنمائی کرسکیں گے اور اگر اسلام وفقاہت کو ہم جاوداں سمجھتے ہیں اور اس کو ایک عالمی اور ہمہ گیر دین سمجھتے ہیں اور اگر دینی احکام ووظائف تک رسائی کے لئے ہماری نظر ادلۂ شرعی سے حکم کے استنباط واجتہاد پر ہے تو ایسے اجتہاد کو وسیع وعمیق معنی پر مشتمل اور عینی وواقعی تفسیر کا حامل ہونا چاہئے۔ تاکہ اس دور کی پرآشوب دنیامیں زمام امور اپنے ہاتھ میں لے کر مومنین کو حیرت وسرگردانی سے نجات دلائے۔

اس زمانے میں سائنس اورٹکنالوجی میں ترقی ، فاصلوں کا سمٹ جانا، روابط وتعلقات کا عمیق تر ہوجانا، فرہنگ وثقافت کا ایک دوسرے سے بدلنا اور جوامع بشری کا ایک دوسرے سے نزدیک ہوجانا ایسے اسباب ہیں جو سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں نئے مسائل کے وجود میں آنے میں دخالت رکھتے ہیں۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان وغیرمسلمان سماج کے مختلف قسم کے مسائل ومشکلات کا واضح وصریح جواب پیش کیا جائے ۔ موجودہ دور میں خاص کر جب حکومت اسلامی وجود میں آگئی ہے اور آئندہ دنیا میں اسلام کی رہبری کا مسئلہ درپیش ہے اور ہر سماج اسلام وقوانین اسلامی کی طرف متوجہ ہے۔ اجتہاد کو ایک نئی حرکت دے کر اس کے دائرے کو وسعت دینا چاہئے تاکہ وہ ہر سماج کی پیچیدہ دشوار اور گوناگوں ضرورتیں پوری کرسکے۔

امام خمینیؒ (قدس سرہٗ) کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ اس دور میں بحث وگفتگو اورفقہی واجتہادی موضوعات اور مسائل صرف دینی حوزات اور مدارس تک محدودنہیں ہیں بلکہ ہرسماج میں ان کا چرچا ہے اور ہرصنف واضح اورمبین جواب کی منتظر ہے۔

کمال مسرّت وخوشحالی کا مقام ہے کہ آج فقہاء وصاحبان نظر کے نظریات اسلامی انقلاب کی مناسبت سے ریڈیوٹیلیویژن اور اخبارات تک پہونچ گئے ہیں چونکہ ان ابحاث ومسائل کی عملا ضرورت ہے مثلاً مالکیت اوراس کے حدود کے مسئلے میں ، زمین اوراس کی انفال اورعمومی ثروتوں میں تقسیم بندی کے مسئلہ میں ، پیسے کرنسی اور بینکوں کے پیچیدہ مسائل میں،ٹیکسوں کے بارے میں داخلی وخارجی تجارت کے بارے میں ، مزارعہ، مضاربہ، اجارہ ورہن کے سلسلہ میں ،حدود و دیات اورشہری قوانین کے بارے میں ، ثقافتی مسائل اور عام معنی میں آرٹ جیسے فوٹوگرافی ، نقاشی، مجسمہ سازی، موسیقی ،تھیٹر،سنیما،خوش نویسی وغیرہ کے بارے میں ، ماحولیات کی نگرانی اورطبیعت کو سالم رکھنے کے بارے میں ،درختوں کو کاٹنے سے روکنے کے بارے میں ، چاہے وہ ذاتی املاک یاگھروں میں ہوں ،

مسائل خوردونوش کے سلسلہ میں ، ضروری ہونے کی صورت میں ،بچے پیدا کرنے سے روکنے یا ولادتوں کے درمیان مناسب فاصلہ رکھنے سے متعلق ،طبی مشکلات کے حل جیسے انسان یا غیرانسان کے بدن کے اعضاء کو دوسرے انسان کے بدن کے ساتھ جوڑنے کے سلسلہ میں ، زمین کے اندر اور زمین کے اوپر موجود معدنیات کے بارے میں ،موضوعات حلال وحرام میں تغیر وتبدیلی اور مختلف اماکن وادوار میں، حقوقی اور بین الاقوامی حقوق کے بعض مسائل کے احکام میں توسیع وتضییق اوران کی احکام اسلامی پر تطبیق کے بارے میں ، اسلامی سماج میں عورت کے تعمیری کردار اور فاسدو غیراسلامی سماجوں میں اس کے تخریبی کردار کے بارے میں انفرادی واجتماعی آزادی کے حدود کے بارے میں ، کفروشرک اوران کے تابع بلاکوں کے ساتھ راہ ورسم کے سلسلہ میں ، ہوائی وفضائی سیر اورحرکت زمین کی سمت کے برخلاف یا اس کے موافق سمت میں حرکت کے بارے میں ، یا اس کی رفتار سے زیادہ سرعت کے ساتھ حرکت کے بارے میں یا عمودی طور پر اوپر اٹھ کر جاذبہ زمین کو ناکارا بنادینے کے سلسلہ میں، اور سب سے بڑھ کرحکومت وسماج میں ولایت فقیہ کی حاکمیت کی کیفیت کے سلسلہ میں یہ سب ابحاث ان مسائل کی ایک جھلک اور اس کا ایک گوشہ ہے جن کے بارے میں فقہاء نے بحث کی ہے اور ان کے نظریات ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور اگر کچھ مسائل ماضی میں درپیش نہیں تھے یا ان کا موضوع نہیں تھا تو آج کے فقہا کو ان کے لئے کچھ نہ کچھ سوچنا چاہئے۔[۵]

اس پیراگراف میں امام خمینیؒ اس حقیقت پر زور دیتے ہیں کہ اجتہاد وفقہاہت کی حرکت نئے مدار پر آگئی ہے اورکسی نہ کسی صورت میں فقہ وفقاہت کوعینی وعملی طور پر متحقق ہونے کے لئے بلند ہمتی کی ضرورت ہے۔ اس صورت میں وہ اجتہاد جو امام خمینیؒ کا مطمح نظر اور جس کے بارے میں امام مرحوم نے وصیت فرمائی ہے۔ وہی کافی ولازمی اجتہاد ہے جس نے تھیوری اورنظریے کے خول سے نکل کرعینی وواقعی میدان میں قدم رکھ دیا ہے۔

ج: کافی ولازمی اجتہاد کے شرائط

جیسا کہ امام خمینیؒ کے ارشادات سے مستفاد ہوا کہ کافی ولازمی اجتہاد کے لئے اصطلاحی[۶] اجتہاد کی خصوصیتوں اورشرطوں کے علاوہ کچھ اورشرطوں کا ہونا ضروری ہے جو مجموعی طور پر یہ ہیں۔

ا۔ شرائط عملی

مجتہد کے اندر علمی شرائط اور اجتہاد وافتاء کے لئے لازم توانائیوں کے علاوہ کچھ عملی خصوصیتوں اور اخلاقی وانفرادی صفتوں کا ہونا ضروری ہے تاکہ استنباط واجتہاد کی راہ میں وہ لغزش اور خطا کا مرتکب نہ ہو۔

خلوص، تقویٰ اور زہد وہ شرائط ہیں جو مجتہد کے اجتہاد میں بلاواسطہ دخالت رکھتے ہیں اور روایت معصومؑ کی روشنی میں یہی وہ مجتہد وفقیہ ہے کہ جس کے اندر افتاء ومرجعیت کی صلاحیت موجود ہے۔ ۷

۲۔ جامع وہمہ گیر بصیرت وبینش

ان خاص اہم شرائط میں سے کہ جن پر امام خمینیؒ نے متعدد ومقامات پر زور دیا ہے ایک شرط یہی سیاسی بینش، وسعت نظر اور مجتہد کی گہری سوچ ہے۔ مجتہد اسی وقت سند افتاء واجتہاد پر کامیاب ہوگا کہ جب وہ اس طرح کی بینش اور وسعت نظر سے بے بہرہ نہ ہو۔ مجتہد کو اپنے دور کے مسائل پر محیط ہونا چاہیے۔ ۸ دشمن کی مکاریوں کو پہلے سے سمجھ کر ان کے لئے مناسب جواب تیار رکھے۔ سماج ومعاشرہ کی ہدایت کے لئے ایک مجتہد کے اندر ہوش وفراست اور زیرکی ہونا چاہیے۔ مختصر یہ کہ مجتہد کو مدیر ومدبر ہونا چاہیے۔

ایک مجتہد کو ایک وسیع اسلامی سماج حتی غیر اسلامی سماج ومعاشرے کی ہدایت ورہنمائی کے لئے فراست، زیرکی اور ہوش سے سرشار ہونا چاہیے اور صاحب اخلاص وتقویٰ اور صاحب زہد ہونے کے علاوہ کہ جو مجتہد کے شایان شان ہے۔ اسے واقعاً ومدبر ہونا چاہیے۔ ۹

اس سے بھی بڑھ کر امام خمینیؒ کے بقول: ایک مجتہد کے اجتہاد کی بنیاد ایسے طرز تفکر پر استوار ہوگی لیکن اگر کسی شخص کے اندر اجتہاد کے لئے لازمی جملہ علمی خصوصیات وشرائط موجود ہوں اور بحث وتحقیق کے لحاظ سے وہ سب سے اونچے مرتبہ تک پہونچ چکا ہو لیکن تشخص اور قوت ارادی کے اعتبار سے ضعیف ہو اور اس میں فکر کی گہرائی اور آئندہ نگری کا فقدان ہو تو ایسا شخص مجتہد نہیں ہوگا اور اس کے اندر سماج ومعاشرے کے امور کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لینے کی صلاحیت نہیں ہوگی۔

بلکہ ایک شخص اگر علوم حوزوی میں اعلم ہو لیکن سماج کی مصلحت کو تشخیص نہ دے سکے اور

صالح ومفید اور ناصالح وغیر مفید افراد میں تمیز نہ کر سکے۔ اور مجموعی طور پر سیاسی اور اجتماعی امور میں صحیح طرز تفکر اور تصمیم گیری کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو یہ شخص اجتماعی وحکومتی مسائل میں مجتہد نہیں اور معاشرے کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکتا۔۱۰؎

۳۔عنصر زمان ومکان

اجتہاد واستنباط حکم میں زمان ومکان کا کلیدی کردار رہا ہے اور اب بھی ہے۔ امام خمینی قدس سرہ نے اس چیز کے بارے میں دقت کر کے اس پر زور دیا ہے۔فتویٰ دینے میں ان دو عناصر کی تاثیر ایسی چیز نہیں کہ جس سے شیعہ فقہاء نے غفلت برتی ہو یا اس پر کوئی توجہ نہ دی ہو۔ بلکہ امام خمینیؒ نے جو اس چیز پر زور دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دور میں ان دو عناصر کی دخالت اور حکومت اسلامی کے تشکیل پانے اور نئے حالات وشرائط وجود میں آنے کے بعد احکام شرعی کے نفوذ کے مواقع فراہم ہو گئے ہیں اور اس چیز نے صاحبان نظر اور فقہائے معاصر کی توجہات کو اپنی طرف موڑ لیا ہے۔

اجتہاد کہ جس کا مطلب ادلہ میں استنباط کے ذریعہ حکم شرعی معلوم کرنے کے لئے جدوجہد اور تحقیق کرنا ہے اگر زمانی ومکانی شرائط کو مدنظر رکھے بغیر وقوع پذیر ہو تو جدید مسائل وموضوعات کے لئے کلی احکام وقواعد کے قالب میں کوئی عملی تفسیر وتبیین نہیں پیش کر سکے گا۔ زمان ومکان اجتہاد کے دو اہم اور حیاتی عنصر ہیں۔ وہ مسئلہ جس کا کسی زمانہ میں ایک حکم تھا زمانی ومکانی شرائط وحالات میں تبدیلی کی وجہ سے اس کا موضوع بدل جاتا ہے اور وہ نئے حکم کا تقاضا کرتا ہے ایسے میں اجتہاد کلیدی کردار ادا کرتا ہے اور وہ اپنی دلیلوں کی بنیاد پر جدید مشکلات کے لئے مناسب حکم دے سکتا ہے۔

اس دور کی پر آشوب دنیا میں ایک اہم ترین مسئلہ اجتہاد میں زمان ومکان کا نقش اور پالیسی اختیار کرنے کی نوعیت ہے۔۱۱؎

زمان ومکان اجتہاد کے دو کلیدی عناصر ہیں۔ ایک مسئلہ جس کا پہلے ایک حکم تھا ظاہراً وہی مسئلہ ایک نظام کے اقتصادی ، اجتماع اور سیاست پر حاکم رابطوں کی وجہ سے ممکن ہے نیا حکم پیدا کر لے یعنی اقتصادی ،اجتماعی اور سیاست پر حاکم رابطوں کی وجہ سے ممکن ہے نیا حکم پیدا کرے یعنی اقتصادی، اجتماعی اور سیاسی رابطوں کی دقت کے ساتھ معرفت کی صورت میں وہی سابقہ موضوع جو بظاہر پہلے ہی موضوع کے مانند ہے لیکن حقیقت میں وہ موضوع بدل گیا ہے۔قہری طور پر ایک نئے

حکم کا تقاضا کرے گا۔ ۱۲؎

ایک زمانہ میں جب کسی مجتہد یا مفتی کے ماحول اور معاشرے میں جو نئے حالات وشرائط وجود میں آتے ہیں تو ان مشکلات وموضوعات سے جو نتیجہ وہ اس وقت وہ اس وقت اخذ کرتا ہے ممکن ہے کہ اس سے پہلے کے زمانی ومکانی شرائط کے تحت جو نتیجہ اس نے اخذ کیا تھا اس سے بالکل متفاوت ہو، نتائج میں یہ اختلاف جدید متنوع احکام کا تقاضا کرے گا۔

جو مسائل آج درپیش ہیں وہ گذشتہ مسائل سے مختلف ہیں اور احکام اسلام کے سمجھنے میں مجتہد زمان ومکان کے دو عناصر اور اپنے دور کے شرائط وحالات کو سامنے رکھتے ہوئے فقہی واستدلالی منابع سے حکم خدا کو استنباط کرتا ہے۔ یہ احکام اصول میں بیان شدہ وضاحت کی روشنی میں احکام اولیٰ، ثانوی اوراحکام ظاہری وواقعی وغیرہ جیسے احکام کو شامل ہیں اور فقہی و اصولی کتابوں میں ان کے سلسلے میں بحث وتحقیق کی گئی ہے۔

مرجعیت

الف: شرائط مرجعیت

مرجع اس مجتہد فقیہ اور عادل کو کہتے ہیں جس کی علمی برتری اور اخلاقی واجتماعی خصوصیتیں اس کو دینی مسائل اور تازہ حوادث میں مومنین اور امت مسلمان کے رجوع کا مرکز ومرجع قرار دیتی ہیں۔ مرجع کا کام تازہ حوادث کا حکم بیان کرنا اور نئے ابھرنے والے سوالات کے جوابات دینا ہے۔ اس کا کام ان احکام کو بیان کرنا ہے جو چار طرح کے تعلقات کے بارے میں ہوں۔ خدا کے ساتھ تعلق، انسانوں کے ساتھ تعلق اور اپنے آپ اور طبیعت وماحول کے ساتھ تعلق کے بارے میں۔

ان سوالوں کے ابھرنے کی وجہ اجتماعی رابطوں کی تبدیلی اور نئے رابطوں کا ظہور ہے جو زمانہ کے بدلنے کے ساتھ وجود میں آتے ہیں۔

ترقی یافتہ یا ترقی پذیر ممالک میں جن کی اجتماعی کیفیت نہایت پیچیدہ ہے نئے حوادث اور موضوعات کی شناخت، دوسری تنظیموں اور اجتماعی رابطوں کے سلسلہ میں ان کی تاثیر و اثر پذیری کی شناخت پر موقوف ہے۔ ان معاشروں میں زمان ومکان اور ان پر مسلط پیچیدہ روابط کی شناخت اجتہاد کے مقومات میں سے ہے چہ جائیکہ مرجعیت !

جو شخص ان مسائل کی معرفت نہ رکھتا ہو وہ موضوعات کا صحیح تصور نہیں پیدا کرسکتا تا کہ صحیح حکم دے سکے ایسا شخص اسلامی زندگی کا نظام برقرار کرنے میں عوام کا احکام میں مرجع نہیں بن سکتا یہی وجہ ہے کہ امام راحل قدس سرہ نے فرمایا: حوزے میں رائج اجتہاد کافی نہیں ہے۔ بلکہ ایک شخص اگر علوم حوزوی میں اعلم بھی ہو لیکن سماج کی مصلحت کی تشخیص نہ رکھتا ہو۔ یا صالح ومفید افراد کو غیر صالح اور غیر مفید افراد سے الگ نہ کرسکتا ہو اور اس کے اندر اجتماعی وسیاسی طرز تفکر اور قوت ارادی کا فقدان ہو تو ایسا شخص اجتماعی اور حکومتی مسائل میں مجتہد نہیں ہوسکتا۔

دوسری بحث جس میں زیادہ تحقیق کی ضرورت ہے وہ ملاکات وشرائط ہیں جو نظام جمہوری اسلامی قیام کے بعد کسی مرجع کے انتخاب کے لئے اولویت رکھتے ہیں۔

اسلامی نظام کے وجود میں آنے کے بعد ایک شرط جس نے مرجعیت کے لئے اوّل درجے کی اہمیت اختیار کرلی ہے وہ نظام اسلامی کی حفاظت کا عہد و پیمان ہے۔

مرجع کے انتخاب کے لئے یہ شرط دو جہت سے ضروری ہے۔

۱۔ مباحث نظری کے میدان میں عدالت وتقویٰ مرجع دین کے بنیادی شرائط میں سے ہیں۔ اگر مجتہد علمائے عصر میں سب سے زیادہ اعلم ہو لیکن اس کی عدالت وتقویٰ میں کمی ہو تو وہ مرجعیت کے قابل نہیں اور اس کی طرف رجوع کرنا طاغوت کی طرف رجوع کرنے کے مترادف ہے۔ اس لئے کہ ایسا شخص نہ صرف یہ کہ انسانوں کو نور تک نہیں پہونچاسکتا بلکہ ممکن ہے کہ انہیں تاریکیوں میں اسیر کردے۔

تقویٰ وعدالت کی سب سے پہلی شرط واجبات کی ادائیگی ہے اور اسلام کے اہم فرائض میں سے ایک فرض نظام اسلامی کی حفاظت ہے جو فقہاء ''رحمۃ اللہ علیہم'' کے بقول تمام فرائض میں سرِ فہرست ہے اور کوئی فریضہ بھی اس کی ادائیگی میں مانع نہیں ہوسکتا اور اس عظیم ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کے لئے کوئی بہانہ قابل قبول نہیں۔

بنابریں ہمارے دور میں حفاظتِ نظام کا پابند ہونا مرجع کے انتخاب کی بنیادی ترین شرط ہے اس لئے کہ اگر کوئی مجتہد اس کام کو اپنے امور ومعتقدات میں سرفہرست قرار نہ دے تو اس نے اہم ترین اسلامی فریضہ کو ترک کیا اور دوہرے فسق کا مرتکب ہوا ہے۔

۲۔عملی میدان میں لوگوں کے نزدیک امین اور قابل اطمینان وہ مراجع ہیں جن سے لوگ

احکام دین معلوم کرتے ہیں۔ اگر کوئی مرجع نظام کے سلسلہ میں لاپرواہ ہوتو لوگوں کے اندر لاپروائی اور میدان سے کنارہ کشی کی عادت سرایت کرجائے گی اور وہ اسلامی نظام کے سلسلہ میں سہل نگاری سے کام لینے لگیں گے۔ امت اسلامی جب دیکھے گی کہ ان کا دینی پیشوا ملک میں رونما ہونے والے واقعات سے لاپرواہ ہے تو نہ صرف اپنے آپ کو میدان میں حاضر ہونے کا ذمہ دار نہیں سمجھیں گے بلکہ ممکن ہے کہ نظام کو بھی شک وشبہ کی نظر سے دیکھیں۔

اس تحلیل اور دوسرے دسیوں وحشت ناک نتائج کی روشنی میں کہ جن کے شمار کرنے کی گنجائش نہیں۔ آیا ایسے مجتہد کو جو اسلامی نظام کے سلسلہ میں لاپرواہ ہو اور اس کی حفاظت وبقا کے لئے سعی نہ کرتا ہو مرجع دین قرار دیا جاسکتا ہے؟ آیا ایسے لوگ عنوان ''امناء الرّسل'' کے مستحق ہو سکتے ہیں؟ آیا جو شخص نظام اسلامی کے خلاف کی جانے والی سازشوں کے مقابلہ میں کہ جو ہمارے پاس خدا کی امانت ہے خاموش بیٹھا ہو اور اپنے آپ کو لئے دئے رہے اس کو دین خدا کا امین سمجھا جاسکتا ہے اور لوگوں کا مرجع وملجا بنایا جاسکتا ہے؟ چہ جائیکہ وہ افراد جنہوں نے نظام الٰہی کی مخالفت اور اسے کمزور کر دینے کا بیڑا اٹھا رکھا ہے۔

ب: مرجعیت کی ذمہ داریاں

مرجعیت نہایت ارجمند اور ذمہ داریوں سے بھرپور مقام ہے حتیٰ ماضی میں اس کی قدیم ذمہ داریوں کے احاطہ میں کچھ کمیوں کے باوجود بڑی بڑی ذمہ داریاں اس کے کاندھوں پر رہی ہیں۔ دینی مسائل کا جواب گرما گرم سیاسی اور اجتماعی مسائل میں اظہار نظر، علماء وروحانیون کو منظّم کرنا، اور غریبوں اور فقیروں کی مدد کرنا ان ذمہ داریوں کے چند نمونے ہیں۔

بلاشک ذمہ داریوں کی اہمیت ، مسؤلیت کی سنگینی میں اضافہ کر دیتی ہے۔ علمائے دین میں سے گنے چنے افراد کے اندر اتنی توانائی ہے جو اس میدان میں قدم رکھ کر اپنی ذمہ داری نبھا سکتے ہیں۔ امام خمینیؒ کا مقام مرجعیت کی مسؤلیت پر زور دینا، ان کے اس اعتقاد کا نتیجہ ہے جس کی بنا پر وہ مقام مرجعیت کو اس سے بلند وبالا سمجھتے ہیں کہ وہ صرف احکام طہارت ونجاست پر اکتفا کرے۔

علمائے اسلام اگرچہ بہت زحمتیں اٹھاتے ہیں لیکن ان کی مسؤلیت اس سے کہیں زیادہ ہے۔ خداوند متعال نے انہیں عزت وعظمت عطا کی ہے دوسروں کو ان کے تابع بنایا ہے ۔ ملت کو ان کے تابع قرار دیا ہے یہ سب چیزیں مسؤلیت آور ہیں۔

امام خمینیؒ دین وسیاست کو عین سمجھتے تھے۔ ان کو دو نہیں سمجھتے تھے بلکہ روح سیاست کو دین کے پیکر میں مجسم دیکھتے تھے اور اس عقیدہ کا اظہار امام خمینیؒ بارہا کیا کرتے تھے۔ ان کے دسیوں فکری وعملی اصول اس عقیدہ سے وجود میں آتے تھے۔ جیسے نظریۂ ولایت فقیہ، ظالم احکام کے خلاف جہاد کا ضروری ہونا، استعمار وصہیونزم کے خلاف جنگ کا لازمی ہونا، حج کے موقع پر برأت از مشرکین کے مراسم کا لزوم اور دسیوں دوسرے مقولے اسی طرز فکر سے پیدا ہوتے تھے۔

اس نظریہ کی وجہ سے امام خمینیؒ دینی مرجعیت کو سیاسی امور کے احساس کا ذمہ دار سمجھتے تھے اور ان کی طرف سے سیاست اور اجتماعی ذمہ داریوں سے کنارہ گیری کو قبول نہیں کرتے تھے یہی وہ اہم مسئلہ تھا جو امام خمینیؒ کے نظریے کو دوسروں پر فوقیت دیتا تھا۔

یہ چیز کہ دین سیاست سے الگ ہے اور علمائے اسلام سیاسی اور اجتماعی امور میں مداخلت نہ کریں استعمارگروں نے شائع اور عام کی ہے۔ ایسی باتیں بے دین کرتے ہیں۔ کیا پیغمبر اکرمؐ کے زمانہ میں سیاست دین سے الگ تھی؟ کیا اس دور میں کچھ لوگ عالم تھے اور کچھ سیاستمدار اور حکمراں؟ ان باتوں کو استعماریوں اور ان کے سیاسی ایجنٹوں نے پیش کیا ہے۔ تاکہ دین کو دنیاوی امور میں تصرف اور اسلامی سماج کو منظّم کرنے سے روک سکیں۔ اور ساتھ ہی علمائے اسلام کو عوام اور آزادی واستقلال کے لئے جہاد سے دور رکھیں اسی صورت میں وہ عوام پر مسلط ہوکر ہماری ثروتوں کو غارت کر سکتے ہیں۔

امام خمینیؒ قدس سرہ کی تاکیدات موجب بنیں کہ حوزہ کی نئی نسل اس تعلق کو سمجھ کر سیاسی ذمہ داریاں نبھانے کے عہد کو مرجعیت کی تشخیص میں دخیل بنائے۔ اور اجتماع میں مراجع کی موجودگی کو اس کے بارے میں قضاوت کے اصلی معیارات میں سے قرار دے۔

ج: مرجعیت اور رہبری

دینی حکومت کے پائدار ہوجانے کے بعد مرجعیت ورہبری کا تعلق ایک قابل غور سوال بن گیا ہے۔ اس سے پہلے مختلف مراجع کا وجود اس قدر مسئلہ انگیز نہیں تھا۔ لوگ اپنے دینی احکام میں جو شخص اعلم و اصلح ہوتا تھا اسے دینی مرجعیت کے لئے منتخب کرلیتے تھے۔ مقلّدین ایک دوسرے سے غافل رہ کر زندگی بسر کرتے تھے اور اپنے مراجع کے احکام کے مطابق اپنی انفرادی زندگی گذار دیتے تھے۔ فروغ دین کے سمجھنے میں اختلاف کو ایک معمولی اور طبیعی چیز سمجھتے تھے اور ہر طرح کے تنازعہ اور

کشمکش سے دور رہ کر اپنی اپنی ذمہ داریوں کو نبھاتے تھے۔

دینی حکومت کے وجود میں آجانے سے مذہبی سماج کو ایک نئے مسئلہ کے روبرو کیا۔ پہلا سوال یہ پیدا ہوا کہ رہبر و مرجع کے فتوے کو کس طرح ہمنوا بنایا جائے ۔دسیوں اجتماعی مسائل رہبر کے فتوے کے مطابق حل ہوگئے اور کئی موارد میں بعض فتوؤں کے ساتھ ناسازگار بھی تھے جس کے نتیجے میں اسلامی سماج میں شکر رنجی اور چھوٹے موٹے تنازعات نے جنم لیا۔

ولایت فقیہ کی تھیوری پر مبنی امام خمینی قدس سرہ کا نظریہ اس طرح کے اختلافات کو کم سے کم کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ اجتماعی زندگی کا رہبر کے فتوے کے مطابق ہونا مراجع کی حرمت کی پاسداری اور زندگی کے مختلف مراحل میں فتوے کی آزادی کے ساتھ دینی معاشرے کے مسیر کی تعیین کرکے اس کی ہر مشکل کو دور کرسکتا ہے ۔ اس نظریے کے مطابق اجتماعی زندگی کا محور و مدار رہبر کے فتوے کو ہونا چاہئے۔

بصورت دیگر اجتماعی نظام نظریاتی اور دینی اختلال سے دو چار ہوجائے گا۔ اس لئے کہ متعدد مراجع اور فتوؤں میں گوناگوں اختلافات کی وجہ سے اجتماعی نظام خراب ہوجائے گا۔ ہر شخص سچ یا جھوٹ پر مبنی دعویٰ کرسکتا ہے کہ چونکہ فلاں مرجع کی تقلید کرتا ہے لہٰذا فلاں حکم کو نہیں مانتا یا اس پر عمل کرنے کے سلسلہ میں ملتزم نہیں۔ اس قسم کے اجتماعی اختلافات آخر کار اسلامی نظام اور حکومت ولایت فقیہ کی تضعیف کا باعث بنیں گے۔ لہٰذا ان مشکلات سے بچنے اور اسلامی نظام کی بنیاد مضبوط کرنے کا واحد راستہ مرجعیت و رہبری کا ایک ہونا ہے۔

د: مرجعیت اور رقوم شرعی

اسلامی نظام اور فقیہ کی ولایت مطلقہ کی حاکمیت کے استقرار کے بعد حوزۂ علمیہ کے مجامع علمی میں فقہائے والا مقام کے درمیان جس بحث نے جنم لیا وہ رقوم شرعی وصول کرکے اسلامی معاشرے میں ان کے مصارف کا مسئلہ تھا۔

شرعی رقوم در اصل اسلامی حکومت کا وہی مالی سرمایہ ہے جس کو بیت المال سے تعبیر کیا جاتا ہے انفال، صدقات، خمس وزکات، کفارات ، نذرات اور تبرعات وانفاقات اس میں شامل ہیں لیکن اس دور میں زیادہ تر خمس وزکات اور موقوفات کو ہی رقوم شرعی کہا جاتا ہے۔

موقوفات کے لئے اکثر وبیشتر متولی ہوتے ہیں اور ان کے مصارف کو بھی وقف نامہ میں بیان کردیا جاتا ہے۔ زکات مومنین کے ہاتھوں معین مقامات پر خرچ ہوتی ہے اور خمس کو بھی مومنین اپنے اموال سے الگ کرتے ہیں اور شریعت کی طرف سے معینہ موارد میں خرچ کرنے کے لئے مراجع یا ان کے وکیلوں کے حوالے کردیتے ہیں۔

خمس اسلامی نظام کا بجٹ ہے جس کو حاکم اور امام مسلمین کے اختیار میں ہونا چاہئے۔ زمانۂ غیبت سے پہلے شیعہ حضرات اس بجٹ کو امام معصوم اور ان کے نائبوں کے حوالے کرتے تھے۔ غیبت کے زمانۂ میں فقہاء کے نظریات میں اختلاف ہوگیا اور اس کو وصول کرنے کے جواز کے بارے میں شیعہ علماء کی طرف سے مختلف نظریے پیش کئے گئے۔

لیکن ولایت فقیہ کے ثبوت اور حکومت اسلامی کی تشکیل کے ضروری ہونے پر موجود دلائل کی روشنی میں وجوہ شرعیہ خاص کر خمس اسلامی نظام کا بجٹ ہے اور غیبت کے دور میں میں اس کو حاکم اور ولی امر مسلمین کے اختیار میں ہونا چاہئے اور اس کی وصولی اور اس کے مصرف میں تصرف کو اس کی رائے سے وابستہ ہونا چاہئے۔ اور امت اسلامی کی ذمہ داری ہے کہ اپنی شرعی رقوم کو ''ولی امر'' کی تحویل میں دیں۔ چنانچہ ولی امر کی اجازت کے بغیر بذات خود اس میں تصرف کرکے اسے خرچ نہیں کرسکتے۔

حوالے:

☆ ماخوذ از کتاب ''مرجعیت فقہا وعلماء کی نظر میں، ص۱۵ تا ۳۳، ناشر تبلیغات اسلامی حوزۂ علمیہ قم۔

۱۔ صحفیۂ نور جلد/۲۱ ص ۴۷

۲۔ مستمسک العروۃ الوثقیٰ ج/۱ ص ۴۰ تحریر الوسیلہ ج/۱ ص ۷

۳۔ صحیفہ نور ج/۲۱ ص۹۸

۴۔ صحیفۂ نور ج/۲۱ ص۹۸

۵۔ صحیفۂ نور ج/۲۱ ص۴۶

۶۔ وسائل الشیعہ ج/۱۸ ''ابواب صفات قاضی'' باب/۱۰ حدیث/۲

۷۔ وسائل الشیعہ ج/۱۸ ابواب قاضی'' باب/ ۱۰ حدیث/ ۲

۸۔صحیفہ نور ج/۲۱ ص۹۸
۹۔صحیفہ نور ج/۲۱ ص۹۸
۱۰۔صحیفہ نور ج/۲۱ ص۴۶
۱۱۔صحیفہ نور ج/۲۱ ص۶۱
۱۲۔صحیفہ نور ج/۲۱ ص۹۸
۱۳۔صحیفہ نور ج/۱۹ ص۱۸۱

☆

ولی فقیہ امام خمینیؒ اور اسلامی انقلاب کے اثرات

ڈاکٹر مظفر سلطان ترآبی اعظمی
لکچرر گورنمنٹ رضا انٹر کالج، رامپور

تاریخ نہضت وعزیمت اور تحریک انقلاب واستقلال گواہ ہے کہ جو انقلاب جذباتی اور عصبانی نعروں اور تحریکوں کے ذریعے لائے گئے ان کے اثرات بھی وقتی، عارضی اور محدود ثابت ہوئے۔ لیکن جو انقلاب ذہنی وفکری اور سماجی وسیاسی اور روحانی نہضت وبیداری کے نتیجے میں رونما ہوئے وہ دیرپا، دور رس اور وسیع وعالمگیر اثرات ونتائج کے حامل رہے۔ کیونکہ انہوں نے سماج کے عوام وخواص کے ہر طبقے کو متاثر کیا اور نہ صرف اپنے ملک وملت بلکہ پوری دنیا میں تمام اقوام عالم اور انسانی برادری کے دل ودماغ اور قلب و ذہن پر بہت گہرے نقوش ثبت کئے۔ اور ملکی ومقامی حدود اور سرحدوں سے نکل کر عالمی اور بین الاقوامی سطح پر عوامی رائے عامہ کو ہموار اور ذہن وضمیر کو بیدار کرکے سماجی اور سیاسی بیداری کی تیز لہریں پیدا کردیں۔

تاریخ نہضت وعزیمت میں ایسے، دیرپا، دور رس اور عالمگیر انقلابات کی فہرست میں سب سے نمایاں طور پر ساتویں صدی عیسوی میں باطل کے خلاف پیغمبر اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسلامی وانسانی، روحانی وعرفانی، ذہنی وفکری اور سماجی ومعاشرتی انقلاب نظر آتا ہے جو صرف تئیس سالہ قلیل مدت کی وسیع اخلاقی وروحانی تحریک کے ذریعے صبر وتحمل اور عزم واستقلال کے ساتھ لایا گیا تھا۔ اور جس کے وسیع اور عالمگیر اثرات اور دور رس نتائج آج بھی پوری دنیا اور خاص طور پر سے اخلاقی ومذہبی اور تہذیبی زوال وانحطاط سے دوچار اور انسانی اقدار وروایات کے اضمحلال میں گرفتار مغربی ملکوں اور یوروپی قوموں کے لئے امید کی کرن ثابت ہورہے ہیں۔ جس کے زیر اثر آج قرآن کریم کے اعلان کے مطابق مغربی قوموں کے لوگ گروہ در گروہ، جوق در جوق اور فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہورہے ہیں۔

دوسرا سب سے زیادہ دیرپا، دور رس، زود اثر اور وسیع وعالمگیر انقلاب ۶۱ھ میں یزیدی طاغوت کے فسق وفجور، ظلم وستم، جبر وتشدد، کبر ونخوت اور استکبار و استبداد کے خلاف میدان کربلا اور

دشت نینوا میں نواسۂ رسولؐ ،محسن انسانیت ، محافظ شریعت شہید اعظم حضرت امام حسین علیہ السلام کا برپا کیا گیا حسینی انقلاب ہے جو تاریخ انقلاب و استقلال اور دنیائے نہضت وعزیمت وحریت میں خون کی دھار سے صحرائے کربلا کے سینے پر ،گلوئے بریدہ کے خونین قلم سے اوراق تاریخ پر زرّین، الفاظ اور سنہرے حروف میں صفحۂ کائنات پر ،شفق کی سرخی سے پیشانیٔ فلک پر اور نور عقیدت ومحبت سے قلب انسانیت وبشریت اور ذہن اقوام عالم واولاد آدم پر لکھا گیا ہے۔ جس کے دور رس اور دیرپا اثرات اور وسیع وعالمگیر نتائج آج بھی ہر سال ماہ محرم اور ایاّم عزا میں پوری دنیا میں ہر مذہب وملّت اور قوم قبیلہ یہاں تک کہ دور دراز علاقوں اور دور افتادہ خطوں کے صحراؤں اور پہاڑوں میں رہنے بسنے والی قبائلی قوموں میں بھی مراسم وعزاداری وتعزیہ داری کی شکل میں دیکھے جاسکتے ہیں جو ایک مظلوم غریب الوطن مسافر کے ذریعے صبر و ثبات ،عزم واستقامت اور نہضت وعزیمت کے ساتھ عظمت انسانیت اورعزت وناموس بشریت کے تحفظ کے لئے پیش کی گئی عظیم الشان قربانی کی یاد اور یادگار کے طور پر منائے جاتے ہیں۔

تیسرا نہایت دیرپا، دور رس اور وسیع وعالمگیر اثرات ونتائج کا حامل بیسویں صدی کے نصف آخر اور آٹھویں دہائی میں ایران میں وہاں کے روحانی پیشوا، رہبر عالی قدر ، قائد انقلاب ، بانئ جمہوری اسلامی ایران ولیٔ فقیہ حضرت آیت اللہ خمینیؒ کے ذریعے امریکہ واسرائیل کے صہیونی استکبار اور سامراجی استعمار کے آلہ کار وپہریدار شاہ ایران محمد رضا شاہ پہلوی کے زیر اقتدار پہلوی حکومت کے ڈھائی ہزار سالہ جابرانہ وجنایت کارانہ شاہی دور اقتدار کے خلاف برپا کیا گیا اسلامی انقلاب ہے۔ یہ اتنا عظیم انقلاب تھا جس کے وسیع، دور رس اور گہرے اثرات ونتائج پوری دنیا کی عالمی اور بین الاقوامی سیاست پر آج بھی برابر مرتب ہورہے ہیں۔ اس انقلاب کے شروع میں دنیا یہ سمجھ رہی تھی کہ ایران کا یہ اسلامی انقلاب صرف وہاں کی ڈھائی ہزار سالہ پہلوی حکومت کے شاہی اورشہنشاہی نظام اورشخصی اقتدار کے خلاف اورشاہ ایران محمد رضا شاہ پہلوی کے جبرواکراہ اورظلم واستکبار نیز مذہب بیزار طریقۂ کار ردّعمل کے طور پر رونما ہونے والا ایک معمولی سا ملکی اور مقامی سطح کا محدود ومذہبی اور سماجی واصلاحی انقلاب ہے جو وہاں کے اصلاح طلب عوام کے غم وغصہ اورغیض وغضب کے اظہار کی شکل میں پھوٹ پڑا ہے۔ مگر اس حقیقت کو سمجھنے میں عالمی برادری کو زیادہ دیر نہیں لگی کہ یہ ایک ایسا سیاسی وسماجی اورفوجی ونظامی انقلاب ہے جس نے پوری دنیا کی بین الاقوامی سیاست کو بڑی شدت

وجدّت کے ساتھ متاثر کیا ہے۔ جیسا کہ مولانا رئیس احمد جارچوی اپنے موقر ماہنامہ ''ناصر'' کے ''مجدد ملت نمبر'' کے اداریہ میں اظہار خیال کرتے ہیں کہ

''ایران کلا اسلامی انقلاب دنیا کی سیاست پر اسقدر اثر انداز ہوا کہ عالمی سطح پر رگ سیاست پھڑک گئی اور کمزور طبقہ میں قوت احساس نے انگڑائیاں لینی شروع کردیں اور دیکھتے دیکھتے شعوری یا لاشعوری طور پر پوری دنیااس کی لپیٹ میں آگئی اس سے پہلے بھی دنیا میں انقلابات آئے ہیں، اس کے مثبت یامنفی اثرات اس ملک وقوم تک محدود رہے زیادہ سے زیادہ قرب وجوار میں وقتی طور پر ان کا اثر رہا لیکن ایرانی انقلاب کے اثرات مثبت انداز میں پوری دنیا پر مرتب ہوئے۔ جس کی بنا پر دنیا پہ حکومت کرنے والی طاقتوں کا سیاسی جغرافیہ بھی بدلا اور اخلاقیات میں بھی نمایاں تبدیلی ہوئی۔ عوام میں سیاسی بیداری اور طاقت کا احساس انقلاب اسلامی کی دین ہے۔[۱]

رہبر عالی قدر، قائد انقلاب اسلامی حضرت آیت اللہ خمینیؒ کے زیر قیادت اس روحانی وعرفانی، دینی وآئینی ،سیاسی وسماجی اورفکری واخلاقی انقلاب نے عالمی پیمانے پر دنیا کی بے ضمیر و بے مروت جابر وقاہر طاغوتی طاقتوں کے مقابلے میں انسانی ذہن وضمیر میں وطن دوستی اور ملت پرستی کا ایسا جوش وجذبہ پیدا کردیا جس نے ہرقوم وملّت کے افراد میں اپنے حقوق وفرائض کی ساخت وشناخت کے شعور و ادراک کو بیدار کرکے خود ساختہ اور نام نہاد بڑی طاقتوں اور سپر پاور کے اظہار برتری کے لئے ان کے جابرانہ ومستکبرانہ استیصالی واستحصالی مقاصد و اہداف اور مفادات کے پنجوں اورشکنجوں میں جکڑی ہوئی پست اور پامال وبدحال قوموں اور مستضعف ملتوں میں احساس محرومیت کے بجائے شعور حریت کو از سرنو زندہ کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ چنانچہ مفکر معاصر مولانا محمد جابر جوراسی اپنے مضمون میں لکھتے ہیں کہ

''چودھویں صدی کے آغاز سے قبل ایک اسّی سالہ عمر میں ضعیف مگر عزم میں قوی عالم دین کی سالہا سال کی کاوشیں رنگ لائیں اور ایران میں اسلامی انقلاب کی حریت آمیز کامیابی نے پوری دنیا کی توجہ اپنی طرف مبذول کرلی۔ یہ انقلاب صرف سرحدوں میں محدود انقلاب نہ تھا بلکہ فکری انقلاب تھا

جو ولولہ انگیز قیادت کے سبب کامیاب ہوا تھا۔ اور اس انقلاب نے آناً فاناً پوری دنیا کو اپنے زیر اثر لے لیا۔ مسلمانوں میں خود اعتمادی پیدا ہوئی۔ دنیا کی دیگر قوموں کے دبے کچلے عوام احساس کمتری کے چنگل سے آزاد ہوئے اور مطلع عالم پر ایک نئی صبح کی پو پھٹنے لگی۔ اپنے حقوق کی پامالی کی حیثیت سے چونکہ مسلمان دنیا کے سب سے زیادہ مظلوم قوم ہیں لہٰذا ان کی ایک بڑی تعداد بے سروسامانی کے باوجود اس طرح آقائے خمینیؒ کی آواز بن گئی کہ دنیا کی نام نہاد بڑی طاقتیں بدحواس نظر آنے لگیں۔۲ ''

رہبر عالی قدر، قائد انقلاب اسلامی حضرت آیت اللہ خمینیؒ کی مجاہدانہ وسرفروشانہ اور فداکارانہ قیادت میں برپا کیا گیا انقلاب کسی خاص خطّہ وعلاقہ تک محدود یا کسی مخصوص قوم وملّت سے مربوط ومنسوب نہیں ہے بلکہ ایران وملت ایران کے غدّار، اسرائیل وامریکہ کے نمک خوار اور طاغوتی طاقتوں اور سامراجی قوتوں کے مذموم مقاصد ومفادات کے پاسدار شاہ ایران محمد رضا شاہ پہلوی کے حوالے سے ساری دنیا کی ظالم فسطائی جماعتوں اور غاصب صہیونی تنظیموں کے خلاف ایک ایسا عالمی پیام اور بین الاقوامی پیغام ہے جس نے مظلوم ومستضعف قوموں اور ملّتوں کو دنیا کے ہر ظالم وجابر حکمراں کے خلاف قیام واستقلال اور نہضت وعزیمت واستقامت کا حوصلہ عطا کیا ہے۔ اس لئے اس کا اثر پوری دنیا میں ہر ملک وملت اور قوم وجماعت کی آنے والی نسلوں میں بھی آئندہ ہمیشہ باقی وبرقرار رہے گا۔ ایران میں انقلاب اسلامی کی باوقار اور شاندار کامیابی کے بعد بھی قائد انقلاب کے انقلاب آفریں اعلانات وپیغامات موقع بہ موقع اور وقتاً فوقتاً خاص طور سے امت مسلمہ اور ملّت اسلامیہ کے نام برابر جاری رہے اور ان کے حوالے سے آپ بین الاقوامی برادری کو بھی ہوشیار وخبردار اور بیدار کرتے رہے۔ چنانچہ حجاج بیت اللہ الحرام کے نام اپنے پیغام میں فرماتے ہیں کہ

''دوسرے تمام مسائل میں سے جو دنیا کے مستضعف اور مسلمان افراد کے لئے ظالم استحصالی نظام اور دنیا کے امپیریلیسٹوں کے خلاف انقلاب برپا کرنے کے لئے ضروری یہ ہے کہ عام طور پر یہ ظالم طاقتیں رعب یا دھمکی یا اپنے پروپگنڈوں یا اپنے علاقائی غدّاروں کے ذریعے اپنے ناپاک مقاصد دوسرے ملکوں میں نافذ کرتے ہیں۔ لیکن اگر یہ کمزور قومیں ہوشیاری اور

اتحاد کے ساتھ مقابلے پر ڈٹ جائیں تو وہ ہرگز اپنے مقاصد کو ان ملکوں میں نافذ اور جاری نہ کرسکیں گے ۔اس دعوے کی بہت زیادہ دلیلیں موجود ہیں اور ان میں سے بہترین دلیل اس علاقے کے ملکوں یعنی ایران اور افغانستان میں مداخلت ہے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ایران دست بستہ امریکہ کا غلام تھا اور اسی طرح ایران امریکہ کی فوجی چھاؤنی بن چکا تھا۔ اس کی فوج بھی امریکی مشاورین کے ہاتھ میں تھی اور ثقافت بھی شاہ کے نوکروں، چاکروں، وظیفہ خواروں پر مشتمل حکومت اور پارلیمنٹ کے ہاتھ میں تھی، ملکی اقتصاد بھی امریکہ سے وابستہ تھا اور معزول ومعدوم شاہ اس علاقے میں امریکہ کا سب سے بڑا تھانیدار بن چکا تھا۔ اس کے حامی اور پشت پناہ امریکہ اور اس سے وابستہ دوسرے ممالک تھے۔ شاہ فوجی سازو سامان کے لحاظ سے بھی بہت طاقتور تھا۔
ان تمام چیزوں کے باوجود ایران کی عظیم الشان قوم نے جس کے پاس نہ تو فوجی سازوسامان تھا اور نہ اس کی کسی قسم کی فوجی ٹریننگ ہی حاصل تھی، اپنے خالی ہاتھ مضبوط ایمان پختہ ارادے ، خداوند تعالیٰ پر بھروسے اور اپنی ذات پر اعتماد کے ساتھ ، جس کی تعلیم اس نے اسلام سے حاصل کی تھی، بہت کم مدت میں معجزانہ طور پر مغرب زدہ افراد کے ان خیال اور خودساختہ بتوں کو چکنا چور کردیا ور دوہزار پانچ سو سالہ ظلم وستم کو نابود کردیا۔ اس طرح تاریخ سازبت تراش طاقتوں کو حرف غلط کی طرح مٹادیا۔ افغانستان پر روس کے بزدلانہ حملے اور اسکی طاقتور غاصب اور جارح فوج اور اسی طرح اس ملک کے غدار سیاسی جماعت کو مسلمانوں نے اپنے خداوند تعالیٰ کے بھروسے کے ساتھ تہس نہس کردیا''۔[۳۴]

اس سلسلے میں آپ نے دوسرے تمام مسلم ملکوں اور اسلامی ریاستوں کے ساتھ بھی اظہار یکجہتی وہماہنگی فرماتے ہوئے اور ایران کی غیور وباشعور قوم کے اس قائدانہ ومجاہدانہ قیام واقدام اور قوم پرستانہ وملت پسندانہ جذبۂ ایثار واستقلال سے درسِ تحریک وعمل لینے کے لئے دعوت عزم واستقامت دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''ہم تمام اسلامی ممالک کو اپنا سمجھتے ہیں ، تمام اسلامی ممالک اپنی جگہ رہیں ہم چاہتے ہیں کہ جو کچھ ایران میں رونما ہوا اور انہوں نے خود کو بڑی طاقتوں سے الگ کرلیا اور اپنے معدنی ذخیروں کو ان کے ہاتھوں سے محفوظ کرلیا یہ تمام قوموں اور تمام ملکوں میں ہوجائے یہی ہماری آرزو ہے۔'' ۴

رہبر عالی قدر ، قائد انقلاب اسلامی کے اس فرمان کی روشنی میں ہم بآسانی فیصلہ کرسکتے ہیں کہ ایران کا یہ اسلامی انقلاب کسی مغربی بلاک یا مشرقی لابی سے وابستہ کسی ''ازم'' سے متاثر ومتعلق انقلاب نہیں ہے بلکہ پورے انسانی سماج کی سربلندی و سرفرازی اور بشری معاشرے کی عزت ووقار کی آبرو مندانہ حفاظت کے لئے نعرۂ اللہ اکبر کی طاغوت شکن اور باطل شگاف صداؤں کے ساتھ عظمت انسانیت کے پاسبان اور ناموس بشریت کے نگہبان پسماندہ اور درماندہ افراد کے محرک ومحافظ ایک بوریہ نشین مخلص ومہربان ولیٔ فقیہ اورمرجع تقلید کی روحانی طاقت اورعرفانی قوت کے ذریعے لایا گیا انقلاب ہے جس کا اثر قومی حدوں اور ملکی سرحدوں سے گذرکر انسانیت کی روح کی گہرائیوں اور بشریت کے ضمیر کی وسعتوں تک نفوذ اور سرایت کرگیا ہے۔ جیسا کہ نجم الواعظین مولانا ابن علی واعظ کا دعویٰ ہے کہ

'' حضرت امام خمینی رضوان اللہ تعالی علیہ کا زمان ومکان کی حدود میں نہ سمانیوالا ابدی پیغام یہی تھا کہ کسی بڑی طاقت سے خوف نہ کروچاہے وہ طاقت شرقی ہویا غربی ،کیونکہ بڑی طاقت بس خدا کی ہے۔ اللہ اکبر کا نعرہ جو باربار مسلمان کی زبان پرروزانہ آتا ہے یہی بتاتا ہے۔'' ۵

اس سلسلے میں خود امام انقلاب نے بھی تذکر کے ساتھ نصیحت ووصیت کرتے ہوئے کمزور اور مظلوم قوموں کی حوصلہ مندی کے لئے اس طرح ہمت افزائی فرمائی ہے۔

''جس مسئلہ کی میں تاکیداً آپ سے یاددہانی کرنا چاہتاہوں وہ یہ ہے کہ آپ اس بات کو اپنے دماغ سے نکال دیں کہ بڑی طاقتوں سے مقابلہ نہیں کیا جاسکتا ، اگرآپ چاہیں تو ایسا کرسکتے ہیں کیونکہ آپ کا ناصر ومددگار خدا ہے۔ ۶

قائد انقلاب اسلامی اور رہبر استقلال وآزادی کی جرأت آمیز وحوصلہ انگیز پرجوش صدائے انقلاب کے لب ولہجے کی جھنکار اور انقلابی نعروں کی للکار نے جہاں ظلم کے ایوانوں میں زلزلے

پیدا کر کے عالمی استکبار کی آنکھوں کی نیند اڑا کر ان کے عیش وآرام کو حرام کردیا وہیں استعماری طاقتوں کے توسیع پسندانہ عزائم کو خاک میں ملا کر ان کے جارحانہ وغاصبانہ منصوبوں کو بھی ناکام کردیا اور مظلوم قوموں کو خوف وہراس اور دہشت ووحشت میں مبتلا کردینے والی نام نہاد خود ساختہ بڑی طاقتوں کو چلینج کرتے ہوئے بہت ہی بے باک اندازو واشگاف الفاظ میں اعلان کر کے انہیں دہشت زدہ وحواس باختہ کردیا کہ

''میں بڑی وضاحت کے ساتھ دنیا والوں کے سامنے یہ اعلان کئے دیتا ہوں کہ اگر انسانیت کا خون کرنے والی طاقتیں ہمارے دین کی مخالفت پر آمادہ ہوں گی تو ہم ان طاقتوں کا منہ توڑ جواب دینے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے اور ان کو پوری طرح نیست ونابود کردیں گے۔ ۷''

ایران کے اسلامی انقلاب کے قائد نقیب حریت آیت اللہ خمینیؒ کی جرأت آمیز قیادت کے نتیجے میں رونما ہونے والے اس منفرد انقلاب کے حوصلہ وولولہ انگیز آفاقی اثرات اس بات کی بیّن دلیل ہیں کہ یہ انقلاب کسی اقتدار پسند ومفاد پرست، خودغرض ومصلحت کوش ابن الوقت ''لیڈر'' کی موقع پرست اور مصلحت پسند سیاست کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ الٰہی ملکیت اور خدائی حکمت وحاکمیت کی نیابت ونمائندگی کے لئے منتخب'' صائناً لنفسه ، محافظاً لدينه ، خالفاًلهواه مطيعاً لامره مولاه '' یعنی اپنے نفس کو برائیوں سے محفوظ رکھنے والا، اپنے دین کی حفاظت کرنے والا، اپنی خواہش نفس اور ہواوہوس کی مخالفت کرنے والا ، اپنے مالک ومولا اللہ تعالیٰ کی طاعت واطاعت کرنیوالا) جیسے ملکوتی صفات وکمالات، اوصاف وخصائل اور سیرت وکردار کے حامل نائب نبی و امام ولی فقیہ کی بے لوث وبے غرض پاکیزہ قیادت اور سالک فی سبیل اللہ عارف کی صالح رہبری ورہنمائی کا ثمرہ ہے۔ اور دین اسلام کے الٰہی آئین کے بنیادی اصول'' الطّاعة للخالق والشّفقة علی المخلوق '' یعنی خالق کی طاعت وعبادت اور مخلوق پر شفقت ومحبت کے خالق پرست ومخلوق پرور نظام وانتظام کے قیام استحکام کے لئے برپا کیا گیا ہے، چنانچہ مولانا رئیس احمد جارچوی لکھتے ہیں کہ

''آیت اللہ خمینیؒ کا کارنامہ یہی ہے کہ انہوں نے صرف نظام حکومت کو ہی منقلب نہیں کیا بلکہ ایرانی عوام کی روح تک اس انقلاب کو پہونچادیا۔ اس لئے کہ یہ انقلاب تنہا ایک سیاسی مدبر کے ذریعے ظہور پذیر نہیں

ہوا بلکہ ایک ایسے فقیر کے ذریعے رونما ہوا جس نے بہت قریب سے رسولؐ اور آل رسولؐ کی سیرت کا مطالعہ کیا اور مصطفوی تدبر کو اپنی ذات میں پیوست کرلیا تھا۔ ان کے پیش نظر دین کی باریکیاں بھی تھیں اور اسلام سے نزدیکیاں بھی۔ اسلام کے اعلیٰ اصولوں کے تحت انقلاب برپا ہوا تو بالکل فطری انقلاب تھا اس لئے بشری فطرت کے ساتھ چلا بھی اور باقی بھی رہا۔ آج پوری دنیا میں اسلام اگر کہیں اپنے قوانین اور اصولوں کے ساتھ باقی ہے تو وہ ایران ہے۔ ۸؎''

ایران کے اس انسانیت نواز اسلامی انقلاب کے خوش آئند اثرات کے نتیجے میں دنیا آج حال کے آئینے میں عالمی برادری اور اسلامی امت کے حال و مستقبل کے اس منظر وپس منظر کو دیکھ رہی ہے کہ ایک طرف تو ایران تمام اسلام دشمن اور انسانیت بیزار خونخوار مغربی طاقتوں اور طاغوتی قوتوں کے مقابلے میں ایک آزاد وخودمختاراورخودار وباوقار ملک کی حیثیت سے اپنی خودداری وخود اعتمادی کے ساتھ پوری آن بان شان سے سینہ تان کر کھڑا ہے اور ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان سے انہیں کی زبان میں بات کررہاہے اور اس کی خود داری وخود اعتمادی اور آزادی وخود مختاری سے حوصلہ پاکر بڑی طاقتوں کے جبروقہر اور اجبار واستکبار کی شکار دوسری قومیں اورملّتیں بھی خود داری وخود اعتمادی کے ساتھ ان سے آنکھیں ملاکر بات کرنے کی ہمت وجرأت کرنے لگی ہیں اور مختلف ملکوں میں وہاں کے اہل اقتدار کے غلام نماعوام میں شخصی وخاندانی اور شاہی شاہنشاہی حکومت سے نجات حاصل کرنے کا جذبہ بیدار ہو چکا ہے اور آزادی خواہی واستقلال طلبی کی تحریکیں شروع بھی ہورہی ہیں اور کامیاب بھی ہورہی ہیں۔دوسری طرف استکبار پرست اور استعمار پسند مغربی ملکوں اور یوروپی ریاستوں کی طاغوتی طاقتوں کو بھی یہ احساس ہوگیا ہے کہ ان کی استکباری سازشوں اور استعماری منصوبوں کا زوال شروع ہوچکا ہے اور اب ان کا خاتمہ بہت قریب ہے۔ اس سلسلے میں محقق شہیر مولانا حسن عباس فطرتؔ رقم طراز ہیں کہ

'' آج جب اسلامی ایران تمام استکباری لوگوں کے سامنے بے خوف وبے اندیشہ ہوکر ڈٹاہوا ہے۔ امریکہ اور یورپ کے بنائے ہوئے شکنجوں سے بے نیاز ہے استعمار کو ترکی بہ ترکی جواب دیتاہے ۔ مادی وروحانی ترقی میں سب سے اعلیٰ درجہ پر فائز ہے مظلولوں کی حمایت پر کمر بستہ ہے۔ اسلامی ممالک میں اُبال آیا ہوا ہے ۔ امریکہ ویورپ کا دوغلاپن آشکار ہوچکا ہے ۔سوال یہ ہے کہ اس

جوش وخروش قوت وہمت کا راز کیا اسے کون نت نئے تیور وجلال بخشتا ہے جواب یہ ہے کہ یہ خمینیؒ بت شکن فرزند ابراہیم کی روح کا عکس ہے۔ انتظار وعاشور وثقلین کے فدائی کا سایۂ رحمت ہے۔ اور پھر ساری برکت امام مرحوم کی اسلام اور آثار اسلام سے عشق صادق کا نتیجہ ہے۔[۹]''

حوالے:

۱۔ اداریہ ماہنامہ'' ناصر'' دہلی، جلد ۸،شمارہ ۶،ص ۴

۲۔اداریہ ماہنامہ'' ناصر'' دہلی، جلد ۸،شمارہ ۶،ص ۲۵

۳۔ پیغام حج فصلنامہ'' راہ اسلام'' دہلی ،شمارہ ۲۱۴،ص ۱۸، ۱۹

۴۔سخندان امام، جلد ۱۵،ص ۳۱۷

۵۔ ماہنامہ'' ناصر'' دہلی ج،لد ۸ ،شمارہ ۶،ص۳۹

۶۔سخندان امام، جلد ۱۵،ص ۲۶۰

۷۔ پیغام حج، ۱۴۰۷ھ ہجری

۸۔اداریہ ماہنامہ'' ناصر'' دہلی، جلد ۸،شمارہ ۶،ص ۴

۹۔اداریہ ماہنامہ'' ناصر'' دہلی، جلد ۸،شمارہ ۶،ص ۱۴

☆

ولایت فقیہ: ضرورت اہمیت اور اختیار کے آئینے میں

مولانا ناظم علی خیر آبادی

انسانی معاشرہ کی تشکیل، تاسیس اور تعمیر میں حکومت کے اہم رول سے انکار ممکن نہیں ہے معاشرہ کی تنظیم وتنسیق، تدوین وتدبیر، تامین وتسکین بغیر کسی حکومت کے معرض وجود میں نہیں لائی جاسکتی ہے، جملہ انسانی معاشرہ کو اس امر کی ضرورت ہے کہ حکومت اسے خوش بختی اور سعادتمندی کی راہ سے آشنا بھی کرے اور نشاندہی کرنے کے ساتھ اس پر عمل کرنے کے طریقوں کی بھی مکمل توضیح کرے نیز اسوۂ حسنہ اور نمونہ عمل کے ذریعہ نفاذ کو عملی صورت دے، چونکہ پوری کائنات کا حاکم علی الاطلاق خداوند عالم ہے اور مکمل سعادتمندی کی راہ دین اسلام کو قرار دیا ہے لہٰذا اسلامی حکومت ہی اس کی ذمہ دار ہوسکتی ہے۔ اسی نے اس حکومت کا فریضہ اپنے پیغمبروں کے حوالہ کیا ہے اور پیغمبرؐ اسلام کے ظاہری وجود کے نہ ہونے کی صورت میں اولوالامر کو یہ ذمہ داری سونپی ہے جس کا اعلان قرآن کریم میں اس انداز سے فرمایا ہے" اطیعوا اللّٰہ واطیعوالرّسول واولی الامر منکم اللہ کی اطاعت کرو رسولؐ کی اطاعت کرو اور اولو الامر یعنی ائمہؑ طاہرین کی اطاعت کرو (قرآن کریم) جو آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفیؐ کے حقیقی جانشین اور محافظین دیانت ہیں پھر یہ اعلان بھی کیا" ومن یتّبع غیرالاسلام دینا فلن یّقبل منہُ وھو فی الآخرۃ من الخاسرین "[۱] جو اسلام کے علاوہ کسی دین کو پسند کرے گا تو اسے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں گھاٹا اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔ مزید یہ بھی اعلان ہوا" افغیردین اللّٰہ یبغون ولہ اسلم من فی السّمٰوات والارض" کیا وہ لوگ دین خدا کے علاوہ کسی دوسرے دین کو پسند کرتے ہیں جبکہ زمین وآسمان والے اسی کے سامنے سرتسلیم خم کئے ہوئے ہیں۔ نیز حدیث منفق بین الفریقین میں رسولؐ اکرم نے بیان فرمایا"انّی تارک فیکم الثّقلین کتاب اللّٰہ وعترتی اھل بیتی ماان تمسّکتم بھمالن تضلّوا بعدی وانّھما لن یفترقاحتّی یرداعلیّ الحوض،[۲] میں تمہارے درمیان دوگرانقدر چیزیں چھوڑ رہاہوں کتاب الٰہی اور اپنی عترت جو میرے اہل بیتؑ ہیں جب تک تم لوگ ان دونوں سے متمسک رہوگے میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے اور یہ دونوں کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہونچ جائیں' اس حدیث میں دستور کی کتاب اور اس پر چلانے والے عملی نمونوں نے اہلبیتؑ

طاہرین اور قرآن کو بیان کر کے قانون الٰہی کی جامع کتاب اور حاکموں کا بھی پتہ دیا ہے۔ اس کی مزید وضاحت امام علی رضاؑ نے اس طرح فرمائی ہے۔

ہم کسی ایسے گروہ یا امت کا سراغ نہیں پاتے ہیں جس نے بغیر کسی حاکم اور سرپرست کے زندگی بسر کی ہو کیونکہ لوگوں کے دینی اور دنیوی امور کے نظم وضبط کے لئے ایک عاقل ومدبّر حاکم کی ضرورت ہوتی ہے لہٰذا یہ حکمت الٰہی کے شایان شان نہیں ہے کہ اپنی مخلوق کو بغیر کسی حاکم اور قائد کے چھوڑ دے، جبکہ کائنات کا خالق بخوبی جانتا ہے کہ لوگوں کو بہر حال ایک حاکم کی ضرورت ہوتی ہے جو معاشرہ کو استحکام، نظم، انتظام اور دوام عطا کرے، دشمنوں کے ساتھ جنگ اور پیکار کے وقت لوگوں کی قیادت اور رہبری کرے عمومی مال ودولت کو لوگوں کے درمیان عادلانہ طور پر تقسیم کرے ان کے لئے نماز جمعہ وجماعات قائم کرے اور ظالموں کو مظلوموں پر ظلم کرنے سے روکے[۳] مذکورہ کتاب میں ایک دوسری حدیث بھی امام رضاؑ کی ملتی ہے آپ نے فرمایا۔

اگر خداوند عالم لوگوں کیلئے ایک امین، محافظ اور اطمینان بخش حاکم مقرر نہ فرماتا تو یقیناً دین الٰہی نابود ہوجاتا، احکام اور سنتیں بدل جاتیں، دین میں بدعتوں کا رواج زیادہ ہوجاتا۔ بے دین افراد دین الٰہی کو نقصان پہونچانے اور مسلمانوں کے درمیان اسلام کے تعلق سے بہت سے شبہات ایجاد کرتے[۴]

حاکم بہر حال رعایا سے افضل وبرتر ہوتا ہے خداوند عالم کی مطلق حاکمیت کے بعد رسولؐ اسلام کی حاکمیت کا ثبوت آیہ قرآنی انّما ولیّکم اللّٰہ ورسولہ والّذین آمنو الّذین یقیمون الصّلوٰۃ ویؤتون الزّکوٰۃ وھم راکعون۔[۵]

اور آیہ النّبی اولی بالمؤمنین من انفسھم۔[۶] سے ثابت ہے جبکہ پہلی آیت میں حضرت علیؑ اور ان کی اولاد معصومین کی ولایت وحاکمیت کا ثبوت بھی موجود ہے۔

رسولؐ اکرم کے وصال کے بعد ائمہؑ کے ظاہری وجود کے دور میں ولایت وحاکمیت کے ذمہ دار وہ ہیں اور جب زمانۂ غیبت امامؑ شروع ہوا تو معاشرہ کی ضرورت کے باقی رہنے کی بناپر اسلامی معاشرہ کی باگ ڈور ایسے شخص کے ہاتھ میں ہوسکتی ہے جو الٰہی احکام کو موثق منابع اور مدارک سے استنباط کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، احادیث کے تعارض کے حل، دلائل کو جمع کرنے کے طریقے، اعتبار سند اوران جیسے دیگر ضروری امور سے باقاعدہ باخبر ہو ایسے شخص کو فقیہ کہا جاتا ہے اسی کو مجتہد مطلق کہا جاتا ہے یعنی ایک ایسا شخص ہونا ضروری ہے جو ہر مسئلہ کے حکم کو دینی منابع سے کما حقہ استنباط

کرسکتا ہو اور اس کی اجتہادی قوت ایک خاص دائرہ میں محدود نہ ہو۔ ے لہٰذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک اسلامی حکمراں کے بنیادی شرائط میں فقاہت ،عدالت اور اسلامی معاشرہ کے نظام کو چلانے کی بھرپور توانائی کا ہونا لازمی ہے جیسا کہ جمہوری اسلامی ایران کے قانون اساسی کی دفعہ نمبر ۱۰۹ میں ان تینوں شرطوں کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ ''اصول کافی'' میں امام محمد باقرؑ سے پیغمبرؐ اسلام کی ایک حدیث منقول ہے امامت وحکومت کا سزاوار وہ شخص ہے جس میں تین خصوصیتیں پائی جاتی ہوں۔

۱۔ پرہیزگاری اور تقویٰ جو اسے گناہوں سے محفوظ رکھے۔

۲۔ حلم وبردباری جس کی وجہ سے وہ اپنے غصہ پر قابو رکھ سکے۔

۳۔ خیر خواہانہ سرپرستی ان تمام افراد کے لئے جن کی زمام اس کے ہاتھ میں ہو،تاکہ وہ ان کے ساتھ ایک مہربان باپ جیسا برتاؤ کرسکے۔ ۸

تیسری شرط سے اس کی وضاحت بھی ہوجاتی ہے کہ رہبروحاکم کے لئے صحیح سیاسی واجتماعی بصیرت ، تدبیر شجاعت، مدیریت ، قیادت کے لئے کفایت بھر قدرت جیسی تعبیروں کے ذریعہ نظری اور عملی ضرورتوں کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ ۹

ولایت وحاکمیت فقیہ کے اس مختصر سے تذکرہ سے اس کی ضرورت اور اہمیت کا اندازہ تو بہرحال ہوجاتا ہے اب یہ امر باقی رہ جاتا ہے کہ فقیہ کی ولایت کا مختصر بیان تاریخی طور پر کرکے اس کے حدود کو بھی ذکر کردیا جائے۔ ولایت فقیہ کی تاریخ کو سمجھنے کے لئے بانئ انقلاب اسلامی امام خمینیؒ کا بیان جملہ بیانات سے بلند وبرتر حیثیت کا حامل ہے۔ امام خمینیؒ فرماتے ہیں۔

ولایت فقیہ کا موضوع جدید نہیں ہے جسے ہم لائے ہوں بلکہ یہ مسئلہ ابتداہی سے مورد بحث تھا۔ تمباکو کی حرمت کے بارے میں میرزا شیرازی کا حکم چونکہ حکومتی تھا لہٰذا دوسرے فقیہوں کے لئے بھی واجب الاتباع تھا۔۔۔۔ یہ کوئی قضا وتی حکم نہیں تھا کہ چند لوگوں کے درمیان کسی موضوع پر اختلاف ہوا ہو۔ مرحوم میرزا محمد تقی شیرازی نے جو جہاد کا حکم دیا حقیقت میں وہ دفاع تھا اور تمام علماء نے اس کی اطاعت کی اس لئے کہ وہ حکومتی حکم تھا۔ جیسا کہ نقل کیا گیا ہے مرحوم کاشف الغطاء نے بھی بہت سے ایسے مطالب بیان کئے ہیں۔ متاخرین سے مرحوم نراقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اختیارات کو فقہاء کے لئے ثابت مانتے ہیں۔ آقای نائینی بھی فرماتے ہیں'' یہ مطلب عمر بن حنظلہ کی منقولہ روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔''

بہر حال یہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے۔ ہم نے صرف اس موضوع پر زیادہ تحقیق کی ہے اور اس حکومت کے مختلف شعبوں کا ذکر کرکے حضرات کی خدمت میں پیش کیا ہے تاکہ مسئلہ کی مزید وضاحت ہوسکے ورنہ مطلب وہی ہے جس کو بہت سے فقہاء نے سمجھا ہے۔ ہم نے اصل موضوع پیش کیا ہے ضرورت ہے کہ آنے والی نسلیں اور موجودہ افراد اس کے محور پر بحث وتمحیص اور غور وفکر سے کام لیتے ہوئے اس کے حصول کا راستہ تلاش کریں۔ [10]

زمانۂ غیبت امامؑ میں ولایت فقیہ معصوم اماموں کی ولایت کے تسلسل اور دوام کا نام ہے جیسے کہ ائمہؑ طاہرین کی ولایت نبیؐ کریم کی ولایت کے امتداد کو قرار دیا گیا ہے کیونکہ حکومت وولایت کا اصلی فلسفہ الٰہی اقدار واحکام کو معاشرہ میں رائج کرنا ہے۔ اس کے حصول کے لئے لازمی ہے کہ ایک ایسا شخص موجود رہے جو اسلامی اصول سے پوری طرح موقف ہو۔ عالمی سطح کی سیاست اور حالات سے آگاہ ہو، دشمن طاقتوں سے دفاع کی توانائی ہو اور معاشرہ کے نظم ونسق کو چلانے کی مکمل صلاحیت اورطاقت رکھتاہو،اس کا اقرار واعتراف ولایت وحکومت فقیہ کے طور پر شیخ مفید، شیخ ابو الصالح حلبی، ابن ادریس حلی، محقق حلی، محقق کرکی، مقدس اردبیلی ، جوادی آملی ، ملااحمد نراقی، میر فتاح مراغی، شیخ محمد حسن نجفی، شیخ مرتضٰی انصاری آقای رضا ہمدانی سید محمد بحر العلوم، آیت اللہ بروجردی ، شیخ مرتضٰی حائری وغیرہ تمام علماء نے کیا ہے بلکہ صاحب جواہر الکلام شیخ محمد حسن نجفی نے تو یہاں تک تحریر کیا ہے کہ فقیہ کی ولایت عامہ کا مسئلہ اتنا واضح اور روشن ہے کہ کسی دلیل کا محتاج نہیں ہے۔ [11] اور شیخ مرتضٰی رہ نے لکھا ہے کہ جن امور کا شرعی ہونا مسلّم ہے ان میں ولایت فقیہ ثابت ہے۔ [12]

ولایت فقیہ کے حدود واختیارات:

فقیہ اسلامی معاشرہ کے تمام افراد مسلمان ،غیر مسلم، مجتہد ، عام لوگ اپنے مقلدین دوسرے مجتہدین کے مقلدین پر ولایت رکھتا ہے اگر وہ کسی حکم کو اس کے معیار کے مطابق جاری کرے تو تمام لوگوں پرفرض ہے حتی کہ فقہاء بلکہ خوداس پر بھی لازم ہے کہ اس کی رعایت کرتے ہوئے عمل کرے، پھر یہ کہ فقیہ معاشرے کے تمام شعبوں میں ولایت رکھتا ہے اور معیاروں قاعدوں کے مطابق حکم صادر کرتاہے تو سب پر اس کی اطاعت ضروری ہے۔ اگر فقیہ ایسے امور میں ولایت کے اختیارات استعمال کرنا چاہتا ہے جو شرعی طور پر مباح ہوں تو اس صورت میں مصلحت کے موجود ہونے کا لحاظ

کرے گا یعنی اگر اس میں معاشرہ کے عام لوگوں یا اسلامی نظام یا عام لوگوں کی ایک جماعت کا فائدہ ہوتو فقیہ اس منفعت کی بناپر امر یا نہی کرسکتا ہے لیکن اگر ایسے امور میں ولایت کو استعمال کرنا چاہتا ہے جس کے بارے میں شارع مقدس نے وجوب یا حرمت کا حکم دیا ہے اور فقیہ لازم کو غیر لازم اور غیر لازم کو لازم بنانا چاہتاہے تو یہ تزاحم کی صورت پیدا ہوگی تو اس صورت میں اہم اور غیر اہم کا لحاظ رکھے گا جو اہم ہوگا اسے اختیار کرے گا۔ یہ تزاحم انفرادی امور میں بھی ہوسکتا ہے اور اجتماعی امور میں بھی، انفرادی امور میں اہم اور مہم کی تشخیص کرنا خود افراد کا فریضہ ہے لیکن اجتماعی امور میں معاشرہ کے حاکم کا فریضہ ہوگا۔ تزاحم کی صورت میں جاری شدہ احکام اسی وقت تک باقی رہتے ہیں جب تک تزاحم کے حالات باقی ہوں اور مذکورہ حالات کے بدل جانے کے بعد مذکورہ حکم بھی خودبخود بدل جاتا ہے اور اس کے بعد اس کے شرعی حکم پر عمل کیا جائے گا۔ آیت اللہ مصباح یزدی نے تحریر فرمایا ہے کہ ولی فقیہ کو جو اختیارات حاصل ہیں وہ خداوند عالم اور امام زمانہؑ کی اجازت کی وجہ سے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے کہ ولی فقیہ کو یہ اختیارات ملک کے اساسی قانون نے عطا کیا ہو بلکہ ملک کے اساسی قانون کا اعتبار بھی ولی فقیہ کی اجازت سے ہوتا ہے [۱۳]

آپ یہ بھی تحریر کرتے ہیں کہ اگر اس معاشرہ میں اضطراری حالات پیش آجائیں اس وقت ولی فقیہ اپنی ولایت کے ذریعہ حکم جاری کرسکتا ہے اگرچہ ملک کے اساسی قانون میں ولی فقیہ کے لیے وہ اختیارات نہ لکھے ہوں البتہ خود قانون اساسی یعنی آئین میں بھی ولایت فقیہ کے مطلق ہونے کے بارے میں درج ہوا ہے۔ لہٰذا یہ ثابت کرنے کے لئے کہ ولی فقیہ کے اختیارات تمثیلی ہیں احصائی نہیں ہیں یہی کافی ہے کہ آئین میں جو لفظ مطلقہ آیا ہے اس لئے اگر مطلق اختیار کو قبول نہ کیا جائے تو لفظ مطلقہ کا استعمال لغو ہوجائے گا.... ملک کے آئین میں ولی فقیہ کے جو اختیارات لکھے ہوئے ہیں انہیں میں محدود نہیں ہیں بلکہ یہ جو لکھے ہوئے ہیں وہ عام حالات کے لئے ہیں لیکن اگر اضطراری حالات پیدا ہوجائیں تو ولی فقیہ کو کلی اختیار ہے کہ وہ مقتضای حال کے مطابق اقدام کرے [۱۴] امام خمینیؒ نے بھی اپنے طریقۂ کار اور عمل سے یہ ثابت کیا ہے کہ ولایت فقیہ کا دائرہ درج شدہ قوانین پر منحصر نہیں ہے ان کی تقاریر اور مکتوبات سے واضح ہوتا ہے کہ وہ تھیوری Theory کے لحاظ سے فقیہ کی مطلق ولایت کے قائل تھے یعنی فقیہ کو اختیار ہے کہ شریعت کے بتائے ہوئے قوانین واحکام کے مطابق معاشرہ کی مصلحتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر وہ امر جو حکومت چلانے کے لئے ضروری ہے اس کے سلسلہ میں حکم

صادر کرے۔ البتہ حدود ولایت فقیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے شیخ مفیدؒ نے تحریر فرمایا ہے۔ یہ تحریر ان کی کتاب ''المقنعہ'' کے باب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں موجود ہے۔

''لیس له القتل و الجراح الّاباذن سلطان الزّمان المنصوب لتدبیر الانام'' امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے سلسلہ میں شخص مکلّف قتل کرنے یا زخمی کرنے کا حق نہیں رکھتا مگر یہ کہ اس کام کے لئے اسے لوگوں کے مسائل کی تدبیر اور نظم کو برقرار رکھنے کے لئے منصوب شدہ سلطان اور وقت کا حاکم اجازت دے۔ اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ ''حدود الٰہی کو نافذ کرنے کا مسئلہ خدا کی جانب سے منصوب شدہ اسلامی حاکم سے مربوط ہے۔ یہ آل محمدؐ سے ائمہ ہدایت ہیں یا ان اماموں کی طرف سے مقرر و معین امیر یا حاکم ہیں اور ائمہؑ اطہار نے بصورت امکان اس سلسلہ میں اظہار نظر کا اختیار شیعہ فقہاء اور اپنے پیروؤں پر چھوڑا ہے'' ۱۵

کتابیات وحوالہ جات

۱۔سورۂ آل عمران، آیت ۸۵۔
۲۔حدیث ثقلین (متفق بین الفریقین)
۳۔علّامہ مجلسی، بحار الانوار، ج ۲، ص ۶۰
۴۔علّامہ مجلسی، بحار الانوار، ج ۲، ص ۶۰
۵۔سورۂ مائدہ / ۵۵
۶۔سورۂ احزاب / ۶
۷۔جوادی آملی، ولایت فقیہ، ص ۱۲۱، ۲۲۱
۸۔سید کاظم حائری، اساس الحکومتہ الاسلامیہ، ص ۲۴۷
۹۔کلینی، کافی، ج ۱، ص ۴۰۷۔ کتاب الحجۃ، باب مایحب من حق الامام مع الرعیہ، حدیث ۸
۱۰۔استاد مہدی ہادی، ولایت و دیانت، ص ۱۰۹
۱۱۔امام خمینیؒ، ولایت فقیہ، ص ۱۷۲، ۱۷۳
۱۲۔شیخ محمد حسن نجفی۔ جواہر الکلام، ج ۲۱، ص ۳۹۵، ۳۹۷
۱۳۔شیخ مرتضٰی انصاری، المکاسب، ص ۱۵۴

۱۴۔آیت اللہ مصباح یزدی، (اردو ترجمہ) ولایت فقیہ پر اجمالی نظر،ص ۱۴۶

۱۵۔آیت اللہ مصباح یزدی، (اُردو ترجمہ) ولایت فقیہ پر اجمالی نظر،ص ۱۴۷

۱۶۔شیخ مفید، المقنعہ، باب امر بالمعروف ونہی عن المنکر۔

☆

اجتہاد وتقلید

حجۃ الاسلام والمسلمین السید ھادی رضا تقوی

دور جاہلیت کا مشہور شاعر عنترہ بن شداد العبسی (المتوفی ۶۱۵ء) اپنے معلقہ کے مطلع میں کچھ اس طرح لکھتا ہے کہ'' ھل نحادر الشعراء من متردم۔جس کا مطلب ہے سابقہ دور کے شعراء سب کچھ کہہ گئے اور اب اس پر کسی اضافہ کا امکان نہیں رہ گیا۔ دور جاہلیت کی اس مقلدانہ فکر کی ہلکی سی جھلک کے مشاہدہ کے بعد سولہویں صدی کے نامور انگریزی ادیب shakespeare کے سلسلے میں Ran کے بعد بیسویں صدی کے مشہور انگریزی ادیب برناڈشا کا یہ بیان بھی قابل غور ہے ۔

" I am samller in stature than shakespeare but stand up on his shoulder ادب کی دنیا میں ان دونوں مثالوں میں موجود طرز فکر کے درمیان پہلی سوچ کو تقلیدی ذہنیت سے اور دوسری مثالی فکر کو مجتہد انہ بلند نظری سے موسوم کیا گیا۔مسلمان ذہنی جمود کی اس حد پر پہونچ گیا ہے کہ علم وتحقیق کا سارا کام علمائے سلف کرچکے ہیں ہمارا کام صرف اسی پر کار بند رہنا ہے یہاں پر بھی دوتصویریں ہیں۔

۱۔ بزرگان ومتقدمین سے میرا قد چھوٹا ہے مگر میں اسلام کے کندھے پر کھڑا ہوں ۔

۲۔میرا قد علمائے متقدمین سلف سے چھوٹا ہے اسی لئے میں ان کے قدموں میں پڑا ہوں۔

عربی زبان وقواعد کے اعتبار سے کلمہ ''اجتہاد'' باب افتعال سے ہے اور اس کا مصدر پیش کے ساتھ ''الجہد'' یعنی وسیع طاقت کے ہے۔ یا پھر زبر کے ساتھ ''الجہد'' جس کے معنی نہایت مشقت کے ہیں۔ بہرکیف اجتہاد نام ہے،کسی کام کی انجام دہی میں اپنی تمام تر قوت عمل کو صرف کردینے کا۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب انسان اپنی ساری توانائی خرچ کردے اور اس طرح سے اجتہاد مذکورہ دونوں معانی پر مشتمل ہوگا۔[۱] اصطلاح میں اجتہاد کو دو معنی ومفہوم کی ادائیگی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ (ا) اجتہاد الرای: اس معنیٰ میں کہ جب مجتہد کو کتاب وسنت میں کوئی نص و دلیل نہ ملے تو وہ اپنے ذاتی اجتہاد کو کام میں لانے کے لئے قیاس واستحسان اور مصالح مرسلہ یا پھر ظنی ترجیحات کا استعمال کرکے حکم شریعت کو دریافت کرلیگا۔ اور ائمہ اربعہ کی فقہ میں یہی اجتہاد کے معنی مراد لئے

جاتے ہیں۔

۲۔ استخراج الاحکام من ادلّۃ الشّرع: کتاب وسنت کے دائرہ میں رہتے ہوئے عملیات استنباط کے ذریعہ موقف عملی کو دریافت کرنے کا نام اجتہاد ہے۔ اور یہی اصطلاح فقہ امامیہ میں رائج ہے۔ یہ اس معنی میں ہے کہ مجتہد اپنی تمام تر کوششیں ،کتاب وسنت کے مخصوص اور ادلّہ کلّیہ کو حکم شرعی کے دریافت کرنے پر صرف کردیتاہے جبکہ اس کے بنیادی ضوابط میں عقل عام سے استدلال اور نصوص کے لغوی وعرفی معانی پر استدلال شامل ہیں۔اجتہاد کے پہلے معنی جو قیاس ورای پر مشتمل ہے اس میں مرکزی خیال یہ ہے کہ کتاب وسنت کی تعلیمات محدود وقاصر ہیں اور پیدا ہونے والے تمام مسائل کی جوابدہی پر قادرنہیں ہیں، اسی لئے کتاب وسنت کے تحقیقی دلائل کے علاوہ ظنّیات کی اضافی دلیل کومستند قرار دینے پر مجبور ہوگئے اور اس فقہی استناد میں جس چیز نے اساسی رول ادا کیا وہ ہے دربار خلافت کے ایک گوشہ سے اٹھنے والا نعرہ حسبنا کتاب اللّٰہ اورحضور اکرم کی احادیث ممانعت اور اس کے نقل کرنے پر قدغن ! فقط اتنا ہی نہیں بلکہ تمام والیوں اورعمّال کے نام مکتوب بھی ارسال کیے گئے کہ ’’سنن النبی‘‘ کوتلاش نہ کریں بلکہ اپنےشخصی قیاسات پرعمل پیرا ہوجائیں جبکہ بعض عمّال کے لئے یہ بھی لکھ دیا تھا’’من کان عندہ شئی من ذلک فلیحہ‘‘۲؎

اور پھر اسی افتراق قیاسات سے تعدد مذاہب کو استناد مل گیا اور ناچار ہوکرتصویب کا قائل ہونا پڑا اور پھرعمل اجتہاد کی روح ،جس کا کام ہر زمانے کے مسائل کا حل کرنا تھا مجروح ہوتی چلی گئی اور تقدس زدگی سے ہوتے ہوئے انحصار مذاہب وآراء جیسی حدبندی نے امت کے آفاقی ارتقاء پر پہرے بٹھادئے۔مشہد محمد باقر الصدر نے’’المعالم الجدیدہ‘‘میں اسی پر اشک افشانی کی ہے۔

عقیدہ تصویب کا مسلمانوں میں پیداہونا شریعت عدم شمول وخلود ونقص کتاب وسنت کا وسیلہ بن گیا۔ اس کا سیدھا مطلب تھا معدودے چند احکام ہی کتاب وسنت کے نصوص میں آتے ہیں۔ اس کے تشریع احکام کا اختیار مجتہدین قیاس واستحسان کو دیا گیا۔

فقہ اہل بیتؑ میں اجتہاد واستنباط حکم شرعی کے لئے پے درپے دو مرحلے ہیں۔شریعت کے بیان کی دوصورتیں ہیں۔ (۱) ایک وہ بیان ہے جس کے ذریعہ حکم شرعی واقعی معلوم کیاجاتاہے جس کو استدلال کا ذریعہ بنایاجاتا ہے اسکو دلیل اجتہادی کہاجاتاہے۔

(۲) پہلی صورت کے نہ ہونے کی صورت میں جبکہ حکم شرعی واقعی معلوم نہ ہوسکے تو فورا ہم

دوسرے مرحلہ میں داخل ہوجائیں گے، اور یہاں پر صرف یہ معلوم کرنا ہمارا مقصد ہوگا کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے اور اس سلسلے میں ہماری ڈیوٹی کہاں ہے اور بس ! اس موقف عملی کی تعین کے لئے جن ادلّہ کا سہارا ہمیں چاہئے ان دلیلوں کو اصول عملیہ یا دلیل فقاہتی کہا جاتا ہے، پہلے مرحلے کے دلائل جن کو ادلہ محرزہ یعنی دلیل اجتہادی کہا جاتا ہے ان کے نہ ہونے کی صورت میں اصول عملیہ یعنی ادلہ غیر محرزہ کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔

پھر بھی ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ نصوص کتاب وسنت، ہمارے معاش ومعاد کے لئے کس حد تک غنی ہیں اور شارع نے شریعت کی ہیشگی اور شمول پر کس قدر اہتمام فرمایا ہے۔ براہ راست قرآن مجید کی آیات الاحکام پانچ سو کے قریب ہیں جبکہ ان پر مستزاد دیگر آیات قرآنی کو بھی فقہاء احکام شریعت کے دریافت کرنے کی صورت میں مقام استشہاد پر لے کر آئے ہیں، اسی لئے اس کی تعداد میں انشعاب نظر آتا ہے جبکہ ان آیات کی تین صورتیں ہیں ۔

(۱) کچھ بطور نص واضح اور تفصیلا حکم کو بیان کرتی ہیں۔

(۲) کچھ آیات عموم حکم یا حکم کی اجمالی صورت کو بیان کرتی ہیں

(۳) کچھ آیات ایسی ہیں جو تلمیحات واشارات کی صورت میں موضوع یا محمول کو بیان کرتی ہیں۔

اور اب ذخیرۂ احادیث کا جائزہ لیتے ہیں، محدث فقیہ حر العاملی ۱۱۰۴ھ نے کتب اربعہ کی تمام احادیث کو یکجا کر کے دیگر مصادر سے بھی تقریبا ۳۵۸۵۰ احادیث معصومین کو اپنی کتاب'' وسائل الشیعہ'' میں جگہ دی ہے جبکہ شیخ حسین نوری نے دیگر مصادر سے ۲۳۰۰۰ حدیثوں کی تخریج کی ہے اسی طرح صرف احکام فروع فقہی میں ساٹھ ہزار احادیث مکتب اہل البیت میں ہوجاتی ہے جو کسی دوسرے فقہی مکتب میں موجود نہیں ہے۔

سلف صالحین میں قیاس کے حجت ہونے کے بارے میں کچھ زیادہ ہی اختلاف تھا۔صحابہ اور تابعین قیاس کو دلیل شرعی نہیں بناتے تھے۔ہاں جب کسی مسئلہ میں کوئی دلیل نہ ملتی تو پھر وہ قیاس کو اس اعتبار سے قابل عمل سمجھتے جیسے مجبور کے لئے مردہ کو حلال سمجھا جاتا ہے اور سائل کے لئے واضح کردیتے کہ یہ فتویٰ قیاس پر مبنی ہے تمہارے لئے اس فتویٰ پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے۔ بعد کے فقہاء نے قیاس کو شرعی دلائل میں شمار کیا اور ساتھ ہی فقیہ اور غیر فقیہ کی اصطلاح بھی وضع کرڈالی ،صحابہ کو دو

گروہوں میں تقسیم کردیا، جس کو چاہا فقیہ مان لیا اور جس کو چاہا بغیر دلیل کے غیر فقیہ کہہ دیا۔ پھر قیاس میں اس قدر غلو کیا کہ غیر فقیہ صحابہ کی روایات کو محض اس لئے رد کردیا کہ وہ ان کے قیاس کے خلاف تھیں، اگرچہ صحت کے انتہائی درجہ کو پہنچتی تھیں۔ [۳]

عراق کی سرزمین شروع سے ایسی تھی جس میں قیاس کے جراثیم خیر القرون سے پیدا ہونے شروع ہو گئے تھے جن کے متعلق امام جعفر صادقؑ جیسے بزرگ اہل بیتؑ نے بڑے تأسف وحزن کا اظہار فرمایا تھا اور کئی دفعہ اہل الرای سے مناظرہ کا میدان بھی گرمایا لیکن اس کے اہل الرأی والقیاس کا اثر ونفوذ بڑھتا چلا گیا حتیٰ کہ چوتھی صدی ہجری میں خلافت کا زیادہ ترانصرام ان کے ہاتھ چلا گیا۔ [۴]

چوتھی صدی ہجری تک تقلید شروع نہیں ہوئی تھی مگر چوتھی صدی شروع ہوتے ہی بڑے بڑے فتنے اٹھے۔ منطق وفلسفہ یونانی کے ترجمہ وتدریس کا سلسلہ شروع ہوگیا اور یہیں سے قیاس پر مبنی اجتہاد وتقلید کو شرعی حجت مان لیا گیا اور پھر قرآن وسنت کی تعلیمات خطرے میں پڑ گئیں۔ قرآن وسنت پر اقوال اہل القیاس کو مقدم سمجھا گیا اور احادیث کے وضع کرنے سے بھی گریز نہ کیا گیا اور اس کے ساتھ ہی اصحاب پیغمبر انس اور ابوہریرہ کو غیر فقیہ القاب سے نوازا گیا۔ محدثین صحاح ستّہ کو مقلد بنانے کی روش اختیار کی گئی، تعصب یہاں تک بڑھا کہ احناف نے شوافع اور شوافع نے احناف پر کفر کے فتوے چسپاں کیے، نویں صدی ہجری میں مرکز توحید بیت اللہ الحرام میں چار مصلوں کی بدعت کا آغاز ہوگیا اور واتّخذوا من مقام ابراھیم مصلّیٰ، کی بابرکت وحدت کو تقلیدی مذاہب نے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے۔ حتیٰ کہ بعض دفعہ اہل قیاس کے پاس دلیل نہ ہونے کی بنا پر کتاب وسنت کی توہین کا بھی ذرّہ برابر خیال نہیں رکھا جاتا اور برملا فتوی دیا جاتا ہے کہ مقلدین کا براہ راست کتاب وسنت پر عمل کرنا گمراہی کا باعث ہے جب کہ قاعدہ تو یہ ہے کہ کتاب وسنت کے واضحات کے ہوتے ہوئے نہ تو اجتہاد کی کوئی گنجائش ہے اور نہ تقلید کا کوئی مقام۔ ''المنجد'' میں تقلید کے لغوی معنیٰ اس طرح ذکر ہوئے ہیں'' قلّدہ فی کذا ای تبعه من غیرتامّل و لانظر'' اس نے اس دوسرے کی تقلید کی یعنی بغیر کسی سوجھ بوجھ کے اس کے پیچھے چلا، صاحب ''مصباح اللغات'' نے لکھا ہے'' تقلید نصرانیوں کی سینہ بہ سینہ باتوں کو کہا جاتا ہے۔ آیت اللہ محمد حسین طہرانی فرماتے ہیں'' تقلید کے معنی قلادہ کو دوسرے کی گردن میں لٹکانا ہے، تقلید کے معنی ہرگز یہ نہیں کہ شخص مقلد قلاوہ امر ونہی مقلد ومرجع کو اپنی گردن

میں لٹکالے کیونکہ اس طرح کے معنی تو باب تفعّل (تقلّد) سے ظاہر ہوتے ہیں، بلکہ اس کے معنی تو دوسرے کی گردن پر اپنے بوجھ کو واگذار کرنا ہے، شخص عامی مقلد نے اپنا نظری اضافی بار مجتہد کی گردن پرڈال دیا ہے۔ مجتہد جہاں اپنی ذمہ داری کا بوجھ اٹھاتا ہے وہیں پر اپنے مقلدین کے بار کا بھی متحمل ہوتا ہے۔ یہی معنی روایت تقلید'' فللعوامّ ان یقلّدوہ '' سے برآمد ہوتے ہیں کہ جس کو شیخ طبرسی نے ''احتجاج'' میں اور شیخ اعظم انصاری نے ''رسائل'' میں ذکر کیا ہے۔قلاوۂ علم واخذ احکام کتاب وسنت کو فقیہ مجتہد کی گردن پر ڈال دیا جائے اسی طرح اہل زبان عرب نے اس طرح بھی استعمال کیا ہے۔ قلّدہ السّیف، بادشاہ نے اپنے وزیر پرتقلید سیف'' یعنی اس پر شمشیر زنی کا بوجھ ڈال دیا۔

تقلید

مادہ تقلید جس قدر انسان میں ہے اتنا کسی دوسرے جاندار میں نہیں ہے۔نقل اتارنے کی عادت ماں کی گود سے شروع ہوجاتی ہے فیشن کی پابندی اور اس کی طرف رغبت یہی قوت تقلید ہے۔جو انسان میں فطری طور پر پائی جاتی ہے (۲) انسان کا خاصہ ہے کہ وہ فوق العادہ حالات کا خواہاں رہتا ہے، ہر آدمی اپنے حرکات وافعال کا حاکم خودنہیں ہوسکتا ہے، قوت تقلید اس کی خودمختاری پر حاکم اور مانع ہوتی ہے۔ ۳۔قوت تقلید صرف افعال وحرکات کے مشاہدہ پر منحصر نہیں بلکہ کسی خیال کے مقلّد ہوجاتے ہیں، قصوں کہانیوں کا اثر قومی عموم اخلاق پر دیکھا جاسکتا ہے بلکہ قصوں اور فلموں کے فرضی کردار اور فرضی اشخاص کی تقلید کرنے لگتے ہیں۔

واضعان قوانین کے نزدیک اخلاق عمومی کی اصلاح کے لئے قوت تقلید سے کام لینا کارآمد ومفید ہے، ہر ایک کے لئے قانون کی پابندی کرنا ضروری ہے کیونکہ اس کا ہرفعل دوسروں کے لئے مثال بن جاتا ہے، قومی اخلاق وعادات کے لئے ضروری ہے۔

ماہرین علم افعال الاعضاء نے کہا ہے کہ تقلید کرنے کا میلان ایک عصبی خاصہ ہے اور اگر اس خاصیت کی تعدیل نہ کی جائے تو یہ ایک مرض کی شکل اختیار کرلیتا ہے، کسی شخص کو جمائی لیتے دیکھ کر دوسروں کو جمائی آنے لگتی ہے، قینچی سے کاٹتے وقت منہ بناتے ہیں، ماں بچہ کو جب لقمہ دیتی ہے تو بچہ کے منھ کھولنے سے قبل خود ہی منھ کھول دیتی ہے اس کی اصلیت یہی تقلید ہے۔ فعل وحرکت حقیقت میں فکروخیال کا ثبوت ہوتے ہیں۔ انسان صرف وہی حرکت کرتا ہے جو دماغ تک حکم دیتا ہے

اور دماغ اس شغل کا حکم دیتا ہے جس کا خیال اس میں بذریعہ نظریات سماعت کے پیدا ہوا۔ انسانی فکر بذریعہ دماغ کے دوسرے اعضاء بدن کو اپنے مشابہ قرار دیتے ہیں اس کا نام تقلید ہے۔

جس قدر معاملہ کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے اتنا ہی اس میں سوجھ بوجھ اور انتخاب سے کام لینا پڑتا ہے۔ معمولی مرض میں قدرے معلومات پر قناعت کی جاتی ہے۔ اسی طرح تعمیر کے سلسلے میں بڑے ماہر انجینئر کی تلاش ہوگی۔ معمولی مقدمہ کے لئے معمولی وکیل سے کام چل سکتا ہے، مگر معاملہ کی پیچیدگی اور حساس ہونے کی صورت میں بڑے سے بڑے ماہر قانون کی طرف رجوع کرنا ہوگا، عقل کا فیصلہ یہ ہوگا کہ اپنی طرف سے کوئی کوتاہی نہ پیش آئے، احکام شرعیہ وہ اہم چیز ہے جن سے انسان کے معاش ومعاد کے مسائل وابستہ ہوتے ہیں، اگر ہر شخص اتنا علم رکھتا کہ بذات خود کتاب وسنت سے مسائل دریافت کرلیتا جبکہ اصل مقتضائے قاعدہ یہی تھا مگر عام نظام زندگی میں یہ امر ناممکن ہے اور اسی قاعدۂ لطف دفع عسروحرج اور جذب لطف ویسر پر بنیاد رکھتے ہوئے شریعت نے بھی اس کی تحصیل کے واجب ہونے کا حکم نہیں دیا ہے۔ اور اختصاص کے زمانے سے قریب ہونے کی صورت میں بھی یہ عادلانہ تقسیم ناگزیر ہے۔ ایک وہ گروہ جو مسائل دین کو براہ راست دریافت کرسکے، دوسرا گروہ وہ ہے جو دیگر ضروری وسائل زندگی سے مربوط ہونے کی وجہ سے اپنے میدان کے اختصاص کے باوجود ماہرین دینیات سے اپنے دینی مسائل حل کرانے پر طبیعتاً ناچار ہیں۔

علماء اصول کا اصطلاح میں تقلید ''العمل بقول الغیر بلاحجّۃ''۵ بعض نے تعریف کرتے ہوئے یہ قید بھی لگائی ہے کہ مقلّد دلیل معلوم کرنے کا مکلّف نہیں ''امّا المقلّد فمستندہ قول مجتہدہ لاظنّہ و لاظنّہ..۶ مقلد کی دلیل صرف ان کے امام کا قول ہے۔ نہ تو وہ تحقیق کرسکتا ہے۔ اور نہ اپنے امام کی تحقیق پر نظر ڈال سکتا ہے۔ علاّمہ حسن شرنلالی حقیقت تقلید کے متعلق وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

> ''العمل بقول من لیس قولہ احدیٰ الحجج الاربعۃ الشرعیۃ بلاحجۃ،فلیس الرجوع الی النّبی صلی اللہ علیہ وآلہ والاجماع ، من التّقلید لانّ کلاًمنہا حجّۃ شرعیۃ من الحج الشرعیۃ وعلی ہذا اقتصدا الکمال فی تحریرہ وقال ابن امیر الحجاج علی ہذا عمل العامی بقول المفتی وعمل القاضی بقول العدول لانّ کلّامنہا وان لم یکن احدی

الحج فلیس العمل به بلاحجة شرعیه لاجاب النّظر اخذ العامی بقول المفتی واخذ القاضی بقول العدول ۷ قاضی شوکانی نے ''تقریب المعنیٰ'' ہی تعریف کی ہے التّقلید هو العمل بقول الغیر من غیر حجة فیخرج العمل بقول النبی صلی الله علیه وآله والعمل بالاجماع ورجوع العامی الی المفتی ورجوع القاضی الی شهادة العدول فانّها قد قامت الحجة فی ذلک ۸ حدیث او اجماع پر عمل کرنا تقلید نہیں، اسی طرح عامی کا مفتی کی طرف رجوع کرنا اور قاضی کا عادل گواہ کی طرف رجوع کرنا یہ بھی تقلید نہیں کیونکہ اس پر دلیل قائم ہوچکی ہے۔

ابو انس محمد یحییٰ گوندلوی مقلدین ائمہ کی عدالت میں لکھتے ہیں'' قیاس میں غلو کرنے والوں اور اجتہاد کے دروازے کو بند کرنے والوں نے دلائل شرعیہ کو ترک کرکے امت کے لئے ایک نئی راہ نکالی ،جس سے علم کو محدود کرنا مقصود تھا تاکہ امت پر ائمہ اربعہ کی تقلید واجب ہوجائے حالانکہ اصول اربعہ میں تقلید کا نام ونشان نہیں اور نہ ہی اسلام نے کسی کو مقلد بننے کا مکلّف بنایا ہے اسلام نے تو کتاب وسنت کی اتباع کا حکم دیا اور جمود وتقلید کو ختم کرنے کے لئے اجتہاد کو لازمی قرار دیا ہے لیکن ان حضرات نے کمال تناقض کے ساتھ اجتہاد کو بند کردیا اور تقلید کو فرض قراریا، حالانکہ قرآن وحدیث اور ائمہ اربعہ کے اقوال میں کہیں تقلید کا حکم نہیں'' ۹

شاہ ولی اللہ نے ''عقد الجید'' ص ۶۲ میں فرمایا ''ابن حزم کا یہ قول کہ تقلید حرام ہے صرف تین قسم کے لوگوں پر صادق آتا ہے اول جس کو تھوڑا بہت اجتہاد کا ملکہ ہوخواہ ایک ہی مسئلہ میں ہو اور اس پر یہ پوری طرح روشن ہو کہ نبی کریم نے اس کا حکم فرمایا اور یہ حدیث منسوخ نہیں'' شاہ صاحب کی اس عبارت پر شیخ الاسلام یوں رقم طراز ہیں'' اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ عمر کا کچھ حصہ تحصیل علوم میں خرچ کرکے علوم عالیہ میں دستگاہ رکھتے ہیں ،علوم تفسیر وحدیث اورفقہ کو باقاعدہ پڑھتے ہیں ان کے حق میں نہ تو تقلید کی تعریف صادق آتی ہے ۔ نہ وہ کسی طرح مقلّد کہلاسکتے ہیں بلکہ وہ ایک معنی سے اچھے خاصے مجتہد ہیں'' ۱۰ علم معانی وبیان میں ہے''قد ینزل العالم منزلة الجهل لعدم جریه علی موجب العلم ۱۱ یعنی جب عالم کے علم کے مطابق عمل نہ ہوتو وہ جاہل سمجھا جائے گا'' یہ حضرات تمام دینی علوم سے آراستہ ہوکر فقہاء مجتہدین ہوبھی جاتے ہیں لیکن اس اعتبار سے اسے ان میں

بدرجۂ اتم جہالت ہوتی ہے کہ ان کو جب کسی مسئلہ پر عمل کرنا ہوتو امام کی رائے سے قدم باہر نہیں، فان کنت لاتدری فتلک مصیبة، وان کنت تدری فالمصیبه اعظم، پھر ان علماء کو دیکھو جنہوں نے تقلید جیسے معرکۃ الآرا مسئلہ پر کتابیں لکھیں اور اسی سے دلائل سے استنباط کی ناحق سعی کی کا علم سے تعلق ہے تو پھر ایسے محقق ہونے کے باوجود یہ مقلد کیسے رہ گئے جب کہ اس مسئلہ کی تحقیق میں یہ مجتہدین سے بھی سبقت لے گئے جبکہ ائمہ اربعہ مجتہدین کے اقوال میں کہیں پر بھی تقلید کا حکم نہیں اور قرآن وحدیث میں بھی نہیں ہے اگر ان محققین سے پوچھا جائے کہ تم نے تقلید کو دلیل سے معلوم کیا ہے تو فوراً کہہ دیں گے، کتاب وسنت سے، پھر ان سے پوچھا جائے کہ تم نے کتاب وسنت سے ایسے مسئلہ کا استخراج واستنباط کرلیا جس کو خود ائمہ اربعہ بھی نہ کرسکے تو پھر ان مسائل کا استنباط کتاب وسنت سے کیوں نہیں کرتے جو عام فہم ہیں اور ایسے بیّن اور واضح ہیں جن کی تحقیق میں غلط ٹھوکریں بھی نہیں کھانی پڑیں، یہ محض تقلیدی کرشمے ہیں کہ علوم کے ماہرین بھی تقلید سے باہر جانا پسند نہیں کرتے۔ ۱۲
کیونکہ اس طرح سے وہ علمائے یہود اپنی ریاست قائم رکھنا چاہتے تھے اور اس طرح خود کو اور اپنی قوم کو اصل ایمان وخدمات نبوت وامامت سے محروم کردینا چاہتے تھے، اور صحیح موجود صفات پیغمبرؐ ووصی پیغمبرؐ کو غلط ثابت کرکے پروردگار کا عذاب مول لینا چاہتے تھے، پھر امام عسکری علیہ السلام کلام امام صادق علیہ السلام بطور دلیل استشہاد فرمایا" ایک شخص نے چھٹے امام سے سوال کیا کہ قوم یہود پروردگار کی کتاب کو اپنے علماء سے سنتے تھے اور اس کے علاوہ ان کے پاس دوسرا کوئی طریقہ نہ تھا سوائے یہ کہ اپنے علماء سے سن کر قبول کرکے ان کی تقلید کریں، تو اس طرح ہمارے عوام اور یہودی عوام میں کیا فرق رہ جاتا ہے، تب امام صادق علیہ السلام جواب مرحمت فرماتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ" ہمارے عوام وعلماء اور یہودی عوام وعلماء میں ایک جہت سے فرق ہے اور دوسری جہت سے یکسانیت ہے۔ اگر یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان اس طرح کی کوئی یکسانیت ہوگی تو دونوں ہی قابل مذمت ہیں اور اگر کچھ حیثیات وجہات سے فرق پایا تو یقیناً ہمارے علماء وعوام قابل مذمت نہیں ہیں، پھر وہ مسائل شخص درخواست کرتا ہے یا بن رسولؐ اللہ کچھ وضاحت فرمایئے تو آپ نے فرمایا" یہودی عوام، اپنے علماء کا سفید جھوٹ جانتے تھے اور یہ کہ حرامخوری کے عادی تھے، فیصلوں میں بھی رشوت بازاری عام تھی اور پروردگار کے احکام کو بڑوں کی خوشنودی اور سفارشوں اور پارٹی بازی سے بدل دیتے تھے اور ان کے اندر تعصب نفسی یا قومی پایا جاتا تھا اور سوچ میں بدترین استبداد پایا جاتا تھا۔ اس کی بنیاد اقامۂ دین

کو پس پشت ڈال کر حقوق واجبہ کو پائمال کر دیتے تھے، اور جس کی بھی جانبداری پر اتر آتے تو اس کو وہ سب دینے کو تیار ہوجاتے جس کا وہ حقدار نہ ہوتا اور حق دار سے حق چھین لیتے اور اس طرفداری میں ظالموں کی خاطر خود بھی ظلم کرنے میں برابر کے شریک ہوجاتے اور یہودی قوم والے اچھی طرح جانتے تھے کہ ان کے علماء کس طرح ببانگ دہل حرام کاریاں انجام دیتے ہیں اور فطرت بھی یہ گواہی دیتی تھی کہ اس طرح کے علماء قابل تقلید نہیں کیونکہ یہ متجاہر بالفسق ہیں مگر پھر بھی اندھی تقلید میں گھرے رہے، اسی لئے پروردگار نے ان کی مذمت کی ہے کہ انہوں نے جانتے ہوئے ان کی اندھی تقلید کی۔ اسی طرح ہماری امت اسلامیہ نے بھی اپنے علماء کو فسق وفجور اور تعصب اور دنیاداری میں کتوں کی طرح لڑتے ہوئے دیکھا اور ان کے ظلم وستم اور اپنے مخالف کو روندتے ہوئے جانا جب کہ اصلاح ممکن تھی مگر اس کے باوجود بھی ہماری امت کے کسی فرد نے بھی ان علماء کی تقلید کی تو اس مسلمان شخص کو بھی قابل مذمت یہودیوں ہی میں سے شمار کیا جائے گا، پھر امام علیہ الام نے فرمایا ’’فامّا من کان من الفقهاء صائناً لنفسه ، حافظاً لدينه ، مخالفاً علیٰ هواه ، مطيعاً لامر مولاه فللعوامّ ان يقلّدوه ذلک لايکون الّابعض فقهاء والشيعة لاجميعهم، اس طرح سے وہ علماء یہود اپنی ریاست قائم رکھنا چاہتے تھے اور اس طرح خود کو اور اپنی قوم کو اصل ایمان وخدمات نبوت وامامت سے محروم کر دینا چاہتے تھے، اور صحیح موجود صفات پیغمبر ووصی کو غلط پیغمبر ثابت کر کے پروردگار کا عذاب مول لینا چاہتے تھے، پھر امام عسکری علیہ السلام کلام امام صادق علیہ السلام بطور دلیل استشہاد فرمایا ’’ایک شخص نے چھٹے امام سے سوال کیا کہ قوم یہود پروردگار کی کتاب کو اپنے علماء سے سنتے تھے اور اس کے علاوہ ان کے پاس دوسرا کوئی طریقہ نہ تھا سوائے یہ کہ اپنے علماء سے سن کر قبول کر کے ان کی تقلید کریں۔

سورۂ بقرہ ۷۸ ویں آیت سے لیکر ۷۹ ویں آیات ’’شیخ طبرسی‘‘ نے امام حسن عسکری علیہ السلام سے منسوب تفسیر سے ایک روایت نقل کی ہے، شیخ اعظم انصاری نے بھی ’’فرائد الاصول‘‘ ’’رسائل‘‘ میں روایت کے ایک حصہ کو نقل کیا ہے کہ جس میں امام عسکری علیہ السلام، امام صادق علیہ السلام کے کلام کو مقام استشہاد واستدلال میں لیکر آئے ہیں، مگر شیخ طبرسی اس روایت کو یوں شروع کرتے ہیں’’ وبالاسناد عن ابی محمد العسکری علیه السلام فی قوله تعالیٰ ’’ومنهم اميّون لايعلمون الکتاب الّااماني۔ (سورۂ بقرہ آیت ۷۸)

امام عسکری علیہ السلام نے خاص طور پر دولفظوں کی شرح فرمائی ہے ''امّی'' اور "امانی'' انّ الامّی، منسوب الیٰ امّہ" ای ھو کماخرج من بطن امّہ لایقرأ ولایکتب۔

یعنی لفظ اُمّی ماں کی طرف منسوب ہے جس سے مراد یہ ہے کہ یہ اہل کتاب مادر زاد جاہل ہیں اور کچھ نہیں جانتے ہیں'' لایعلمون الکتاب" المنزل من السّماء ولاالمتکذّب بہ ولا یمیّزون بینھما "الاّ امانی" ای! الاّ ایقرأ علیھم ویقال لھم انّ ھذا کتاب اللّٰہ کلامہ، یہودوعیسائی اپنی اپنی کتابوں یعنی تورات اور انجیل کونہیں جانتے وہ اس طرح کہ اگر ان کے سامنے جھوٹی سچی کتاب لاکر پیش کردی جائے اور وہ خداوند کی طرف منسوب کردی جائے تو فورا اس کی تصدیق کرڈالیں گے کیونکہ ان کا ذریعہ شناخت ''امانی''،یعنی بس ان کے سامنے کتاب پیش کردی جائے اور کہہ دیا جائے کہ یہ خدا کی کتاب ہے۔فوراً مان کر اس پر فیصلہ لینا شروع کردیں گے اور صحیح اور باطل میں کوئی فرق محسوس نہ کریں گے۔لایعرفون ان قرأ من الکتاب خلاف ما فیہ ...اور اگر کوئی یہودی یاعیسائی عالم اپنے عوام کے لئے کتاب الٰہی کوتحریف وتبدیل کرکے پیش کرے گا تو وہ لوگ بغیرسوچ سمجھے آمناّ وصدقّنا کے نعرے لگانے لگیں گے، اور ان عالموں کی مان مانی باتوں کو خدا کی بات سمجھ بیٹھے گیں اور منزل من السماء کا درجہ دے بیٹھیں گے،'' وان ھم الاّیظنّون" أی مایقرأ علیھم رؤساؤھم من تکذیب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم فی نبوّتہ وامامۃ علیّ سیّد عترتہ اور پھر نتیجہ یہ ہوتاہے کہ رسالت خاتم اور امامت کا انکار لازم آتاہے ، اور پھر امام عسکریؑ فرماتے ہیں ''وھم یقلّدونھم مع انّہ محرّم علیھم تقلیدھم .... ایسے عالموں کی تقلید کرنا حرام ہے جو کتاب خداکوہی بدل ڈالتے ہیں،امام عسکری علیہ السلام حدیث کو آگے بڑھاتے ہیں، ھذا القوم الیھود کتبوا صفۃ علماء یہود اوصاف خاتم النبیین کو کچھ اس طرح سے بیان کرتے ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جو صفات آخری نبی کی ہماری کتابوں میں لکھی ہیں وہ اس سے کہیں مختلف ہیں جو موجود شخصیت محمد بن عبد اللہؐ میں پائی جاتی ہیں، اور اپنی جاہل عوام کو یہ باور کرانے کی کوشش کوئی بھی صفت جو ہماری کتابوں میں آخری نبی کے لئے مذکور ہیں موجودہ نبی آخر الزمان پر منطبق نہیں ہوتی اور یہ کہ وہ نبی بہت عظیم البدن ہے بلند قامت ہے اورجس کے بال نہ سرخ ہیں نہ زرد اور وہ نبی آخرالزماں تو آج سے (وقت بعثت رسول اسلام) پانچ سو سال بعدظہور کرے گا۔

☆

حوالے:

۱۔موسوعة الفقه الاسلامی ۱ / التفتیح فی شرح العروة ۱/ ۲۵
۲۔کنزل العمال ۱۰/ ۱۹۲
۳۔مقلدین، ص ۱۳
۴۔مقلدین ائمہ کی عدالت میں، ابوانس محمد یحی گوندلوی ،ص ۱۱۳
۵۔مسلم الثبوت
۶۔مسلم الثبوت، ص ۵
۷۔معیار الحق، ص ۶۶
۸۔ارشاد العقول ،ص ۲۴۶
۹۔مقلدین، ص ۱۳
۱۰۔اجتہاد وتقلید شیخ الاسلام
۱۱۔تلخیص المفتاح، ص ۶
۱۲۔مقلدین ،ص ۲۲

☆☆☆